کمالاتِ اصحابِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

اردو ترجمہ

الاسالیب البدیعہ فی فضلِ صحابہ و اقناعِ الشیعہ

مصنف:
امام علامہ یوسف بن اسماعیل نبہانی رحمۃ اللہ علیہ

مترجم:
علامہ پروفیسر محمد اعجاز جنجوعہ

نوریہ رضویہ پبلی کیشنز
۱۱۔ گنج بخش روڈ۔ لاہور

تزئین و اہتمام

سید شجاعت رسول قادری

نام کتاب —— الاسالیب البدیعہ فی فضل الصحابہ واقناع الشیعہ

مصنف —— امام علامہ محمد یوسف بن اسماعیل نبہانی رحمۃ اللہ علیہ

مترجم —— علامہ پروفیسر محمد اعجاز جنجوعہ

پرنسپل گورنمنٹ کالج بوچھال کلاں چکوال

تعداد صفحات —— 224

کمپوزنگ —— محمد حسین فون: 0300-9418415

باراوّل —— جولائی 2002ء

تعداد —— 1100

مطبع —— اشتیاق اے مشتاق پرنٹرز لاہور

ناشر —— نوریہ رضویہ پبلی کیشنز گنج بخش روڈ لاہور

قیمت —— 105/ روپے

ملنے کا پتہ

نوریہ رضویہ پبلی کیشنز

گنج بخش روڈ لاہور فون: 7313885

مکتبہ نوریہ رضویہ

گلبرگ-A فیصل آباد فون 626046

فہرست

نمبر شمار	عنوان	صفحہ

| | **قسم دوم** | ۹۷ |

خطبۂ کتاب

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَرْسَلَ سَیِّدَنَا مُحَمَّدًا
صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ سَلَّمَ رَحْمَةً لِّلْعَالَمِیْنَ وَ
اَیَّدَهٗ بِاٰلِهِ الطَّیِّبِیْنَ الطَّاهِرِیْنَ الْغُرِّ
الْمَیَامِیْنَ وَاَصْحَابِهِ اُسُدُ لِعرین الدِّیْنِ
وَنُجُوْمِ الْهِدَایَةِ لِلْمُهْتَدِیْنَ رَضِیَ اللّٰهُ
عَنْهُمْ اَجْمَعِیْنَ، فَقَدْجَا هَدُوْا فِی اللّٰهِ حَقَّ
جِهَادِهٖ وَ نَشَرُدِیْنَهٗ فِیْ بَلَادِهٖ وَ عِبَادِهٖ وَ
لِذٰلِکَ ذَکَرَهُمْ فِیْ اٰیَاتٍ کَثِیْرَةٍ فِیْ
کِتَابِهِ الْاَسْنٰی وَاَثْنٰی عَلَیْهِمْ وَ رَضِیَ
عَنْهُمْ وَ وَعَدَهُمُ الْحُسْنٰی وَهُوَ سُبْحَانَهٗ وَ
تَعَالٰی الْکَرِیْمِ الْجَوَّادِ الصَّادِقِ الْوَعْدِ
الَّذِی لَا یُخْلِفُ الْمِیْعَادَ فَهَلْ یُمْکِنُ اَنْ
یَصِلَهُمْ مَکْرُوْهٌ بَعْدَ اَنْ رَضِیَ عَنْهُمْ
الْمَلِکُ الْجَلِیْلُ اَوْ یُلْحِقُهُمْ عَیْبٌ بَعْدَ
اَنْ جَمَلَهُمْ بِثَنَائِهِ الْجَمِیْلِ اَوْیَصِلَ سُوْءٌ
بَعْدَ اَنْ وَعَدَهُمُ الْحُسْنٰی وَ جَعَلَهُمْ مِنْ
رِضْوَانِهٖ فِی الْمَحَلِّ الْاَسْنٰی حَاشَا وَکَلَّا
وَ کَفٰی بِمَنْ یَعْتَقِدُ خِلَافَ ذٰلِکَ ضَلَالًا

ساری تعریفیں اللہ تعالیٰ کی ذات پاک کے
لئے جس نے ہمارے سردار حضرت محمد
ﷺ کو رحمۃ للعالمین بنایا اور آپ کی آلِ
پاک اور صحابۂ کرام کے ذریعے آپ کی تائید
فرمائی، صحابہ کرام بیشۂ دین کے شیر اور
طالبان ہدایت کے لئے ہدایت کے ستارے
ہیں (اللہ تعالیٰ ان سب سے راضی ہو) ان
لوگوں نے راہِ خدا میں جہاد کا حق ادا کیا اور
کرہ ارض پر دین حق کو پھیلایا، اسی لئے اللہ
تعالیٰ نے قرآن حکیم کی بہت سی آیات میں
ان کا ذکر فرمایا، ان کی تعریف فرمائی، انہیں
خوشنودی کا پروانہ اور بھلائی کا وعدہ دیا، اللہ
تعالیٰ کی ذات پاک ایسی مہربان اور صادق
الوعد ہے جو وعدہ خلافی نہیں فرماتی، اس لئے
کیا یہ ممکن ہے کہ صحابۂ کرام کو پروردگار عظیم و
جلیل کے پروانۂ رضا کے بعد کوئی ناگوار
بات پہنچے، یا اللہ تعالیٰ کی تعریف ثناء کے بعد
انہیں کوئی عیب لگے یا وعدۂ حسنیٰ اور رضا کے

وَجَهْلًا، اَمَا يَكْفِي رِضَاهُ تَعَالٰى عَنْهُمْ اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمْ مِنَ الْاَسْوَاءِ حِصْنًا وَ مِنَ الْمَخَاوِفِ اَمْنًا، بَلٰى وَاللّٰهِ اِنَّ فِيْهِ اَعْظَمُ كِفَايَةً وَاقْوٰى وِقَايَةً وَاَفْضَلُ صَلَوَاتِ اللّٰهِ وَ تَسْلِيْمَاتِهٖ وَ تَحِيَّاتِهٖ وَ بَرَكَاتِهٖ عَلٰى مُشَرِّفِهِمْ بِصُحْبَتِهٖ وَ مُصْرِفِهِمْ بِحِكْمَتِهٖ وَجَاعِلِهِمْ بِاِذْنِ اللّٰهِ تَعَالٰى خَيْرَ اُمَّتِهٖ.

اعلیٰ مقام پر فائز ہونے کے بعد ان کی طرف بُرائی کی نسبت ہو؟ ہرگز نہیں، اس حقیقت کے خلاف عقیدہ رکھنے والے کی گمراہی اور جہالت کی یہ کافی دلیل ہے، کیا اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی صحابہ کرام کے لئے برائیوں سے بچنے کا مضبوط قلعہ نہیں اور خطرات سے محفوظ رہنے کا اعلیٰ ذریعہ نہیں؟ ہاں! ہاں! کیوں نہیں! خدا کی قسم! اس حصارِ رضا میں ان کے لئے زبردست کفایت اور بھرپور تحفظ ہے۔ اعلیٰ درود و سلام اور عمدہ تحیات و برکات ہوں اس ذات مقدسہ پر جس نے صحابہ کرام کو شرف صحبت سے مشرف فرمایا اور اپنی لازوال حکمت کے ذریعے انہیں دین حق کی طرف پھیر دیا اور اللہ تعالیٰ کے اذن سے انہیں بہترین امت بنا دیا۔

☆☆☆☆☆

سبب تالیف

تیس سال قبل میں نے اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور حسن توفیق سے ایک کتاب بنام ''المشرف المؤبد لآلِ محمد ﷺ'' [1] اہل بیت عظام رضی اللہ عنہم کے فضائل میں تصنیف کی جو بعنایت الٰہی بار بار زیور طبع سے آراستہ ہوئی اور اس کا نفع عام ہوا۔ اب اللہ تعالیٰ نے اپنے لطف و کرم سے یہ بات میرے دل میں القاء فرمائی ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے فضائل و کمالات میں یہ کتاب تالیف کروں، تا کہ دونوں بھلائیوں کو سمیٹ کر دونوں ہاتھوں سے سعادت کے اسباب جمع کروں۔

اس کتاب کی تالیف کا داعیہ اس طرح پیدا ہوا کہ اس زمانہ میں شیطان نے بعض جاہل سنیوں کو حب اہل بیت کے پردے میں اور خیالی (موہوم) حمایت وعصبیت کے باعث صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بالخصوص حضرت معاویہ اور حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہم اجمعین کے ساتھ نفرت وعداوت کی راہ سجھائی، جس کی وجہ سے وہ ان نفوس قدسیہ پر لعن طعن کر کے خوش ہوتے ہیں اور اس لعن طعن کو قرب خداوندی کا ذریعہ اور دنیا و آخرت میں نیکی کا سامان سمجھتے ہیں۔ شیطان نے ان کے لئے یہ بات بھی آراستہ کر دی ہے کہ آئمہ اہل سنت نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے محارب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا دفاع کر کے عدل وانصاف سے کام نہیں لیا، بعض اوقات شیطان انہیں خلفائے راشدین خصوصاً حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی ذات پر کیچڑ اچھالنے اور تنقید کرنے پر برانگیختہ کرتا ہے اور وہ حرماں نصیب مجرد خواہشات نفس، تعصب اور جاہلی حمیت کے باعث حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بلکہ دیگر خلفائے راشدین پر فضیلت دینے لگتے ہیں اور اس کو بزعم خویش عین انصاف سمجھتے ہیں اور دعویٰ کرتے

---

[1] یہ کتاب برکات آل رسول کے نام سے شرف اہل سنت مولانا عبدالحکیم شرف قادری دامت برکاتہ نے ترجمہ کر کے شائع کی ہے۔

ہیں کہ اتباع حق میں کسی ملامت گر کی ملامت ان کے لئے رکاوٹ نہیں بن سکتی، حالانکہ دین کے معاملہ میں ان کی کوئی حیثیت نہیں اور بے علمی اور جہالت میں وہ چوپایوں کی مانند ہیں۔

شدت جہالت اور بے بصری کی وجہ سے وہ گمان کرتے ہیں کہ عہد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے لے کر آج تک ساری امت مسئلہ فضیلت میں راہ خطاء پر کاربند ہے اور وہ علم وفہم سے بیگانہ، خواہشات کے بندے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بغض وعداوت میں حق بجانب اور راہِ ہدایت وصواب پر ہیں، حالانکہ اس طرزِ عمل سے ان کی وہی حالت ہے جو حسب ذیل آیت کریمہ میں بیان کی گئی ہے۔

هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْاَخْسَرِيْنَ اَعْمَالاً اَلَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَ هُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا (الکھف: ۱۰۴)

کیا ہم تمہیں بتادیں کہ سب سے بڑھ کر ناقص عمل کن کے ہیں؟ ان کے جن کی ساری کوشش دنیا کی زندگی میں گم گئی اور وہ اس خیال میں ہیں کہ ہم اچھا کام کر رہے ہیں۔

ان جہلاء کے اسی طرز عمل نے مجھے اس کتاب کی تالیف پر مجبور اور آمادہ کیا تاکہ ان میں سے جو کوئی اس کا مطالعہ کرے وہ اپنی خطائے عظیم کو پہچان لے اور یقین کرے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حق وہدایت پر نہیں، بلکہ ہلاکت کے گڑھے کے کنارے کھڑا ہے اور اگر کارساز مطلق اپنے لطف وکرم سے اسے نہ سنبھالے گا تو وہ ہلاکت میں پڑ جائے گا۔

جہاں تک اہل تشیع کا تعلق ہے، مجھے امید نہیں کہ وہ اس تحریر کے مطالعہ سے اپنے آباؤ اجداد سے متوارث قدیم و نامستقیم مذہب سے کنارہ کشی کرلیں گے، کیونکہ ایک بدعتی اور بدمذہب شخص کے خلاف تم جس قدر دلائل و براہین قائم کرو اور وہ ان کے جوابات سے عاجز رہے، مگر اس حقیقت کو تسلیم کرنے کے لئے تیار نہ ہوگا اور اپنے عجز کو اس بات پر محمول نہیں کرے گا کہ اس کا مذہب باطل ہے اور تمہارا مذہب حق ہے، بلکہ یہ کہے گا کہ دلائل و حجج قائم کرنے میں تم اس سے زیادہ ماہر ہو، یوں وہ اپنے غلط مذہب کو چھوڑنے پر راضی نہ ہوگا، مگر کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے، نورِ حق کی طرف ہدایت دے دیتا ہے اور بیماری

دواء سے ہم آہنگ ہو جاتی ہے اور باذن خداوندی اسے شفا مل جاتی ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ چاہے تو اس کتاب کے ذریعے بعض شیعہ شفائے روحانی حاصل کر سکتے ہیں اور ان کے لئے راہِ حق وصواب واضح ہو سکتی ہے اور وہ اپنے سینوں میں اہل بیت عظام اور اصحاب کرام (رضوان اللہ علیہم) کی محبت جمع کر کے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مکرم ﷺ کو راضی کر سکتے ہیں اور اگر یہ دولت ہاتھ آ جائے تو کتنی خوش نصیبی ہے؟

اس تحریر سے میرا مقصود اصلی اپنے سرمائے یعنی اہل سنت و جماعت کا تحفظ ہے جو تاریخ کی من گھڑت اور بے سروپا حکایات پڑھ کر شک وتردد میں مبتلا ہو جاتے ہیں، حالانکہ ہمارے علمائے اعلام اور آئمہ اسلام نے اس انبار میں سے صحیح روایات کی عمدہ تاویل اور بہترین توجیہ کر دی ہے، انہوں نے ازراہِ شفقت عوام کے لئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان رونما ہونے والے اختلافات اور تنازعات کا مطالعہ حرام ٹھہرایا ہے، مگر بدقسمتی سے عوام نے اس تحریم اور ممانعت کی طرف توجہ نہیں دی اور جھوٹی سچی روایات کا مطالعہ کرتے رہے، تا آنکہ شیطان نے رفتہ رفتہ ان کے دلوں میں بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ بغض وعداوت کا برا عقیدہ پیدا کر دیا، اس لئے ضروری ہے کہ ہم زبان وقلم سے عوام کی خیرخواہی کا فریضہ سرانجام دیں اور ان کے سامنے صحابہ کرام کے بارے میں صاف عقیدہ کھول کر بیان کریں، پھر ہم جب اس اہم ذمہ داری سے سبکدوش ہو جائیں گے اور اللہ تعالیٰ انہیں حق کی طرف رجوع کی توفیق عطا فرمائے گا تو ہم خوشی سے کہیں گے کہ ہمارا اصل سرمایہ ہماری طرف لوٹ آیا ہے۔

چونکہ اہل سنت کے یہ فریب خوردہ جہلاء حنفی ہیں یا مالکی یا ان کا تعلق شافعی مذہب سے ہے یا حنبلی سے، اس لئے میں نے اس کتاب میں مذاہب اربعہ کے کبار آئمہ کی قابل اعتماد عبارتیں نقل کی ہیں جو گمراہوں کے لئے سامان ہدایت اور جاہلوں کے لئے ذریعۂ علم ہیں۔ تاکہ ہر شخص اصحاب رسول ﷺ کے بارے میں اپنے امام کا مذہب واعتقاد اور تعریفی کلمات جان کر پیروی کا راستہ اختیار کرے اور بدعت سے اجتناب کرے۔

☆☆☆☆☆

کتاب کی ترتیب

کتاب کی پہلی قسم دوسری قسم کی اساس اور بنیاد ہے۔ میں نے اس قسم میں اعلیٰ حجتیں اور عمدہ عبارتیں نقل کی ہیں اور ان کی روشنی میں زبردست باطل شکن دلائل قائم کئے ہیں جو اکثر طبعزاد ہیں۔ اگرچہ سب کتاب وسنت اور کلام ائمہ ہی سے ماخوذ ہیں۔

کتاب کی دوسری قسم پہلی قسم پر مبنی ہے، اس لحاظ سے وہ اجمال ہے یہ تفصیل، عبارتوں میں تکرار اور اسلوب میں جدت اور تنوع کی غرض وغایت یہ ہے کہ ان کا مفہوم قارئین کے ذہن نشین ہو جائے۔ اس لحاظ سے کوئی عبارت فائدہ سے خالی نہیں۔ اس کے باوجود اگر جہلاء از راہ ضد وعناد، کج روی اور گمراہی پر اصرار کریں اور راہ راست سے دور رہیں تو اللہ تعالیٰ کی مرضی، وہ جو چاہے کرے اور جس کو وہ توفیق ہدایت سے محروم رکھے اسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔

کتاب کا نام

میں نے اس کتاب کا نام **الاسالیب البدیعه فی فضل الصحابة و اقناع الشیعه** تجویز کیا ہے اور اسے ایک مقدمہ دو قسموں اور ایک خاتمہ پر ترتیب دیا ہے، مقدمہ میں صحابی کی تعریف، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی تعداد اور ان کے طبقات بیان کئے ہیں۔ قسم اول میں مذاہب اربعہ کے اکابر علماء کی عبارات نقل کی ہیں، جن میں انہوں نے کتاب وسنت اور اجماع امت سے اصحاب رسول ﷺ کی فضیلت، وجوب محبت، راہ راست سے وابستگی بالخصوص خلفائے راشدین سے حسن عقیدت پر دلائل قائم کئے ہیں، میں نے اس سلسلہ میں بارہ اکابر آئمہ کی تحریرات پر اقتصار کیا ہے بعد ازاں بعض ان آئمہ کرام کی عبارات پیش کی ہیں، جنہیں میں نے اپنی کتاب شرف موبد (برکات آل رسول ﷺ) میں نقل کیا ہے اور ان ائمہ کی ترتیب حسب زمانہ رکھی ہے جو کہ حسب ذیل ہے۔

۱۔ حضرت امام ابو جعفر احمد بن محمد طحاوی حنفی رحمۃ اللہ علیہ
۲۔ امام حجۃ الاسلام ابو حامد محمد بن محمد غزالی شافعی رحمۃ اللہ علیہ
۳۔ حضرت امام قاضی عیاض مالکی رحمۃ اللہ علیہ
۴۔ حضرت سیّدی شیخ عبد القادر جیلانی حنبلی رحمۃ اللہ علیہ
۵۔ امام عارف باللہ شیخ شہاب الدین عمر بن محمد سہروردی شافعی رحمۃ اللہ علیہ
۶۔ امام محی الدین یحییٰ بن شرف نواوی شافعی رحمۃ اللہ علیہ
۷۔ امام تقی الدین ابو العباس احمد بن تیمیہ حنبلی رحمۃ اللہ علیہ
۸۔ امام کمال الدین ابن ہمام حنفی رحمۃ اللہ علیہ
۹۔ امام عارف باللہ سیّدی عبد الوہاب الشعرانی شافعی رحمۃ اللہ علیہ
۱۰۔ امام شہاب الدین احمد بن حجر ہیثمی شافعی رحمۃ اللہ علیہ
۱۱۔ امام برہان الدین ابراہیم لقانی مالکی رحمۃ اللہ علیہ
۱۲۔ امام سید محمد مرتضیٰ زبیدی حنفی رحمۃ اللہ علیہ

اللہ تعالیٰ سید المرسلین ﷺ کے جھنڈے تلے ان ائمہ کرام کے زمرے میں ہمارا حشر فرمائے، آمین۔

یاد رکھیئے کہ جب کوئی شخص آئمہ اسلام کے اس کلام سے مطمئن نہیں ہوتا تو یقین کیجئے اس کا اہل سنت میں سے ہونے کا دعویٰ سخت جھوٹا ہے، مگر اس سے ناراض ہونے کی ضرورت نہیں کیونکہ وہ بے چارہ ناسمجھ جانوروں سے بھی بدتر ہے اور اس کے ساتھ کسی قسم کے تعلقات قائم رکھنے کی ضرورت بھی نہیں۔

قسم دوم: میں عمدہ عبارات کے ذریعے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے فضائل و کمالات پر استدلال ہے اور یہ عبارات آیات و احادیث اور اقوال ائمہ پر مبنی ہیں۔ کتاب کے آخر میں خاتمہ ہے جس میں ایسی حکایات و منامات ہیں جو دلائل فضائل کو مؤکد کرتی ہیں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بغض و عداوت رکھنے والوں کو برے انجام سے ڈراتی ہیں۔

مقدمہ

صحابی کی تعریف

امام قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ مواہب لدنیہ میں فرماتے ہیں:

''صحابی اس شخص کو کہتے ہیں جو بحالت ایمان نبی اکرم ﷺ کی زیارت وصحبت سے شرفیاب ہوا ہو، خواہ ایک گھڑی کے لئے اور ایمان ہی پر اس کا وصال ہوا ہو'' پھر فرماتے ہیں۔

''صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تین قسمیں ہیں۔

۱۔ مہاجرین مکہ ۲۔ انصار مدینہ ۳۔ فتح مکہ کے روز ایمان لانے والے''

امام ابن الاثیر جامع الاصول میں فرماتے ہیں:

''مہاجرین مکہ انصار مدینہ سے افضل ہیں مگر یہ اجمالی عقیدہ ہے تفصیل اس کی یہ ہے کہ سابقین انصار متاخرین مہاجرین سے افضل ہیں، جبکہ سابقین مہاجرین سابقین انصار سے افضل ہیں، پھر ان کے درجات میں تفاوت ہے، پھر بعض متاخرین بعض سابقین سے افضل ہیں جیسے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اور حضرت بلال بن ابی رباح ہیں جو ایمان میں متاخر ہونے کے باوجود بعض سابقین پر فضیلت رکھتے ہیں۔

امام قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''علماء نے ترتیب کے لحاظ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حسب ذیل طبقے کئے ہیں۔

پہلا طبقہ

وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جو بعثت نبوت کے آغاز میں اسلام لے آئے۔ یہ صحابہ کرام دیگر تمام صحابہ کرام سے فضیلت میں مقدم ہیں، مثلاً حضرت خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہا (زوجہ رسول ﷺ) حضرت علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ

عنہ، زید بن حارث رضی اللہ عنہ اور بقیہ عشرہ مبشرہ رضی اللہ عنہم۔

دوسرا طبقہ اصحاب دارالندوہ

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کے بعد حضور ﷺ دیگر مسلمانوں کے ہمراہ دارالندوہ تشریف لے گئے تو اہل مکہ کا ایک گروہ حلقہ بگوش اسلام ہو گیا، یہ دوسرا طبقہ ہے۔

تیسرا طبقہ مہاجرین حبشہ

مشرکین مکہ کی اذیت رسانی سے تنگ آ کر جو لوگ حبشہ ہجرت کر گئے، ان میں حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور ابوسلمہ بن عبدالاسد شامل تھے یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا تیسرا طبقہ ہے۔

چوتھا طبقہ اصحاب عقبہ اولیٰ

یہ انصار مدینہ میں سب سے پہلے ایمان لائے، ان کی تعداد چھ تھی۔

اصحاب عقبہ ثانیہ: یہ انصار کے بارہ مرد تھے جو اصحاب عقبہ اولیٰ کے بعد ایمان لانے کے لئے اگلے سال آئے اور ایمان سے مشرف ہوئے۔

پانچواں طبقہ اصحاب عقبہ ثالثہ

یہ انصار کے ستر آدمی تھے جو مشرف بہ اسلام ہوئے، ان میں حضرت براء بن معرور، عبد اللہ بن عمرو بن حرام، سعد بن عبادہ، سعد بن ربیع اور عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہم شامل تھے۔

چھٹا طبقہ قباء میں آ ملنے والے مہاجرین

یہ وہ مہاجرین ہیں جو مدینہ شریف منتقل ہونے اور مسجد نبوی کی تعمیر سے پہلے نبی اکرم ﷺ سے قباء میں آ ملے تھے۔

ساتواں طبقہ اہل بدر کبریٰ

ساتواں طبقہ ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ہے جنہوں نے غزوۂ بدر کبریٰ میں حصہ لیا۔
نبی اکرم ﷺ نے حضرت حاطب بن ابی بلتعہ کے قصہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اعتراض کا جواب دیتے ہوئے فرمایا: تمہیں کیا معلوم؟ اللہ تعالیٰ نے اہل بدر پر نگاہ کرم ڈال کر فرمایا:

''اے اہل بدر! تم جو چاہو کرو، میں نے تم کو بخش دیا ہے۔'' (بخاری، مسلم)

آٹھواں طبقہ صلح حدیبیہ سے پہلے ہجرت کرنے والے

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا آٹھواں طبقہ وہ ہے جنہوں نے غزوۂ بدر اور صلح حدیبیہ کے درمیان ہجرت کی۔

نواں طبقہ اہل بیعت رضوان

وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جنہوں نے حدیبیہ کے مقام پر درخت کے نیچے سرفروشی کا پیمان باندھا تھا۔ حضور ﷺ نے ان کے بارے میں فرمایا:
''اصحاب شجرہ میں سے کوئی جہنم میں نہ جائے گا۔'' انشاء اللہ

دسواں طبقہ قبل از فتح مکہ ہجرت کرنے والے

دسواں طبقہ وہ ہے جنہوں نے صلح حدیبیہ کے بعد اور فتح مکہ سے پہلے مدینہ شریف کی طرف ہجرت کی۔ مثلاً حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اور حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ۔

گیارہواں طبقہ فتح مکہ کے موقع پر اسلام لانے والے

یہ طبقہ ان لوگوں پر مشتمل ہے جو فتح مکہ کے موقع پر مشرف بہ اسلام ہوئے تھے۔ ان کی تعداد بہت زیادہ تھی۔

بارہواں طبقہ کم عمر صحابہ

بارہواں طبقہ ان کم سن بچوں کا ہے جنہوں نے نبی اکرم ﷺ کا عہد مبارک پایا اور آپ کو فتح مکہ اور حجۃ الوداع وغیرہ مواقع پر دیکھا مثلاً حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ انتہی۔ کلام مواہب

یہ تقسیم حافظ ابو عبد اللہ حاکم کی (کتاب علوم الحدیث کی) طرف منسوب ہے جس کا ذکر امام زرقانی نے شرح مواہب میں کیا ہے۔

ابن سعد کے نزدیک صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے پانچ طبقات ہیں۔

اوّل: بدری صحابہ

دوم: قدیم سے ایمان لانے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جو اُحد اور بعد کے غزوات میں شریک ہوئے اور ان میں سے اکثر نے حبشہ کی طرف ہجرت کی۔

سوم: غزوۂ خندق اور بعد کے غزوات میں حصہ لینے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم۔

چہارم: فتح مکہ کے روز اور بعد فتح ایمان لانے والے۔

پنجم: کم سن اور نوخیز بچے جو غزوات میں شریک نہ ہوئے۔

امام قسطلانی رحمتہ اللہ علیہ مواہب میں فرماتے ہیں:

''جو لوگ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تعداد شمار کرنے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ وہ بہت دور کی کوڑی لاتے ہیں، کیونکہ اوّل بعثت سے وصال نبوی تک حلقہ بگوش اسلام ہونے والوں کی تعداد بہت زیادہ ہے اور وہ مختلف شہروں اور دیہاتوں میں پھیلے ہوئے تھے، اسی لئے ان کی حقیقی تعداد سے اللہ تعالیٰ ہی آگاہ ہے۔''

امام بخاری حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کے حوالے سے روایت کرتے ہیں کہ ''غزوہ تبوک میں اصحاب رسول ﷺ کی تعداد اتنی زیادہ تھی جو کسی دفتر میں نہیں سما سکتی تھی۔''

روایت ہے کہ حضور ﷺ جب فتح مکہ کے ارادہ سے روانہ ہوئے تو جلو میں دس ہزار سرفروش تھے، غزوہ حنین میں بارہ ہزار مجاہدین ہمرکاب تھے، حجۃ الوداع کے موقع پر تیس ہزار

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم موجود تھے، ایک اور قول ہے کہ ان کی تعداد ایک لاکھ چودہ ہزار تھی بعض مورخین کے نزدیک یہ تعداد اس سے زائد تھی۔ یہ روایت امام بیہقی سے منقول ہے، ایک روایت میں ہے کہ تبوک کی طرف جانے والوں کی تعداد ستر ہزار تھی۔ یہ بھی روایت ہے کہ وصال شریف کے وقت صحابہ کرام کی کل تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار تھی مگر اصل حقیقت اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے۔ انتہی

امام زرقانی شرح مواہب میں فرماتے ہیں:

''کسی نے امام ابوزرعہ رازی سے کہا، کیا یہ نہیں کہا جاتا کہ نبی اکرم ﷺ کی احادیث کی تعداد چار ہزار ہے، فرمایا: کس نے کہا؟ اللہ تعالیٰ اس کا منہ چھوڑے یہ زندیقوں کا قول ہے، نبی اکرم ﷺ کا وصال ہوا تو اس وقت آپ کا کلام سننے اور روایت کرنے والوں کی تعداد ایک لاکھ چودہ ہزار تھی۔ سوال ہوا کہ یہ صحابہ کرام کہاں تھے؟ اور کس مقام پر شرف سماعت سے مشرف ہوئے۔ فرمایا: اہل مدینہ، اہل مکہ، اہل حجاز اور حجۃ الوداع کے حاضرین، جنہوں نے میدان عرفات میں حضور کا دیدار کیا اور آپ کا کلام سنا۔''

ابن فتحون ''ذیل استیعاب'' میں فرماتے ہیں:

''امام ابوزرعہ نے صرف راویان حدیث کے بارے میں سوال کا جواب دیا، انہوں نے دوسرے صحابہ کا کب ذکر کیا؟''

امام ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''صحابۂ کرام کے حالات جمع کرنے والوں کو امام ابوزرعہ کی ذکر کردہ تعداد کا دسواں حصہ بھی معلوم نہیں، کیونکہ استیعاب میں کل تین ہزار پانچ سو صحابۂ کرام کا تذکرہ ہے جس پر ابن فتحون نے اتنی ہی تعداد کا اضافہ کیا ہے۔''

تجرید پر حافظ ذہبی کی تحریر ہے ''شاید ان مشہور و مذکور صحابہ کرام کی تعداد آٹھ ہزار کے لگ بھگ ہے، اس سے کم کسی صورت نہیں۔''

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ ہی کا ارشاد ہے: ''میں نے حافظ ذہبی کے الفاظ دیکھے جن کے

مطابق ''اسد الغابہ'' میں صحابہ کرام کی تعداد سات ہزار پانچ سو چون مرقوم ہے، دیگر صحابہ کرام کے اسماء و حالات مخفی رہنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ زیادہ تر دیہاتوں میں رہتے تھے جو کثیر تعداد میں حجۃ الوداع کے موقع پر حاضر ہوئے تھے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے: ''حضور ﷺ نے ساٹھ ہزار صحابہ کرام کو چھوڑ کر وصال فرمایا، تیس ہزار مدینہ میں اور تیس ہزار قبائل عرب میں۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ حضور نے اس حال میں وصال فرمایا کہ آپ کی اقتداء میں تیس ہزار نفوس نماز ادا کر چکے تھے یعنی مدینہ میں، اس لئے زیادہ تعداد کا انکار نہیں۔ جس نے جو بھی کہا اپنی تحقیق اور مبلغ علم کی بناء پر کہا، یا کسی خاص وقت و حالت کی طرف اشارہ کیا، اس طرح ان کے کلام میں اختلاف نہیں۔ (زرقانی)

☆☆☆☆☆

قسم اوّل

عبارات اکابر

یہ چاروں مذاہب کے اکابر علماء کی عبارات ہیں، انہوں نے ان عبارات میں کتاب و سنت اور اجماع امت سے اصحاب رسول کے فضائل پر زبردست دلائل قائم فرمائے ہیں اور ان کے بارے میں حسنِ عقیدہ رکھنے اور صحیح نکتۂ نگاہ اپنانے کی اہمیت وضرورت پر زور دیا ہے۔

ا۔ امام طحاوی کے ارشادات

امام طحاوی عقیدۂ طحاویہ میں فرماتے ہیں:

''ہم تمام اصحاب رسول ﷺ ورضی اللہ عنہم سے محبت رکھتے ہیں اور ان میں سے کسی کی محبت میں کمی نہیں کرتے، نہ کسی سے بیزاری اور برأت کا اظہار کرتے ہیں اور جو ان سے بغض و عداوت رکھتے ہیں اور ان پر لعن طعن کرتے ہیں ہم ایسے بدبختوں سے عداوت ونفرت کا اظہار کرتے ہیں۔''

ہم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ذکر توصیفی کلمات سے کرتے ہیں۔ ہمارے نزدیک ان کی محبت دین وایمان کا حصہ اور حسن عقیدت کی آئینہ دار ہے، جبکہ ان سے بغض وعداوت کفر و نفاق اور گناہ کی علامت ہے۔

ہم رسول اللہ ﷺ کے بعد خلافت بافصل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے لئے تسلیم کرتے ہیں، کیونکہ انہیں ساری امت پر فضیلت و تقدیم حاصل ہے۔ ان کے بعد بالترتیب حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم کے لئے خلافت کا اثبات کرتے ہیں۔ انہی کو خلفائے راشدین کہتے ہیں اور وہی ہدایت یافتہ برحق امام ہیں۔

ہم عشرہ مبشرہ یعنی وہ دس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جن کو نبی اکرم ﷺ نے جنتی ہونے کی

بشارت دی، کے جنتی ہونے کی شہادت دیتے ہیں، ان اصحاب رسول کے اسمائے گرامی حسب ذیل ہیں:

(۱) حضرت ابوبکر صدیق (۲) حضرت عمر فاروق (۳) حضرت عثمان غنی (۴) حضرت علی مرتضیٰ (۵) حضرت طلحہ (۶) حضرت زبیر بن عوام (۷) حضرت سعد بن ابی وقاص (۸) حضرت سعید بن زید (۹) حضرت عبدالرحمٰن بن عوف (۱۰) حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہم۔

یاد رکھیئے! جو شخص اصحاب رسول، ازواج مطہرات اور اولاد اطہار کے بارے میں پاکیزہ کلمات زبان پر لاتا ہے، وہ نفاق سے پاک ہے۔ آئمہ سابقین و تابعین، بعد کے اہل خیر و اثر اور اہل عفت و نظر کا یہی طرز عمل رہا ہے کہ وہ ان پاکیزہ نفوس کا ذکر ہمیشہ توصیفی کلمات کے ساتھ کرتے رہے ہیں اور جو حرماں نصیب ان کے بارے میں بدگوئی کرتے ہیں وہ اہل ایمان کی روش سے دور ہیں۔ (انتھت عبارۃ الطحاوی)

☆☆☆☆☆

۲۔ امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ کے پاکیزہ کلمات

امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ اپنی کتاب ''الاقتصاد فی الاعتقاد'' میں صحابہ کرام اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے متعلق اہل سنت و جماعت کا عقیدہ واضح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''لوگ صحابہ کرام اور خلفائے راشدین کے بارے میں افراط و تفریط میں مبتلا ہیں۔ کچھ لوگ تعریف و توصیف میں اتنا تجاوز کر گئے ہیں کہ ائمہ و خلفاء کے لئے دعویٰ عصمت کرنے لگے ہیں جبکہ دوسری طرف بعض لوگ صحابہ کرام کی تنقیص کرتے ہیں اور ان کی شان میں زبان طعن دراز کرتے ہیں اس لئے تم پر لازم ہے کہ ان دونوں گروہوں سے کنارہ کش رہو اور عقیدے میں راہِ اعتدال اختیار کرو، یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ کی مقدس کتاب قرآن حکیم میں مہاجرین و انصار کی بہت زیادہ تعریف و توصیف آئی ہے متواتر روایات ہیں کہ حضور ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا۔ ''میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں، تم ان میں سے جس کی پیروی کرو گے ہدایت پاؤ گے۔''

میرا زمانہ بہترین زمانہ ہے، پھر ان لوگوں کا زمانہ بہترین ہے جو میرے بعد آئیں گے۔ انفرادی طور پر بھی کوئی مشہور صحابی ایسا نہیں جس کی حضور ﷺ نے مدح نہ فرمائی ہو (مگر ان تعریفی کلمات کا نقل کرنا باعث طوالت ہے) اس لئے ضروری ہے کہ تمام صحابۂ کرام سے حسن عقیدت رکھا جائے اور ان کے ساتھ بدگمانی سے اجتناب کیا جائے۔

یہاں یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں کچھ حکایات منقول ہیں۔ جو حسنِ ظن کے خلاف ہیں مگر تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں سے اکثر من گھڑت اور جعلی ہیں۔ اور جن کا کچھ ثبوت ہے وہ بھی قابل تاویل ہیں کیونکہ جن معاملات میں صحابہ کرام راہ صواب تک رسائی نہ پا سکے وہ بھی حسن نیت اور قصد خیر پر محمول ہیں۔

ان مشہور واقعات میں سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے

معرکہ آرائی اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بصرہ کی طرف کوچ ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے متعلق تو یہ حسن ظن رکھنا چاہئے کہ وہ آتش فتنہ فرو کرنے کے لیے تشریف لے گئی تھیں، مگر معاملہ ان کے ہاتھ سے نکل گیا اور ایسا اکثر ہو جاتا ہے کہ نتائج ارادوں کے مطابق ظہور پذیر نہیں ہوتے اور حالات قابو سے باہر ہو جاتے ہیں۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں بھی نیک گمان رکھنا چاہئے کہ ان کا طرز عمل بھی تاویل پر مبنی تھا (وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خون ناحق کا بدلہ لینے کا مطالبہ کر رہے تھے)۔

ان کے علاوہ مبینہ واقعات سچ جھوٹ کا ملغوبہ ہیں اور زیادہ تر رافضیوں خارجیوں اور بکواسیوں کی من گھڑت اور بے بنیاد روایات پر مبنی ہیں، اس لئے ضروری ہے کہ ہر بے ثبوت واقع کا انکار کیا جائے اور ثابت واقع کو عمدہ محمل پر محمول کیا جائے اور جس واقع کی تاویل دشوار ہو اس کے بارے میں کہہ دیا جائے کہ شاید اس کی کوئی تاویل ہو جس کے سمجھنے سے ہم قاصر ہیں۔

یہاں دو صورتیں ہو سکتی ہیں۔

۱۔ ایک یہ کہ تم کسی مسلمان کے بارے میں بدگمانی رکھ کر لعن طعن کرو اور جھوٹے قرار دیئے جاؤ۔

۲۔ تم اس کے متعلق نیک گمان رکھو اور زبان کو آلودہ ہونے سے بچاؤ باوجودیکہ تم اس نیک گمانی میں خطاء پر ہو۔

اس بارے میں شرعی ضابطہ یہ ہے کہ کسی مسلمان کے ساتھ نیک گمانی کر کے خطاء کرنا اور زبان کو لعن طعن سے محفوظ رکھنا زیادہ صحیح طرز عمل ہے۔ پھر یہ معاملہ تو ایک مسلمان کا ہے اگر کوئی شخص زندگی بھر شیطان، ابوجہل، ابولہب یا دیگر شریر لوگوں پر لعن طعن نہ کرے تو اس کے لئے خاموش رہنا اس کے لئے نقصان کا باعث نہ ہوگا۔ بخلاف اس شخص کے جو کسی مسلمان کے حق میں یاوہ گوئی اور زبان درازی سے کام لے، حالانکہ وہ ان بیہودہ الزامات سے مطلقاً بری ہو ایسی صورت میں زبان طعن کھولنے والا اپنی عاقبت برباد کر بیٹھے گا۔

مزید برآں ان طعن و تشنیع کرنے والوں کی اکثر باتیں ایسی ہوتی ہیں جنہیں زبان پر لانا بھی جائز نہیں ہوتا کیونکہ شریعت نے غیبت سے سختی کے ساتھ روکا ہے اور غیبت انہی باتوں میں ہوتی

ہے جو لوگوں میں فی الواقع موجود ہوتی ہیں، لہذا جو شخص ہمارے ان کلمات میں غور کرے گا وہ بیکار اور فضول باتوں کی طرف مائل نہ ہوگا اور خاموشی کو ترجیح دے کر بدگوئی اور زبان درازی سے اجتناب کرے گا، وہ تمام مسلمانوں سے حسن ظن رکھے گا، بالخصوص سلف صالحین کی تعریف میں رطب اللسان رہے گا۔ یہ حکم تو عام مسلمانوں اور صحابہ کرام کا ہے جہاں تک خلفائے راشدین کا تعلق ہے، یہ قدسی صفات لوگ (تمام افراد امت اور) عام صحابہ کرام سے افضل ہیں اور اہلسنت و جماعت کے نزدیک ان کی فضیلت کی ترتیب وہی ہے جو ان کی خلافت کی ہے۔

ہم جب کہتے ہیں کہ فلاں شخص فلاں سے افضل ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ دار آخرت میں اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کا مرتبہ زیادہ بلند ہے اور یہ معاملہ غیبی ہے جس کا علم اللہ تعالیٰ کو ہے، یا اس کی عطا سے رسول اللہ ﷺ کو ہے۔ مگر یہ دعویٰ نہیں کیا جا سکتا کہ فضیلت کی ترتیب میں صاحب شرع سے کوئی متواتر قطعی نص آئی ہے، البتہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حق میں تعریفی کلمات منقول ہیں، جن سے فضیلت کا تعین کرنا اندھیرے میں تیر چلانے اور اپنے آپ کو خطرے میں ڈالنے کے مترادف ہے۔

اسی طرح اعمال سے فضیلت کا پہچاننا بھی مشکل ہے کیونکہ یہ ایک باطنی معاملہ ہے۔ اعمال سے صرف قیاس آرائی کی جا سکتی ہے۔ دیکھئے بہت سے لوگ ایسے ہوتے ہیں جو بظاہر خستہ حال ہوتے ہیں مگر کسی باطنی کیفیت اور پوشیدہ کمال کے باعث بارگاہِ الٰہی میں بلند مقام رکھتے ہیں، دوسری طرف بہت سے عبادت گزار اور پرہیزگار اپنی باطنی خباثت کی وجہ سے عذاب الٰہی میں گرفتار ہوتے ہیں، غرض! انسان کے باطنی حالات سے صرف اللہ تعالیٰ ہی باخبر ہے اس سے معلوم ہوا کہ فضیلت کی پہچان وحی پر موقوف ہے اور وحی سے آگاہ ہونے کے لئے بلاواسطہ سماع (یعنی سننے) کی ضرورت ہے اور ظاہر ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بڑھ کر کوئی شخص نبی اکرم ﷺ کے حالات و کیفیات سے آگاہ نہیں، یہی لوگ فضائل میں اختلاف و تفاوت کے بارے میں زیادہ جانتے ہیں، کیونکہ انہیں حضور ﷺ سے براہ راست سماعت کا شرف حاصل ہے اور اسی براہ راست آگہی کی وجہ سے انہوں نے حضرت ابوبکر

صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت اور اقدمیت پر اجماع کیا، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی افضلیت پر مہر تصدیق ثبت فرمائی۔ بعد ازاں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم کو بالترتیب افضل قرار دیا۔ یہ ایسے سعادت مند لوگ ہیں جن کے بارے میں تصور بھی نہیں کیا جا سکتا کہ انہوں نے اغراض نفسانی کی بناء پر دین کے اس اہم معاملے میں غلط بیانی یا خیانت سے کام لیا ہو، لہذا ان کا اس ترتیب فضیلت پر اتفاق کر لینا مذکورہ ترتیب کی فضیلت کی زبردست دلیل ہے جس کی وجہ سے اہل سنت و جماعت اس ترتیب کو مانتے ہیں اور تحقیق بھی اسی نظریئے کی موید ہے۔

امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ احیاء علوم الدین میں فرماتے ہیں:

''نبی اکرم ﷺ کے بعد برحق امام حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ہیں پھر بالترتیب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں، مگر نبی اکرم ﷺ نے کسی امام کے تقرر و تعین کی کوئی نص نہیں فرمائی، اگر کوئی نص فرمائی ہوتی تو وہ ہرگز پوشیدہ نہ رہتی، بلکہ امامت کی نص سپہ سالاروں اور منصب داروں کے تقرر و تعین سے زیادہ واضح اور ظاہر ہوتی جب سپہ سالاروں کا تقرر پوشیدہ نہ رہا تو یہ کیونکر مخفی رہ سکتی تھی؟ پھر اگر یہ ظاہر تھی تو ہم تک کیوں نہ پہنچی؟ نابود کیوں ہوگئی؟

واضح رہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ آزادانہ انتخاب اور عمومی بیعت کے ذریعے امام بنے، جہاں تک کسی اور شخص کی تعیین اور نص کا مفروضہ ہے، یہ ایک خطرناک بات ہے جس سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف رسول اللہ ﷺ کی مخالفت اور اجماع امت کی خلاف ورزی کی نسبت لازم آتی ہے اور یہ ایسی بات ہے جس کی سوائے رافضیوں کے کوئی جسارت نہیں کر سکتا، اہل سنت تو تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عدالت اور پاکیزہ نفسی کا عقیدہ رکھتے ہیں اور ان کی مدح و توصیف کرتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے (قرآن حکیم میں) اور نبی اکرم ﷺ نے احادیث میں ان کی مدح فرمائی ہے۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے درمیان جو اختلاف رونما

ہوا وہ اجتہاد پر مبنی تھا۔ کیونکہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ خلافت و امامت کا کوئی جھگڑا نہ تھا (اصل اختلاف قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ سے انتقام لینے کا تھا) حضرت علی رضی اللہ عنہ کا نکتہ نگاہ یہ تھا کہ قاتلین عثمان کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے سپرد کرنے (یا ان سے فوری انتقام لینے) سے آغاز خلافت ہی میں خلل اور اضطراب پیدا ہو جائے گا، کیونکہ قاتلین کا تعلق بڑے قبیلوں سے تھا اور وہ علوی فوج میں روپوش ہو چکے تھے۔ اس لئے ان کے نزدیک یہی انسب تھا کہ معاملہ انتقام کو مؤخر کر دیا جائے، جبکہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سمجھتے تھے کہ اتنے بڑے جرم کے باوجود قاتلین سے انتقام میں تاخیر سے کام لینا خونریزی اور حکمرانوں کے خلاف شہ پانے کا باعث ہوگا۔

امت محمدیہ کے بزرگ علماء کا ارشاد ہے کہ ہر مجتہد مصیب ہوتا ہے (یعنی اس کی رائے درست ہوتی ہے) جبکہ بعض علماء فرماتے ہیں کہ مصیب (صحیح الرائے) ایک ہوتا ہے (اور دوسرے کی رائے میں غلطی ہوتی ہے مگر اسے اجتہاد پر ثواب ملتا ہے) اور یہ حقیقت ہے کہ مذکور بالا اختلاف میں کسی صاحب علم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی رائے کو اجتہادی خطا قرار نہیں دیا۔

خلفائے راشدین کی افضلیت ان کی خلافت کی ترتیب کے مطابق ہے کیونکہ حقیقی فضیلت وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے ہاں ہے اور اس سے آگاہی ممکن نہیں، سوائے رسول اللہ ﷺ کے بکثرت فرمودات میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی توصیف بیان ہوئی ہے، اس لئے فضیلت کی باریکیوں اور ترتیب کو وہی لوگ بخوبی جانتے ہیں جو وحی خداوندی اور نزول قرآن کے گواہ ہیں اگر وہ لوگ وحی و تنزیل کی روشنی میں افضلیت کا یہ معیار نہ سمجھتے تو ہرگز افضلیت اور خلافت کی یہ ترتیب قائم نہ کرتے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے معاملہ میں کسی ملامت گر کی ملامت انہیں راہِ راست سے ہٹا نہیں سکتی تھی، نہ کوئی داعیہ انہیں امر حق سے برگشتہ کر سکتا تھا۔

(احیاء علوم الدین جلد اوّل)

☆☆☆☆☆

۳۔ امام قاضی عیاض رحمتہ اللہ علیہ کے کلمات طیبات

حضرت قاضی عیاض رحمتہ اللہ علیہ شفا شریف میں لکھتے ہیں:

''صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی عزت وتوقیر اور ان کے ساتھ حسن سلوک دراصل نبی اکرم ﷺ کی عزت وتوقیر اور آپ کے ساتھ حسن سلوک ہے، اسی طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی حق شناسی، انکی اقتداء واتباع، ان کی مدح وتوصیف، ان کے لئے دعائے مغفرت ان کے باہمی اختلافات سے صرفِ نظر اور ان کے دشمنوں سے بغض وعداوت حقیقت میں حضور ﷺ کے حقوق کی ادائیگی ہے، اس لئے ضروری ہے کہ اہل تاریخ کی بے سروپا حکایات اور جاہل راویوں کی روایات سے اجتناب کیا جائے اور گمراہ رافضیوں اور گستاخ بدعتیوں سے کلیتاً قطع تعلقی اختیار کی جائے۔ اور صحابۂ کرام کی طرف منسوب واقعات وفتن کی عمدہ تاویلات اور مثبت پہلو تلاش کئے جائیں، کیونکہ شانِ صحابہ کا یہی تقاضا ہے۔ لہذا ان میں سے کسی صحابی کا ذکر برائی سے نہ کیا جائے، نہ ان پر لگائے جانے والے الزامات پر چشم پوشی سے کام لیا جائے بلکہ ان کی نیکیوں فضیلتوں اور عمدہ اخلاق کا چرچا کیا جائے اور جب کوئی بات خلافِ شان نظر آئے تو اس پر خاموشی برتی جائے۔

نبی اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے

اِذَا ذُکِرَ اَصْحَابِیْ فَاَمْسِکُوْا — جب میرے اصحاب کا ذکر ہو تو (بدزبانی سے) باز رہو۔

اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شان بیان کرتے ہوئے فرمایا:

۱۔ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ وَالَّذِیْنَ معہٗ اَشِدَّاءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَاءُ بَیْنَھُمْ تَرٰھُمْ رُکَّعًا سُجَّدًا یَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰہِ وَرِضْوَانًا — محمد اللہ کے رسول ہیں اور ان کے ساتھ والے (صحابہ کرام) کافروں پر سخت ہیں اور آپس میں نرم دل تو انہیں دیکھے گا رکوع کرتے،

سِیْمَاهُمْ فِیْ وُجُوْهِهِمْ مِنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ذٰلِکَ مَثَلُهُمْ فِی التَّوْرَاتِ وَ مَثَلُهُمْ فِی الْاِنْجِیْلِ کَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْأَهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰی عَلٰی سُوْقِهٖ یُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِیَغِیْظَ بِهِمُ الْکُفَّارَ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِیْمًا (سورۃ الفتح ۲۹/۴۸)

سجدے میں گرتے، اللہ کا فضل و رضا چاہتے ان کی علامت ان کے چہروں میں ہے سجدوں کی نشانی سے، یہ ان کی صفت توریت میں ہے اور ان کی صفت انجیل میں جیسے ایک کھیتی، اس نے اپنا پٹھا نکالا، پھر اسے طاقت دی، پھر دبیز ہوئی، پھر اپنی ساق پر سیدھی کھڑی ہوئی، کسانوں کو بھلی لگتی ہے تاکہ ان سے کافروں کے دل جلیں، اللہ نے وعدہ کیا ان سے جو انہیں ایمان اور اچھے کاموں والے ہیں، بخشش اور بڑے ثواب کا۔

۲. وَالسَّابِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهَاجِرِیْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِیْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّلَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا اَبَدًا ذٰلِکَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ (التوبہ ۱۰۰/۹)

اور سب میں اگلے پہلے مہاجر اور انصار اور جو بھلائی کے ساتھ ان کے پیرو ہوئے، اللہ ان سے راضی اور وہ اللہ سے راضی، اور ان کے لئے تیار کر رکھے ہیں باغ جن کے نیچے نہریں بہیں ہمیشہ ہمیشہ ان میں رہیں یہی بڑی کامیابی ہے۔

۳. لَقَدْ رَضِیَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ یُبَایِعُوْنَکَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِیْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّکِیْنَةَ عَلَیْهِمْ وَ اَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِیْبًا. (فتح ۱۸/۴۸)

بے شک اللہ راضی ہوا ایمان والوں سے جب وہ اس پیڑ کے نیچے تمہاری بیعت کرتے تھے تو اللہ نے جانا جو ان کے دلوں میں ہے تو ان پر اطمینان اتارا اور انہیں جلد آنے والی فتح کا انعام دیا۔

۴. وَلَمَّا رَاَی الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ قَالُوا هٰذَا مَاوَعَدَنَا اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ وَ صَدَقَ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ وَمَا زَادَهُمْ اِلَّا اِیْمَانًا وَّ تَسْلِیْمًا مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَاعَاهَدُوْا اللّٰهَ عَلَیْهِ فَمِنْهُمْ مَنْ قَضٰی نَحْبَهٗ وَ مِنْهُمْ مَنْ یَّنْتَظِرُ وَ مَا بَدَّلُوا تَبْدِیْلًا. (۳۳/۲۲، ۲۴)

اور جب مسلمانوں نے کافروں کے لشکر دیکھے بولے یہ ہے وہ جو ہمیں دیا تھا اللہ اور اس کے رسول نے اور سچ فرمایا اللہ اور اس کے رسول نے اور اس سے انہیں نہ بڑھا مگر ایمان اور اللہ کی رضا پر راضی ہونا، مسلمانوں میں کچھ وہ مرد ہیں جنہوں نے سچا کر دیا جو عہد اللہ سے کیا تھا تو ان میں کوئی اپنی منت پوری کر چکا اور کوئی راہ دیکھ رہا ہے اور وہ ذرا نہ بدلے۔

عظمت صحابہ رضی اللہ عنہ احادیث و آثار کی روشنی میں

امام قاضی عیاض رحمتہ اللہ علیہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی فضیلت کی آیات نقل کرنے کے بعد بہت سی احادیث و آثار کو نقل فرمایا ہے، جن میں چند حسب ذیل ہیں۔

۱۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

اَللّٰهَ اَللّٰهَ فِیْ اَصْحَابِیْ لَاتَتَّخِذُوْهُمْ غَرَضًا بَعْدِیْ فَمَنْ اَحَبَّهُمْ فَبِحُبِّیْ اَحَبَّهُمْ وَ مَنْ اَبْغَضَهُمْ فَبِبُغْضِیْ اَبْغَضَهُمْ وَ مَنْ اٰذَاهُمْ فَقَدْ اٰذَانِیْ وَ مَنْ اٰذَانِیْ فَقَدْ اٰذَی اللّٰهَ تَعَالٰی وَ مَنْ اٰذَی اللّٰهَ تَعَالٰی یُوْشِکُ اَنْ یَاْخُذَهٗ (ترمذی)

لوگو! میرے اصحاب کے بارے میں خدا سے ڈرو، خبردار! انہیں میرے بعد نشانۂ طعن نہ بنانا، پس جس نے ان سے محبت رکھی تو میری محبت کی وجہ سے ان سے محبت کی اور جس نے ان سے عداوت رکھی تو میری عداوت کی وجہ سے ان سے عداوت رکھی کی اور جس نے انہیں اذیت دی، اس نے مجھے تکلیف پہنچائی اور جس نے مجھے تکلیف دی اس نے اللہ تعالیٰ کو اذیت دی اور جو اللہ تعالیٰ کو اذیت دے گا

وہ بہت جلد اللہ تعالیٰ کی پکڑ میں آ جائے گا۔

اللہ تعالیٰ کو اذیت دینے کا مفہوم یہ ہے کہ کوئی ایسا کام کیا جائے جس سے اللہ تعالیٰ ناراض ہو، ورنہ اذیت کا حقیقی معنی اللہ تعالیٰ کے حق میں متصور نہیں، الفاظ کا ایسا استعمال دراصل مشاکلت کی قبیل سے ہے۔ (خفاجی)

۲۔ حضور انور ﷺ نے فرمایا:

لاَ تَسُبُّوْا اَصْحَابِیْ فَلَو اَنفَقَ اَحَدُکُمْ مِثْلَ اُحُدٍ ذَھَبًا مَا بَلَغ مُدَّ اَحَد ھِمْ وَلاَ نَصِیْفَهٗ (مسلم)

میرے اصحاب کو گالی گلوچ نہ کرو، خدا کی قسم! اگر تم میں سے کوئی احد پہاڑ کے برابر سونا راہِ خدا میں خرچ کرے تو کسی صحابی کے ایک مد یا نصف مد (جو) خرچ کرنے کے برابر نہ ہوگا۔

۳۔ مَنْ سَبَّ اَصْحَابِیْ فَعَلَیْهِ لَعْنَةُ اللّٰهِ والْمَلٰئِکَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ لا یَقْبَلُ اللّٰهُ مِنْهُ صَرفًا وَلَا عَدْلًا (دیلمی، ابو نعیم)

فرمایا جس نے میری اصحاب کو گالیاں دیں اس پر اللہ تعالیٰ کی، فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت ہو، ایسے لعنتی شخص کے فرائض و نوافل بارگاہِ الٰہی میں مقبول نہ ہوں گے۔

۴۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اِنَّ اللّٰهَ اخْتَارَ اَصْحَابِیْ عَلٰی جَمِیْعِ الْعَالَمِیْنَ سِوَی النَّبِیّٖنَ وَالْمُرْسَلِیْنَ وَاخْتَارَ لِی مِنْهُمْ اَرْبَعَةَ اَبَابَکْرٍ وَ عُمَرَ وَ عُثْمَانَ وَ عَلِیًّا فَجَعَلَهُمْ خَیْرَ اَصْحَابِیْ وَفِی اَصْحَابِیْ کُلِّهِمْ خَیْرٌ" (بزار، دیلمی)

اللہ تعالیٰ نے میرے اصحاب کو سب لوگوں پر فضیلت دی ہے سوائے انبیاء و مرسلین کے، پھر ان میں چار یعنی ابوبکر، عمر، عثمان اور علی رضی اللہ عنہم میرے لئے منتخب کئے اور انہیں میرے بہترین اصحاب بنایا، حالانکہ دیگر تمام صحابہ بھی فضیلت اور خیر کے پیکر ہیں۔

امام شہاب الدین خفاجی رحمۃ اللہ علیہ نسیم الریاض میں اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں۔

''اس فرمان رسول ﷺ کے مطابق تمام صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اہل علم و عدالت ہیں جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے۔ میرا زمانہ بہترین زمانہ ہے، پھر اس کے بعد کا زمانہ۔ پھر اس سے متصل زمانہ اسی بناء پر امام الحرمین نے تمام (چھوٹے بڑے) صحابہ کی عدالت پر اجماع نقل کیا ہے، اس لحاظ سے ان کی اجتہادی خطاؤں پر تنقید کرنا جائز نہیں، کیونکہ بالقطع ثابت ہے کہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم انبیاء و مرسلین کے بعد سب انسانوں سے افضل ہیں، اوران کی افضلیت کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے راہِ خدا میں ہجرت کی، گھر بار چھوڑے، جانیں لٹائیں، مال قربان کئے، اپنے بیٹے قتل کئے اور باپ مارے اور دین کی خیر خواہی میں کوئی کسر نہ چھوڑی، جس کے نتیجے میں ایمان و یقین کی زبردست قوت اور اللہ تعالیٰ کے بے پایاں لطف و کرم سے سرفراز ہوئے۔ اھ''

۵۔ طبرانی میں حضرت خالد بن سعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ حجتہ الوداع سے فارغ ہو کر مدینہ منورہ تشریف لائے تو منبر پر جلوہ گر ہو کر حمد و ثناء کے بعد فرمایا:

أَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَاضٍ عَنْ ابِيْ بَكْرٍ اعْرِفُوالَهُ ذٰلِكَ	لوگو! میں ابوبکر سے راضی ہوں، ان کا حق اور مقام پہچانو،
أَيُّهَا النَّاسُ! اِنِّيْ رَاضٍ عَنْ عُمر وَ عَنْ عُثْمَانَ وَ عَنْ عَلِيّ وَ عَنْ طَلْحَةَ وَ الزُّبَيْرِ وَ سَعْدٍ وَ سَعِيْدٍ وَ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ فَاعْرِفُوْا لَهُمْ ذٰلِكَ	لوگو! میں عمر سے راضی ہوں، عثمان سے راضی ہوں، علی سے راضی ہوں، طلحہ، زبیر، سعد، سعید اور عبد الرحمٰن بن عوف سے راضی ہوں، تم ان کے حقوق و مراتب کو پہچانو۔
اَيُّهَا النَّاسُ! اِنَّ اللّٰهَ قَدْ غَفَرَ لاَهْلِ بَدْرٍ وَالْحُدَيْبِيَةِ	لوگو! بے شک اللہ تعالیٰ نے اہل بدر اور اہل حدیبیہ کی بخشش فرمادی ہے۔

أَيُّهَا النَّاسُ! اِحْفِظُوْنِیْ فِی اَصْحَابِیْ وَ اَصْهَارِیْ وَ خَتَانِی لَا يُطَالِبَنَّكُمْ اَحَدٌ مِّنْهُمْ بِمَظْلَمَةٍ فَاِنَّهَا مَظْلَمَةٌ لَا تُوْهَبُ فِی الْقِيَامَةِ غَدًا

لوگو! تم میرے اصحاب، میرے سسرال اور میرے دامادوں کے شرف و مقام کے بارے میں میرا لحاظ رکھو، خبردار! ان میں سے کوئی تمہاری زیادتی اور ظلم پر داد خواہ اور طالب انصاف نہ ہو جائے کیونکہ روز قیامت اس زیادتی کی تلافی کا موقع اور سامان نہ ہوگا۔

۶. عَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ قَالَ اِحْفِظُوْنِیْ فِی اَصْحَابِیْ وَ اَصْهَارِی فَاِنَّهُ مَنْ حَفِظَنِی فِيْهِمْ حَفِظَهُ اللّٰهُ فِی الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ (ابونعیم، دیلمی)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میرے اصحاب اور سسرال کے بارے میں میرے حق کا لحاظ رکھو، کیونکہ جو کوئی ان کے متعلق میرے حق کی حفاظت کرے گا، اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت میں اس کی پاسداری فرمائے گا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عظمت و فضیلت پر سلف صالحین کے آثار میں سے حضرت مالک بن انس رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے:

''جس نے صحابۂ کرام سے دشمنی رکھی اور انہیں برا بھلا کہا، اس کا مسلمانوں کے مال فے میں کوئی حق نہیں'' قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ امام مالک نے اس مسئلہ پر سورۂ حشر کی اس آیت سے استدلال کیا، وَالَّذِيْنَ جَآءُوْا مِنْ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ وہ جو صحابہ کے بعد آئے، کہتے ہیں اے ہمارے رب! رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ ہمیں بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو جو ہم سے ایمان میں سبقت لے گئے۔

☆☆☆☆☆

محبوب سبحانی، شہباز لا مکانی، غوث صمدانی حضرت شیخ عبد القادر جیلانی بغدادی رحمتہ اللہ علیہ کے ارشادات عالیہ

حضرت غوث اعظم محبوب سبحانی عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہ غنیۃ الطالبین میں فرماتے ہیں:

''اہل سنت کا عقیدہ ہے کہ امت محمدیہ بہترین امت ہے اور سب سے زیادہ فضیلت ان لوگوں کو حاصل ہے جو حضور کے دیدار سے مشرف ہوئے، آپ پر ایمان لائے، آپ کی تصدیق کی، آپ کے دست مبارک پر بیعت کی، جو تابعدار ہوئے، راہِ خدا میں لڑے جنہوں نے جان و مال کے نذرانے پیش کئے اور ہر طرح سے آپ کی عزت وحمایت کی، پھر ان میں افضل اہل حدیبیہ ہیں، جنہوں نے درخت کے نیچے بیعت رضوان کی، ان کی تعداد چودہ سو تھی ان سے زیادہ فضیلت والے اہل بدر ہیں جو اصحاب طالوت کے برابر (۳۱۳) تھے، ان سے افضل دار خیزران کے چالیس صحابی ہیں، جن کی گنتی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ایمان لانے سے مکمل ہوئی ان سے افضل عشرہ مبشرہ بالجنۃ ہیں جن کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔

(۱) حضرت ابوبکر صدیق (۲) حضرت عمر فاروق (۳) حضرت عثمان ذی النورین (۴) حضرت علی المرتضیٰ (۵) حضرت طلحہ (۶) حضرت زبیر (۷) حضرت سعد بن ابی وقاص (۸) حضرت سعید بن زید (۹) حضرت ابوعبیدہ بن جراح اور (۱۰) حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہم اجمعین۔

پھر ان میں چاروں خلفائے راشدین افضل ہیں اور چاروں کی ترتیب فضیلت اس طرح ہے، سب سے افضل حضرت ابوبکر صدیق ہیں، پھر عمر فاروق ہیں، پھر عثمان غنی ہیں، پھر حضرت علی المرتضیٰ ہیں (رضی اللہ عنہم)

نبی اکرم ﷺ کے بعد خلفائے راشدین کی خلافت تیس سال رہی، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ دو سال سے کچھ زیادہ خلیفہ رہے، حضرت عمر فاروق دس سال، حضرت عثمان غنی بارہ سال اور حضرت علی (کچھ کم) چھ سال تک سریرآرائے خلافت رہے رضی اللہ عنہم، ان کے بعد حضرت امیر معاویہ انیس سال تک خلافت وملوکیت پر متمکن رہے، قبل ازاں وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف سے شام کے گورنر بنے اور بیس سال تک اس منصب پر قائم رہے۔

خلفائے اربعہ کی خلافت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے انتخاب واختیار، عمومی اتفاق اور مرضی سے منعقد ہوئی، اس کا قیام زورِ بازو، تلوار دباؤ یا غلبہ کا مرہون منت نہ تھا بلکہ ہر خلیفہ نے اپنے سے افضل شخص سے عوام کی مرضی سے خلافت حاصل کی۔

خلافت ابی بکر

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت مہاجرین وانصار کے کامل اتفاق سے منعقد ہوئی جب حضور کا وصال ہوا تو انصار کے مقررین اور خطباء نے ثقیفہ میں کھڑے ہو کر کہا۔

''اے مہاجرین! ایک امیر ہم انصار میں سے ہو اور ایک امیر مہاجرین میں سے۔''

تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کے جواب میں فرمایا: اے گروہ انصار! کیا تم نہیں جانتے، کہ نبی اکرم ﷺ نے مرضِ وصال میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو لوگوں کی امامت کا حکم دیا؟ سب نے بیک زبان کہا ہاں! فرمایا: پھر کون چاہتا ہے کہ اپنے آپ کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے مقدم کرے؟ ایک اور روایت ہے کہ آپ نے فرمایا: کس کو پسند ہے کہ وہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ان کے مقام سے معزول کرے؟ جس پر اللہ کے رسول ﷺ نے انہیں مامور فرمایا ہے۔ یہ سن کر انصار کہنے لگے اللہ معاف فرمائے، ہم میں سے کسی کو یہ پسند نہیں۔ اس طرح انصار ومہاجرین کے درمیان کامل اتفاق ہو گیا اور سب نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت خلافت کر لی، ان میں حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اور حضرت علی

رضی اللہ عنہ بھی تھے، صحیح روایت ہے کہ جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت ہو چکی تو تین دن تک لوگوں کے سامنے اعلان فرماتے رہے، لوگو! میں تمہیں اپنی بیعت سے آزاد کرتا ہوں کیا کسی کو میری بیعت ناگوار اور ناپسند ہے؟ یہ سن کر حضرت حیدر کرار رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

لَانُقِیْلُکَ وَلَا نَسْتَقِیْلُکَ قَدَّمَکَ رَسُوْلُ اللّٰہِ فَمَنْ یُؤَخِّرُکَ. نہ تو ہم بیعت توڑتے ہیں نہ ہی توڑنے کا مطالبہ کرتے ہیں، آپ کو رسول اللہ ﷺ نے مقدم کیا ہے پھر آپ کو کوئی مؤخر کر سکتا ہے؟

ہمیں ثقہ راویوں کے ذریعے معلوم ہوا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سب صحابہ رضی اللہ عنہم سے زیادہ امامتِ ابی بکر رضی اللہ عنہ کے قائل تھے، روایت ہے کہ عبداللہ بن کواء جنگ جمل کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور پوچھا کیا رسول اللہ ﷺ نے خلافت کی ذمہ داری آپ کو سونپی تھی، فرمایا: ہم نے خلافت کے معاملہ میں غور کیا تو معلوم ہوا کہ اسلام کا ستون نماز ہے، (جس کی امامت کے لئے حضور ﷺ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمایا) تو ہم نے اس شخص کو اپنی دنیا (کی امامت) کے لئے چن لیا جسے اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے ہمارے دین کے لئے پسند فرمایا، یہی وجہ ہے کہ ہم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اپنا خلیفہ بنالیا۔''

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ایام مرض میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو فرض نماز کی ادائیگی کے لئے اپنا نائب مقرر فرمایا، بلال نماز کے وقت آکر اطلاع کرتے تو آپ فرماتے:

''جاکر ابوبکر رضی اللہ عنہ کو کہو کہ مصلائے امامت پر کھڑے ہو کر لوگوں کو نماز پڑھائیں''

اور نبی اکرم ﷺ نے اپنی ظاہری حیات میں بارہا ایسے توصیفی کلمات حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی شان میں فرمائے، جس سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بخوبی جانتے تھے کہ حضور کے بعد امامت وخلافت کے سب سے زیادہ حق دار حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں، یونہی ان

کے علم میں تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ بالترتیب اپنے اپنے دور میں سب سے زیادہ حقدار امامت ہوں گے، اسی لئے ابن بطہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ سے پوچھا گیا، یا رسول اللہ! ہم آپ ﷺ کے بعد کس کو امیر بنائیں؟ فرمایا: اگر تم ابوبکر رضی اللہ عنہ کو منصب امامت سونپو گے تو تم دیکھو گے کہ وہ سب سے زیادہ دنیا سے کنارہ کش اور طالب آخرت ہیں۔ اگر تم عمر رضی اللہ عنہ کو امیر بناؤ گے تو ان کو انتہائی طاقتور اور امانت دار پاؤ گے جو اللہ تعالیٰ کے بارے میں کسی ملامت گر کی ملامت کا خوف نہیں کرتے، اور اگر عہدۂ خلافت حضرت علی رضی اللہ عنہ کو پیش کرو گے تو مشاہدہ کرو گے کہ وہ پیکر رشد و ہدایت ہیں۔''

یہ وہ ارشادات و اشارات ہیں جن کی روشنی میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت پر اتفاق و اجماع کیا۔ امام ابوعبداللہ احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ سے ایک روایت منقول ہے، فرماتے ہیں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی امامت و خلافت نص جلی اور نص خفی دونوں سے ثابت ہے۔ یہی مذہب حضرت حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ اور ایک جماعت محدثین کا ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

''شب معراج جب مجھے آسمان کی طرف اٹھایا گیا تو میں نے اللہ تعالیٰ سے التجاء کی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ میرے بعد خلیفہ ہوں تو فرشتوں نے کہا، اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے کرتا ہے آپ کے بعد خلیفہ ابوبکر رضی اللہ عنہ ہوں گے۔''

حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہ میں ہے، فرمایا: میرے بعد خلافت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے گی مگر یہ زیادہ عرصہ برقرار نہیں رہے گی۔''

مجاہد کہتے ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: نبی اکرم ﷺ دنیا سے تشریف نہیں لے گئے یہاں تک کہ یہ راز مجھے بتلایا گیا کہ میرے بعد ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سریر

آرائے خلافت ہوں گے، پھر عمر فاروق، پھر عثمان غنی اوران کے بعد مجھے اس منصب پر فائز کیا جائے گا۔''

خلافت عمر رضی اللہ عنہ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے تقرر سے ہوئی، پھر تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے برضاء ورغبت آپ کی بیعت کی اور آپ کو امیر المومنین کا لقب دیا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ لوگوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے عرض کیا آپ عمر رضی اللہ عنہ کو ہم پر خلیفہ مقرر کر کے جا رہے ہیں کل روز قیامت اللہ تعالیٰ کو کیا جواب دیں گے جبکہ آپ ان کی سخت مزاجی سے بخوبی آگاہ ہیں۔ فرمایا: میں عرض کروں گا، مولےٰ میں نے اس عہد کے بہترین اور افضل شخص کو ان پر خلیفہ مقرر کیا ہے۔

خلافت عثمان رضی اللہ عنہ

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی خلافت و امامت تمام صحابہ کرام کے اتفاق و اجماع سے منعقد ہوئی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی تمام اولاد کو خلافت سے کنارہ کش رہنے کا حکم دیا اور معاملہ مبشرین بالجنتہ میں سے چھ جنتی صحابہ رضی اللہ عنہ کی شوریٰ میں رکھ دیا، ان چھ اصحاب کے اسمائے گرامی حسب ذیل ہیں۔

(۱) حضرت طلحہ (۲) حضرت زبیر بن عوام (۳) حضرت سعد بن ابی وقاص
(۴) حضرت عثمان بن عفان (۵) حضرت علی المرتضیٰ (۶) حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہم اجمعین۔

پھر حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے از خود طلب خلافت سے دستبرداری کا اعلان کر دیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان سے کہا ''میں تم میں سے ایک شخص کا اللہ تعالیٰ، اس کے رسول ﷺ اور اہل ایمان کے لئے انتخاب کرتا ہوں، پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ہاتھ تھام کر کہا اے علی! جب میں آپ سے بیعت کرلوں تو آپ پہ اللہ تعالیٰ کا عہد و میثاق اور

آرائے خلافت ہوں گے، پھر عمر فاروق، پھر عثمان غنی اور ان کے بعد مجھے اس منصب پر فائز کیا جائے گا۔''

خلافت عمر رضی اللہ عنہ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے تقرر سے ہوئی، پھر تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے برضاء ورغبت آپ کی بیعت کی اور آپ کو امیر المومنین کا لقب دیا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ لوگوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے عرض کیا آپ عمر رضی اللہ عنہ کو ہم پر خلیفہ مقرر کر کے جا رہے ہیں کل روز قیامت اللہ تعالیٰ کو کیا جواب دیں گے جبکہ آپ ان کی سخت مزاجی سے بخوبی آگاہ ہیں۔ فرمایا: میں عرض کروں گا، مولےٰ میں نے اس عہد کے بہترین اور افضل شخص کو ان پر خلیفہ مقرر کیا ہے۔

خلافت عثمان رضی اللہ عنہ

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی خلافت و امامت تمام صحابہ کرام کے اتفاق و اجماع سے منعقد ہوئی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی تمام اولاد کو خلافت سے کنارہ کش رہنے کا حکم دیا اور معاملہ مبشرین بالجنتہ میں سے چھ جنتی صحابہ رضی اللہ عنہ کی شوریٰ میں رکھ دیا، ان چھ اصحاب کے اسمائے گرامی حسب ذیل ہیں۔

(۱) حضرت طلحہ (۲) حضرت زبیر بن عوام (۳) حضرت سعد بن ابی وقاص

(۴) حضرت عثمان بن عفان (۵) حضرت علی المرتضیٰ (۶) حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہم اجمعین۔

پھر حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے از خود طلب خلافت سے دستبرداری کا اعلان کر دیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان سے کہا ''میں تم میں سے ایک شخص کا اللہ تعالیٰ، اس کے رسول ﷺ اور اہل ایمان کے لئے انتخاب کرتا ہوں، پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ہاتھ تھام کر کہا اے علی! جب میں آپ سے بیعت کرلوں تو آپ پہ اللہ تعالیٰ کا عہد و میثاق اور

رسول اللہ ﷺ کا ذمہ لازم ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ اس کے رسول ﷺ اور اہل ایمان کے ساتھ خیر خواہی کریں گے اور شیخین رضی اللہ عنہم یعنی ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کی سیرت اور طرز عمل پر چلیں گے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اس تصور سے گھبرا گئے کہ شاید ان کے پاس وہ قوت مہیا نہ ہو جو نبی اکرم ﷺ اور شیخین کے پاس تھی لہذا حضرت عبد الرحمٰن کے مطالبے کا جواب نہ دیا۔ اس کے بعد حضرت عبد الرحمٰن رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا ہاتھ تھام کر یہی مطالبہ کیا تو انہوں نے یہ ذمہ داری قبول کر لی، جس کی وجہ سے حضرت عبد الرحمٰن نے ان کی بیعت کر لی۔ اور ان کی اتباع میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں ہاتھ دے دیا۔ بعد ازاں تمام لوگوں نے بیعت کر لی، اس طرح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تمام صحابہ کرام کے کلی اتفاق سے خلیفۃ المسلمین بن گئے اور شہادت تک امام برحق رہے اور یہ حقیقت ہے کہ ان کی کتاب زندگی اور نامۂ سیرت میں کوئی ایسا عیب نظر نہیں آتا جو طعن فسق یا قتل کا موجب ہو بخلاف ان بے بنیاد الزامات اور اعتراضات کے جو بدبخت رافضیوں نے گھڑ لئے ہیں، خدا انہیں غارت کرے۔

خلافت علی رضی اللہ عنہ

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت و امامت کا انعقاد بھی بہ اتفاق جماعت اور اجماع صحابہ ہوا۔

حضرت محمد بن حنفیہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں اپنے والد گرامی حضرت علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب کی خدمت میں حاضر تھا، اس وقت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ محصور تھے، ایک شخص آپ کے پاس آیا اور کہنے لگا، امیر المومنین عثمان شہید ہو گئے ہیں، یہ سن کر آپ بے تابانہ اٹھے، میں نے خطرہ محسوس کرتے ہوئے رک جانے کے لئے عرض کیا، فرمایا: ہٹ جاؤ، پھر دار عثمان میں تشریف لائے اس وقت حضرت عثمان واقعتاً شہید ہو چکے تھے۔ پھر مغموم ہو کر کاشانۂ اقدس کی طرف لوٹے اور دروازہ بند کر لیا۔

شہادت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد لوگ آپ کی خدمت میں آئے اور عرض کیا: انتظام

مملکت کے لئے خلیفہ کی اشد ضرورت ہے، ہم نہیں سمجھتے کہ اس وقت آپ سے زیادہ کوئی شخص خلافت کا حق دار ہے، فرمایا: اگر تم اصرار کرتے ہو تو یہ بات یاد رکھو کہ بیعت کا انعقاد علانیہ ہو گا، مسجد کی طرف چلو، پھر جو مجھ سے بیعت کرنا چاہے، کر لے، چنانچہ آپ مسجد میں تشریف لائے اور لوگوں نے علانیہ آپ سے بیعت کی۔ اس طرح آپ امام برحق ہوئے اور شہادت تک امام برحق رہے بخلاف گمراہ خارجیوں کے کہ ان کے نزدیک آپ کی امامت برحق نہ تھی۔

بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اختلاف

جہاں تک بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مثلاً حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ، حضرت زبیر، حضرت عائشہ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہم کا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ اختلافات اور تنازعات کا معاملہ ہے، حضرت امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ نے ان کے بارے میں بحث مباحثہ سے منع کیا ہے، کیونکہ یہ ایسے تنازعات ہیں جن کا ازالہ اللہ تعالیٰ روز قیامت فرما دے گا۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَنَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِنْ غِلٍّ اِخْوَانًا عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقَابِلِيْنَ (الحجر: ۴۷)

اور ہم نے ان کے سینوں میں جو کچھ کینے تھے سب کھینچ لئے، آپس میں بھائی ہیں تختوں پر روبرو بیٹھے۔

اس اختلاف میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا نکتۂ نگاہ صحیح تھا کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے تمام ارباب بست وکشاد نے آپ کی خلافت کی صحت کا اقرار کیا اور منکرین خلافت کو ناصبی اور خارجی قرار دیا جن سے قتال شرعاً جائز ہوا۔

حضرت معاویہ، حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہم کا آپ کے خلاف صف آراء ہونا (انعقاد خلافت میں اختلاف کی وجہ سے نہ تھا بلکہ) خلیفۂ برحق حضرت عثمان کے خون کا بدلہ لینے کے لئے تھا، کیونکہ قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لشکر میں روپوش ہو چکے تھے، اس لئے ان صحابہ کرام میں سے ہر ایک کی تاویل صحیح تھی، ہمارے لئے یہی مناسب

ہے کہ اس معاملے میں (ٹانگ نہ اڑائیں اور) لب کشائی سے باز رہیں، اور اس کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کردیں کیونکہ وہی سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا حاکم ہے ہمیں اپنے عیبوں کی فکر کرنی چاہئے اور باطن کو کبیرہ گناہوں اور ظاہر کو تباہ کن باتوں سے پاک کرنا چاہئے۔

جہاں تک خلافت معاویہ رضی اللہ عنہ کا تعلق ہے یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی دستبرداری کے بعد صحیح اور ثابت ہے۔ امام حسن رضی اللہ عنہ نے مصلحت عامہ اور خونِ مسلمین کی حفاظت کے لئے خلافت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے سپرد کردی، اس بارے میں نبی اکرم ﷺ کی پیش گوئی ہے، فرمایا:

''میرا یہ بیٹا (حسن) سردار ہے جو مسلمانوں کے دو عظیم گروہوں کے درمیان صلح کرائے گا۔''

اس لئے حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی بیعت کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت قانوناً جائز ہوگئی، اور اس صلح کے سال کو ''عام الجماعه'' کہا گیا، کیونکہ اس سال مسلمانوں کا عظیم اختلاف ختم ہوگیا، تمام مسلمان حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے تابع فرمان ہوگئے اور ہر طرح سے کامل اتفاق ہوگیا، کیونکہ تیسرا کوئی شخص اس وقت خلافت کا دعویدار نہ تھا، نبی اکرم ﷺ کے ارشادات میں بھی خلافت معاویہ رضی اللہ عنہ کے اشارے ملتے ہیں، حضور ﷺ نے فرمایا: ''اسلام کی چکی پینتیس چھتیس یا سینتیس سال تک گھومتی رہے گی۔'' یہاں چکی سے مراد ''دین کی قوت'' اور خلافت ہے اور یہ تیس سال سے زائد عرصہ خلافت معاویہ رضی اللہ عنہ کا ہے، کیونکہ تیس سال حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت تک مکمل ہو جاتے ہیں۔

ازواج مطہرات

ہم نبی اکرم ﷺ کی تمام ازواج مطہرات کے ساتھ حسن ظن رکھتے ہیں اور اعتقاد رکھتے ہیں کہ وہ مومنوں کی مائیں ہیں، ان میں سے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا دنیا بھر کی عورتوں سے افضل ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ان کے دامن اطہر کو منافقوں اور

ملحدوں کے جھوٹے الزامات سے پاک اور منزہ قرار دیا۔

یونہی حضرت فاطمہ الزہراء (بنت رسول اللہ) رضی اللہ عنہا تمام عورتوں سے افضل ہیں، اور ان سے محبت ومودت فرض ہے جس طرح نبی اکرم ﷺ سے محبت فرض ہے، حضور ﷺ نے فرمایا:

''فاطمہ رضی اللہ عنہ میرے جگر کا ٹکڑا ہے۔''

دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم قرآن کے وارث ہیں اللہ تعالٰی نے ان کا ذکر مبارک قرآن حکیم میں فرمایا ہے۔ مہاجرین وانصار وہ خوش نصیب ہیں جنہیں دو قبلوں کی طرف نماز پڑھنے کا شرف حاصل ہوا۔ اللہ تعالٰی نے ان کے اوصاف بیان کرتے ہوئے فرمایا:

لَا يَسْتَوِي مِنكُم مَّنْ أَنفَقَ مِن قَبْلِ الْفَتْحِ وَ قَاتَلَ أُولَٰئِكَ أَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِينَ أَنفَقُوا مِن بَعْدُ وَ قَاتَلُوا وَ كُلًّا وَعَدَ اللَّهُ الْحُسْنَىٰ (الحدید، ۱۰)

تم میں برابر نہیں وہ جنہوں نے فتح مکہ سے قبل خرچ اور جہاد کیا، وہ مرتبہ میں ان سے بڑے ہیں جنہوں نے بعد فتح کے خرچ اور جہاد کیا، اور ان سب سے اللہ جنت کا وعدہ فرما چکا۔

ایک اور مقام پر فرمایا:

وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ وَ عَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ وَ لَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَىٰ لَهُمْ وَ لَيُبَدِّلَنَّهُم مِّن بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا (النور، ۵۵)

اللہ نے وعدہ دیا ان کو جو تم میں سے ایمان لائے اور اچھے کام کئے، کہ ضرور انہیں زمین میں خلافت دے گا جیسی ان سے پہلوں کو دی اور ضرور ان کے لئے جما دے گا ان کا وہ دین جو ان کے لئے پسند فرمایا اور ضرور ان کے اگلے خوف کو امن سے بدل دے گا۔

سورہ فتح کے آخر میں فرمایا:

''محمد اللہ کے رسول ہیں اور ان کے ساتھ والے کافروں پر سخت ہیں اور آپس میں نرم دل، تو انہیں دیکھے گا رکوع کرتے سجدے میں گرتے اللہ کا فضل ورضا چاہتے، ان کی علامت ان کے چہروں میں ہے، سجدوں کے نشان سے، یہ ان کی صفت تورات میں ہے اور ان کی صفت انجیل میں جیسے ایک کھیتی، اس نے اپنا پٹھا نکالا، پھر اسے طاقت دی، پھر دبیز ہوئی، پھر اپنی ساق پر کھڑی ہوئی، کسانوں کو بھلی لگتی ہے تا کہ ان سے کافروں کے دل جلیں اللہ نے وعدہ کیا ان سے جو ان میں ایمان اور اچھے کاموں والے ہیں، بخشش اور بڑے ثواب کا۔

(فتح ۴۸/۲۹)

حضرت سیّدی عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ تعالیٰ کا کلام ختم ہوا۔

☆☆☆☆☆

۵۔ حضرت شہاب الدین سہروردی رحمتہ اللہ علیہ کے ارشادات

حضرت شہاب الدین سہروردی رحمہ اللہ اپنے رسالہ ''اعلام الھدیٰ وعقیدہ ارباب التقیٰ''
میں فرماتے ہیں جیسا کہ علامہ زبیدی رحمہ اللہ نے شرح احیاء العلوم میں نقل کیا

''نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں جن کے فضائل وکمالات بے شمار ہیں۔ پھر بالترتیب حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم ہیں۔'' پھر فرمایا:

''شیطان نے امت کے پچھلے حصے پر قابو پالیا۔ ان کے عقائد بگاڑ دیئے اور ان کے دل صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اجتہادی اختلافات کی وجہ سے خباثت اور کینہ توزی سے بھر دیئے۔ پھر یہ بُرے عقیدے راسخ ہوکر آئندہ نسلوں کی طرف منتقل ہونے لگے۔''

پس اے خواہش نفس اور تعصب سے پاک لوگو! یہ بات ذہن نشین رکھو کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پاکیزہ نفسی اور صاف دلی کے باوجود انسان تھے۔ ان کے بھی نفس تھے اور نفسوں کی کچھ صفات ایسی ہیں جو ظاہر ہوتی ہیں۔ اس لئے اگر ان کے نفسوں سے کوئی ایسی بات ظاہر ہوتی جو دلوں کے لئے ناگوار ہوتی تو وہ دلوں کی طرف رجوع کر کے ان کا فیصلہ مانتے اور نفسانی خواہشات سے کنارہ کشی کرتے۔

پھر جب ان اہل قلوب کے معمولی نفسانی اثرات بعد کے ان اہل نفوس تک پہنچے جنہوں نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا بہترین زمانہ نہیں پایا تھا، تو وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اپنی ذاتوں پر قیاس کر بیٹھے جس کی وجہ سے بدعات وشبہات میں مبتلا ہو گئے، اور ان کے خبیث نفسوں نے انہیں فکر ونظر کے ہر بُرے مقام اور غلیظ گھاٹ پر لا کھڑا کیا، پھر ان کے لئے صفائے قلبی، اعتراف حق اور انصاف کی طرف بازگشت مشکل ہوگئی۔

صحابہ کرام کے یہ معمولی اجتہادی اختلافات ان کی صاف دلی پر اثر انداز نہیں ہوتے

تھے۔ کیونکہ ان کے نفوس انوارِ قلوب سے منور تھے۔ اس کے بعد جب اہل نفوس کو ان اختلافات کی خبر ہوئی تو ان کے دل میں صحابہ کرام کی دشمنی اور عداوت پیدا ہوگئی، کیونکہ ان پر نفس امارہ کا غلبہ تھا اور ان کے دل انوار سے خالی تھے۔

پس اگر تم نصیحت پر کان دھرتے ہو تو صحابہ کرام کے اختلافات میں پڑنے سے گریز کرو، سب کے ساتھ برابر کی محبت کرو تفضیل کے ساختہ معیار سے بچو اور بالفرض کسی کی تفضیل کا اثر دل پر چھا چکا ہو تو اس کو پوشیدہ رکھو، اس کا اظہار لازم نہیں نہ یہ لازم ہے کہ کسی کو دوسرے پر ترجیح دی جائے بلکہ سب کے ساتھ محبت واجب ہے اور سب کی فضیلت اور شان کا اعتراف ضروری ہے تمہارے لئے یہی عقیدہ کافی ہے کہ تمام خلفائے راشدین کی خلافت صحیح اور برحق ہے۔'' اھ

☆☆☆☆☆

۶۔ امام یحییٰ بن شرف النووی رحمتہ اللہ علیہ کے ارشادات

امام نووی رحمہ اللہ شرح مسلم میں بحوالہ امام ابومنصور بغدادی رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔

''ہمارے علماء کا اتفاق ہے کہ تمام صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم میں افضل خلفائے راشدین حسبِ ترتیب خلافت ہیں۔ پھر بقیہ عشرہ مبشرہ ہیں پھر اہل بدر ہیں پھر اہل احد ہیں، پھر اصحاب بیعت رضوان ہیں۔ انصار میں سے جن لوگوں کو دوسروں پر مزیت وفوقیت حاصل ہے وہ اصحاب بیعت عقبتین ہیں۔ اسی طرح سابقین اوّلین کی فضیلت ہے، البتہ سابقین اوّلین کی تعیین میں اختلاف ہے، ابن مُسیّب اور ایک گروہ علماء کے نزدیک سابقین اوّلین قبلتین کی طرف نماز پڑھنے والے صحابہ کرام ہیں۔ شعبی کہتے ہیں۔ ''وہ اہل بیعتِ رضوان ہیں۔'' عطاء اور محمد بن کعب اہل بدر کو سابقین قرار دیتے ہیں۔

قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام ابن عبد البر رحمہ اللہ اور ایک گروہِ علماء کا نکتہ نگاہ یہ ہے کہ جو صحابہ کرام نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ ظاہری میں فوت ہو گئے وہ زندہ رہ جانے والے صحابہ کرام سے افضل ہیں، مگر یہ قول ناپسندیدہ اور غیر مقبول ہے۔

علماء کا اس بارے میں بھی اختلاف ہے کہ یہ تفضیل قطعی ہے یا نہیں۔ اور آیا یہ ترتیب تفضیل ظاہری و باطنی ہے یا صرف ظاہری، امام ابوالحسن اشعری قطعی ہونے کے قائل ہیں۔ ان کے نزدیک افضلیت کی وہی ترتیب ہے جو امامت و خلافت کی ترتیب ہے۔

جو لوگ اس ترتیب کو ظنی اور اجتہادی قرار دیتے ہیں ان میں ایک امام ابوبکر باقلانی ہیں۔ انہوں نے علماء کے اس اختلاف کا ذکر کیا ہے کہ افضلیت صرف ظاہر میں ہے یا ظاہر و باطن دونوں میں ہے۔

اسی طرح حضرت عائشہ اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہما کی افضلیت میں بھی اختلاف ہے یونہی حضرت عائشہ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہما کی باہم تفضیل میں بھی اختلاف ہے۔

جہاں تک خلافت عثمانی کا تعلق ہے، وہ بالا جماع صحیح ہے۔ آپ ناحق شہید کئے گئے۔ اور آپ کے قاتل فاسق تھے، کیونکہ جوازِ قتل کے اسباب معلوم و متعین ہیں اور ان میں سے کوئی سبب آپ کے قتل کا جواز نہیں بن سکتا تھا۔ یہ شر پسند اوباش لوگوں کی کاروائی تھی۔ جو جتھہ بندی کر کے قتل کے ارادے سے آئے اور مدینہ منورہ میں موجود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ کا دفاع نہ کر سکے جس کی وجہ سے آپ محاصرہ کی حالت میں شہید ہو گئے (رضی اللہ عنہ)

جہاں تک حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خلافت کا تعلق ہے وہ بالاتفاق صحیح ہے آپ اپنے وقتِ خلافت میں برحق خلیفہ تھے، دوسروں کے عہد خلافت میں آپ کا استحقاق خلافت صحیح نہیں، (مراد یہ ہے کہ آپ کی چوتھی خلافت ہی صحیح ہے)۔

رہے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ، آپ ایک عادل فاضل اور بلند مرتبہ صحابی تھے۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کے درمیان جو جنگیں ہوئیں ان میں ہر فریق کو کوئی شبہ لاحق تھا۔ اور ہر فریق اپنے آپ کو حق وصواب پر سمجھتا تھا۔ یہ سب لوگ اہل عدالت تھے، اور اختلافات ونزاعات کی کوئی نہ کوئی تاویل اور وجہ جواز رکھتے تھے، اس وجہ سے کوئی صحابی اپنے منصب عدالت سے خارج نہیں ہوتا، کیونکہ یہ لوگ مرتبہ اجتہاد پر فائز تھے اور ان کے اختلافات بھی اجتہادی مسائل میں تھے (جن کا انہیں حق حاصل تھا) جس طرح بعد کے مجتہدین نے قصاص اور دیت کے مسائل میں اختلاف کیا ہے اور یہ اختلاف ان کے لئے باعثِ تنقیص نہیں، ان جنگوں کا باعث یہ ہوا کہ ان صحابہ کرام پر بعض معاملات کی حقیقت نہ کھل سکی اور شدت اشتباہ کی وجہ سے ان کے اجتہاد میں اختلاف پیدا ہو گیا اور وہ تین گروہوں میں تقسیم ہو گئے۔

۱۔ ایک گروہ پر اجتہاد سے ظاہر ہوا کہ حق ان کی طرف ہے اور ان کے مخالف باغی ہیں، اس لئے ان پر جماعت کی حمایت ونصرت اور مخالفین سے پیکار ضروری تھی۔ پس انہوں نے ایسا ہی کیا، کیونکہ امام عدل سے تاخر ان کے نزدیک جائز نہ تھا۔

۲۔ دوسرے گروہ نے اس کے برعکس حق اپنے اندر محصور دیکھا اس لئے ان پر اپنے گروہ کی موافقت اور دوسرے گروہ سے معرکہ آرائی لازم تھی۔

۳۔ تیسرے گروہ پر یہ قضیے مشتبہ ہو گئے اور وہ حیرانی کے عالم میں کسی جانب کو ترجیح نہ دے سکے اس لئے وہ الگ تھلک رہے اور الگ رہنا ہی ان پر واجب تھا۔ کیونکہ بغیر دلیل و جواز کے کسی مسلمان سے جنگ کرنا جائز نہیں اگر کسی ایک جانب کی ترجیح ان پر ظاہر ہو جاتی تو ان پر اس کی حمایت لازم ہوتی۔ اس لحاظ سے صحابہ کرام کے تینوں گروہ معذور ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ تمام اہل حق کا اتفاق ہے کہ صحابہ کرام کمالِ عدالت کے پیکر ہیں اور ان کی شرعی شہادت اور روایت قبول کرنا لازم ہے۔

(نووی شرح مسلم جلد دوم ص ۲/۲۷۴)

☆☆☆☆☆

م ابن تیمیہ ر

حافظ ابن تیمیہ "عقیدہ واسطیہ" میں رقم طراز ہیں:

اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں دلوں اور زبانوں کو صاف و سالم اور پاک رکھنا اہل سنت و جماعت کے بنیادی اصولوں میں سے ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی شان میں فرمایا:

وَالَّذِیْنَ جَآءُوْ مِنْ بَعْدِهِمْ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْلَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِیْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِیْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِیْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّکَ رَؤُوْفٌ رَّحِیْمٌ.

اور وہ لوگ صحابہ کرام کے بعد آئے دعا کرتے ہوئے کہتے ہیں اے پروردگار! ہمیں بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو جو ہم سے ایمان میں سبقت لے گئے اور ہمارے دلوں میں ان اہل ایمان کے بارے میں کینہ (عداوت) نہ پیدا فرما بے شک تو بہت مہربان اور رحم کرنے والا ہے۔

اہل سنت و جماعت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد پر کاربند ہیں:

لاتَسُبُّوْا اَصْحَابِیْ فَوَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِهٖ لَوْ اَنَّ اَحَدَکُمْ اَنْفَقَ مِثْلَ اُحُدٍ ذَهَبًا مَا بَلَغَ مُدَّ اَحَدِهِمْ وَلَا نَصِیْفَهٗ

میرے اصحاب کو سب وشتم (گالیاں) نہ کرو، مجھے اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے اگر تم میں سے کوئی احد پہاڑ جتنا سونا راہ خدا میں خرچ کرے تو ان کے کسی ایک فرد کے ایک مد (جو) کے برابر نہیں ہوسکتا، بلکہ اس کے نصف کے بھی۔

اہل سنت و جماعت صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ان تمام فضائل و مراتب کو مانتے ہیں جو کتاب وسنت اور اجماع امت سے ثابت ہیں اور فتح یعنی صلح حدیبیہ سے پہلے خرچ کرنے والے اور راہ حق میں لڑنے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ان صحابہ رضی اللہ عنہم سے افضل جانتے ہیں جو فتح کے بعد ایمان انفاق اور راہ حق میں قتال سے شرفیاب ہوئے۔

وہ مہاجرین کو انصار پر فضیلت دیتے ہیں اور یقین رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے غزوۂ بدر میں شرکت کرنے والے تین سو تیرہ صحابہ کرام کو نوید جنت دیتے ہوئے فرمایا:

اِعْمَلُوْا مَاشِئْتُمْ	جو تمہارے جی میں آئے کرو
فَقَدْ غَفَرْتُ لَکُمْ	میں تمہیں بخش چکا ہوں۔

(بخاری)

وہ یہ بھی ایمان رکھتے ہیں کہ درخت کے نیچے بیعت رضوان سے مشرف ہونے والے چودہ سو سے زیادہ اصحاب میں سے کوئی بھی جہنم میں نہ جائے گا جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی خبر دی ہے۔

اہل سنت ان لوگوں کو جنتی ہونے کی شہادت دیتے ہیں جن کے بارے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے شہادت دی مثلاً عشرہ مبشرہ، ثابت بن قیس بن شماس اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم۔

وہ حضرت علی المرتضیٰ بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے منقول متواتر روایت کے مطابق اقرار کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس امت میں سب سے افضل حضرت صدیق رضی اللہ عنہ ہیں پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہیں وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو تیسرے درجے پر اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو چوتھے مرتبے پر سمجھتے ہیں۔ جیسا کہ آثار و روایات اس پر دلالت کرتے ہیں اور جس طرح کہ صحابہ کرام نے بیعتِ خلافت میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ پر مقدم کیا۔

یہ صحیح ہے کہ بعض اہل سنت کا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تقدیم وفضیلت کے بارے میں اختلاف ہے مگر وہ یہ سب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی افضلیت اور تقدیم پر متفق ہیں۔ایک گروہ کہتا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مقدم ہیں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ چوتھے خلیفہ ہیں، جبکہ دوسرا گروہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر تفضیل دیتا ہے۔ایک اور گروہ نے اس بارے میں توقف اختیار کیا ہے۔لیکن اہل سنت و جماعت کا مجموعی طور پر یہ نکتہ نگاہ قرار پا چکا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے افضل ہیں۔اگرچہ حضرت عثمان و حضرت علی رضی اللہ عنہما کی تفضیل کا مسئلہ ایسا نہیں ہے کہ اس میں اختلاف کرنے والے کو گمراہ قرار دیا جائے۔مگر مسئلہ خلافت میں خلاف کرنے والے کو گمراہ کہا جائے گا۔

اہل سنت و جماعت کا عقیدہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد برحق خلیفہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہیں پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ہیں اور ان کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں۔جو شخص ان میں سے کسی کی خلافت پر زبان طعن دراز کرے وہ گدھے سے بھی زیادہ احمق اور گمراہ ہے۔

اہل سنت و جماعت آل بیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت و عقیدت کا دم بھرتے ہیں اور ان کے بارے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس وصیت کو ہمیشہ پیش نظر رکھتے ہیں جو آپ نے ''غدیر خم'' پر ارشاد فرمائی تھی کہ:

اُذَکِّرُکُمُ اللّٰہَ فِی اَھْلِ بَیْتِیْ

میں تمہیں اپنے اہل بیت کے بارے میں (حسن سلوک کی) یاد دہانی کراتا ہوں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ شکایت کی کہ بعض قریشی بنو ہاشم پر زیادتی کرتے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ لَا یُؤْمِنُوْنَ حَتّٰی یُحِبُّوْکُمْ لِلّٰہِ وَلِقَرَابَتِیْ

اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے کہ وہ مومن نہیں ہو سکتے جب تک وہ تم سے اللہ کے لئے اور میری رشتہ داری کے باعث محبت نہ رکھیں۔

ایک اور ارشاد ہے:

اِنَّ اللّٰہَ اصْطَفٰی بَنِیْ اِسْمَاعِیْلَ وَاصْطَفٰی مِنْ بَنِیْ اِسْمَاعِیْلَ کِنَانَۃَ وَاصْطَفٰی مِنْ کِنَانَۃَ قُرَیْشًا وَاصْطَفٰی مِنْ قُرَیْشٍ بَنِیْ ھَاشِمٍ وَاصْطَفَانِیْ مِنْ بَنِیْ ھَاشِمٍ

بے شک اللہ تعالیٰ نے بنی اسماعیل کا انتخاب فرمایا پھر بنی اسماعیل میں سے کنانہ کو چنا اور بنی کنانہ میں سے قریش کو منتخب فرمایا اور قریش میں سے بنی ہاشم اور بنی ہاشم میں سے مجھے چن لیا۔

اہل سنت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج، جو کہ مومنوں کی مائیں ہیں، سے محبت و عقیدت کا اظہار کرتے ہیں۔ اور اعتقاد رکھتے ہیں کہ وہ دار آخرت میں حضور کی بیویاں ہوں گی۔ خصوصاً حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا جو آپ کی اکثر اولاد کی ماں ہیں۔ وہ سب سے پہلے ایمان لانے والی اور امر نبوت میں آپ کی یاور و مددگار تھیں۔ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں بہت بلند مرتبہ رکھتی تھیں۔ پھر حضرت عائشہ بنت صدیق اکبر رضی اللہ عنہا ہیں، جن کے بارے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

فضلُ عائشۃ علی النساء کفضل الثرید علی سائر الطعام

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی دیگر عورتوں پر ایسی فضیلت ہے جیسی سارے کھانوں پر ثرید کی۔

اہل سنت و جماعت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بغض وعداوت رکھنے والے روافض کے طرزِ عمل سے بیزار ہیں، یونہی وہ ناصبیوں کے طریقہ کار سے بھی، جو اہل بیت نبوت کو قول وفعل سے اذیت دیتے ہیں۔

وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان رونما ہونے والے واقعات و اختلافات کے بارے میں زبان بند رکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ان کی طرف منسوب ہونے والی بُرائی کی روایات یا تو سرے سے غلط ہیں یا ان میں کمی بیشی کردی گئی ہے ہے اور جو کچھ صحت کے ساتھ مروی ہے وہ اس میں معذور ہیں۔ کیونکہ وہ مجتہد ہیں اور مجتہد سے خطاء ہوسکتی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اہل سنت یہ بھی عقیدہ رکھتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کوئی بھی معصوم عن الخطاء نہیں۔ اور ان سے گناہ کا صادر ہونا ممکن ہے۔ مگر ان کی دین حق کے لئے اتنی قربانیاں اور فضیلتیں ہیں جو ان سے سرزد ہونے والی خطاؤں کا کفارہ اور بخشش کا ذریعہ بن جاتی ہیں۔ اور یہ ایسی خوبی ہے جو بعد کے لوگوں کو حاصل نہیں۔ کیونکہ ان کی نیکیاں بدیوں کو مٹا ڈالتی ہیں۔

زبانِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ثابت ہے کہ وہ سب زمانوں کے لوگوں سے افضل ہیں۔ ان کا کوئی فرد اگر راہ خدا میں ایک مد جَو خرچ کرے تو دوسرے کے احد پہاڑ سونا خرچ کرنے سے افضل ہے۔ پھر جب ان میں سے کسی سے کوئی گناہ صادر ہو تو توبہ یا کارِ نیک یا سابقہ فضیلت یا شفاعت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے۔ جس کے وہ سب سے زیادہ حق دار ہیں۔ یا دنیاوی ابتلاء وآزمائش سے اس گناہ کا کفارہ ہوجاتا ہے۔ اور اس کی بخشش ہو جاتی ہے۔

پھر مقام غور ہے کہ جب ثابت شدہ صریح گناہوں کی بخشش ہوسکتی ہے تو صحابہ کرام کے وہ امور جو اجتہاد پر مبنی تھے۔ کیوں معاف نہیں ہوسکتے؟
حالانکہ ایسے اجتہادی امور صحیح ہوں تو دوہرا ثواب ملتا ہے اور غلط ہوں تو اکہرا ثواب۔

کیونکہ غلطی اور خطاء قابل معافی ہے۔

مزید برآں بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف خطاء کے ایسے معاملات، جن پر تنقید کی جاتی ہے ان کے محاسن و فضائل مثلاً ایمان باللہ، ایمان بالرسول جہاد فی سبیل اللہ، ہجرت، نصرت، علم نافع اور عمل صالح کے مقابلہ میں اس قدر قلیل اور بے مقدار ہیں کہ اللہ کی مغفرت و رحمت کے سامنے ان کی کوئی حیثیت نہیں رہتی۔

جو شخص علم و بصیرت کے ساتھ صحابہ کرام کی سیرت اور ان پر عنایات ربانی کے باعث فضائل و کمالات پر غور کرے گا تو یقیناً اس حقیقت سے آگاہ ہو جائے گا کہ وہ انبیائے کرام علیہم السلام کے بعد صفحہ ہستی کے بہترین انسان ہیں۔ نہ ان جیسی پہلے کوئی قوم ہوئی ہے نہ آئندہ ہو گی۔ وہ اس امت کے جو کہ خیر الامم ہے۔ خلاصہ اور نچوڑ ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سب سے زیادہ معزز اور مکرم افراد۔

العقيدة الواسطية ص ١٢٦، ١٢٧

طبع و نشر

الرئاسة العامة لادارات البحوث العلمية

والافتاء والدعوة والارشاد

الرياض المملكة العربية السعودية

☆☆☆☆☆

۸۔ امام کمال الدین ابن ھمام حنفی رحمتہ اللہ علیہ

امام کمال بن ہمام اپنی کتاب ''مسایرہ'' میں فرماتے ہیں:

خلفائے اربعہ کی فضیلت ان کی ترتیب خلافت کے اعتبار سے ہے یعنی سب سے افضل حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہیں پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ہیں پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں۔ کیونکہ فضیلت کا حقیقی معیار وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ہے اور اس سے کوئی آگاہ نہیں ہو سکتا سوائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے، جو باعلام الٰہی جانتے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تمام صحابہ کرام کی تعریف اور مدح فرمائی ہے مگر اس کی حقیقت سے بھی وہی لوگ آشنا ہو سکتے ہیں جو زمانۂ وحی وتنزیل اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال کے گواہ ہیں۔ فضیلت پر دلالت کرنے والے ان احوال کے قرائن صرف انہی لوگوں پر ظاہر ہوئے۔ دوسروں پر نہیں ہو سکتے کیونکہ وہ اس وقت موجود نہ تھے۔ مگر ان کی کچھ تفصیل ہم تک سمعی دلائل کے ذریعے صراحت کے ساتھ پہنچی ہے جیسا کہ صحیح بخاری میں حدیث عمرو بن عاص ہے:

انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا:

مَنْ اَحَبُّ النَّاسِ اِلَیْکَ مِنَ الرِّجَالِ — مردوں میں سے کون آپ کو زیادہ محبوب ہے

فقال ابوھا یعنی عائشۃ — فرمایا عائشہ کا ابا (ابوبکر صدیق)۔

یہ حدیث کا اختصار ہے صحیح کے الفاظ ہیں حضرت عمرو بن عاص بیان کرتے ہیں میں نے عرض کیا یارسول اللہ:

ایُّ النَّاس احبُّ الیکَ قال عائشۃ فقلتُ من الرجال فقال ابوھا قلتُ ثم من؟ قال عمر بن الخطاب فعد رجالا (بخاری و مسلم)	کون شخص آپ کو زیادہ محبوب ہے؟ فرمایا عائشہ، میں نے عرض کیا مردوں میں سے؟ فرمایا عائشہ کے ابا عرض کیا پھر کون؟ فرمایا عمر بن خطاب، ان کے بعد کئی مردوں کے نام لئے۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو نماز کی امامت کے لئے مقدم کیا۔ اور اس سنت پر سب کا اتفاق ہے کہ نماز کے لئے اس آدمی کو مقدم کیا جائے جو علم، قرأت، اخلاق اور ورع میں سب سے زیادہ افضلیت رکھتا ہو۔ ان دلائل سے ثابت ہوا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سب صحابہ سے افضل تھے۔ صحیح بخاری کی صحیح حدیث ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں:

كُنَّا فِي زَمَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ لَا نَعْدِلُ بِاَبِي بَكْرٍ اَحَدًا ثُمَّ عُمَرَ ثُمَّ عُثْمَانَ ثُمَّ نَتْرُكُ اَصْحَابَ النَّبِيِّ لَا نُفَاضِلُ بَيْنَهُمْ (بخاری)	ہم عہد رسالت مآب میں کسی کو حضرت ابی بکر رضی اللہ عنہ کے برابر نہیں سمجھتے تھے پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ان کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے، پھر چھوڑ دیتے تھے اور صحابہ کرام کے درمیان موازنہ نہ کرتے تھے۔

صحیح بخاری ہی میں جگر گوشہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ محمد بن حنفیہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہیں وہ کہتے ہیں میں نے اپنے اباجی سے پوچھا:

اَيُّ النَّاسِ خَيْرٌ بَعْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی الله علیه و سلم فَقَالَ اَبُوْبَكْرٍ قُلْتُ ثُمَّ مَنْ؟ قَالَ ثُمَّ عُمَر	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد افضل کون ہے؟ فرمایا: ابوبکر رضی اللہ عنہ میں نے عرض کیا پھر کون؟ فرمایا عمر رضی اللہ عنہ۔

مجھے خوف آ رہا تھا کہ کہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بجائے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا نام نہ لے دیں۔ میں نے عرض کیا کیا عمر کے بعد آپ افضل ہیں؟

قال ما انا الّا واحدٌ من المسلمین	فرمایا: میں تو مسلمانوں میں سے ایک عام آدمی ہوں۔

دیکھئے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ خود اس بات کی تصریح فرما رہے ہیں کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ سب لوگوں سے افضل ہیں۔ ہماری بیان کردہ ان احادیث کا مفاد یہ ہے کہ حضرت ابوبکر تمام صحابہ کرام پر فضیلت رکھتے ہیں بعض احادیث میں خلفائے ثلاثہ کی ترتیب فضیلت بھی آئی ہے۔ پھر جب تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے خلفائے ثلاثہ کے بعد حضرت علی کی تفضیل پر اتفاق کر لیا جن میں طلحہ رضی اللہ عنہ وزبیر رضی اللہ عنہ بھی تھے تو ثابت ہوا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ تینوں خلفاء کے بعد افضل الخلق ہیں۔

ہم اہل سنت کا عقیدہ ہے کہ تمام صحابہ کرام صفت عدالت سے متصف ہیں اور (ان سے زبان طعن روک کر) ان کی تعریف کرنی چاہئے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی تعریف بیان کرتے ہوئے فرمایا:

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ

تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے بطور نمونہ نکالی گئی ہو تم لوگوں کو نیکی کا حکم کرتے ہو اور برائی سے منع کرتے ہو۔

وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ

اسی طرح ہم نے تم کو امت وسط یعنی عادل و نیکوکار امت بنایا تاکہ تم لوگوں پر گواہ بنو۔

صحابہ کرام براہ راست حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان اقدس پر اس خطاب سے مشرف ہوئے۔ ایک ارشاد ہے:

يَوْمَ لَا يُخْزِى اللّٰهُ النَّبِىَّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ ۚ نُوْرُهُمْ يَسْعٰى بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَاغْفِرْ لَنَا ۚ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ○
(التحریم: ۸)

جس دن اللہ رسوا نہ کرے گا نبی اور ان کے ساتھ کے ایمان والوں کو۔ ان کا نور دوڑتا ہوگا ان کے آگے اور ان کے داہنے، عرض کریں گے اے ہمارے پروردگار ہمارے لئے ہمارا نور پورا کر دے اور ہمیں بخش دے بیشک تجھے ہر چیز پر قدرت ہے۔

ایک اور ارشاد ملاحظہ کیجئے:

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ط وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا ز سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ط (فتح: ۲۹)

محمد اللہ کے رسول ہیں اور ان کے ساتھ والے کافروں پر سخت ہیں اور آپس میں نرم دل، تو انہیں دیکھے گا رکوع کرتے سجدے میں گرتے اللہ کا فضل و رضا چاہتے اور ان کی علامت ان کے چہروں میں ہے سجدوں کے نشان سے۔

ایک آیت کریمہ میں فرمایا:

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَ اَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا —فتح: ۱۸)

بے شک اللہ راضی ہوا ایمان والوں سے جب وہ پیڑ کے نیچے تمہاری بیعت کرتے تھے تو اللہ نے جانا جو (اخلاص و صدق و وفا) ان کے دل میں ہے تو ان پر اطمینان اتارا اور انہیں جلد آنے والی فتح کا انعام دیا۔

اسی طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات پاک میں بھی صحابہ کرام کی مدح وثناء آئی ہے۔ فرمایا:

اَصْحَابِيْ كَالنُّجُوْمِ بِاَيِّهِمْ اقْتَدَيْتُمْ اهْتَدَيْتُمْ (دارمی، ایان عدای)

میرے اصحاب ستاروں کی مانند ہیں جس کی بھی اقتداء کرو گے ہدایت پا جاؤ گے۔

صحیحین کی حدیث ہے۔ میرے اصحاب کو سب وشتم نہ کرو، اگر تم میں سے کوئی احد پہاڑ جتنا سونا بھی خرچ کرے وہ ان کے کسی شخص کے ایک مد جو کے برابر نہیں ہو سکتا بلکہ اس کے نصف کے برابر بھی نہیں ہو سکتا۔

ایک اور ارشاد ہے:

میرا زمانہ بہترین زمانہ ہے پھر ان لوگوں کا زمانہ جو میرے زمانے کے لوگوں کے بالمتصل ہوں گے۔ (بخاری مسلم)

استدراک

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے درمیان قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ کے سپرد کرنے کے مسئلہ پر جو جنگیں ہوئیں وہ اجتہاد پر مبنی تھیں۔ وہ اس لئے نہ تھیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ امامت وخلافت کا کوئی اختلاف یا جھگڑا تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سمجھتے تھے کہ قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ کو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حوالے کرنے سے امامتِ عظمٰی میں شدید انتشار اور اضطراب پیدا ہو جائے گا اور وہ بھی جب کہ ابھی آپ کی خلافت کا آغاز ہے کیونکہ قاتلین کے قبائل علوی لشکر میں گھلے ملے ہوئے تھے۔ اس لئے آپ کی نظر میں قاتلین سے انتقام کو مؤخر کرنا زیادہ مناسب تھا۔ یہاں تک کہ معاملات خلافت مستحکم ہو جائیں پھر ان سے قصاص لیا جائے اور یہ انتہائی درست فیصلہ تھا کیونکہ شورش پسند آپ کے خلاف بغاوت کرنے اور آپ کو شہید کرنے کا تہیہ کر چکے تھے۔ اس بارے میں جنگ جمل کے دوران ان شورش پسندوں کا کردار بہت واضح ہے۔ (مسایرہ مع مسامرہ ابن ابی شریف شافعی ۱۳۲۔۱۳۱)

☆☆☆☆☆

۹۔ الامام القطب سیّدی عبدالوہاب الشعرانی شافعی رحمتہ اللہ علیہ

امام شعرانی ''المنن الکبریٰ'' میں فرماتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے مجھ پر احسان فرمایا کہ اس نے مجھے خواب میں اصحاب رسول صلی اللہ علیہ و سلم کی اولاد کی زیارت کرائی اور میں نے انہیں اسی نظر عقیدت سے دیکھا۔ جس سے ان کے باپوں کو دیکھتا اگر ان کا زمانہ پاتا۔ اور ان کی صحبت سے مشرف ہوتا۔ اور ان کے مراتب و مقامات کے متعلق میرا نکتہ نگاہ وہی ہوتا جس کا اظہار نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ محض اندھی عقیدت پر نہ ہوتا۔ کیونکہ بعض اوقات شیطان معاملاتِ محبت میں تعصب پیدا کر دیتا ہے۔ بخلاف اس محبت کے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تابعداری میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے کی جاتی ہے۔ وہ محبت تعصب سے خالی اور سالم ہے۔

بیان کرتے ہیں کہ شریف ابونمی نے مفتی حرمین حضرت محب طبری رحمتہ اللہ علیہ سے پوچھا: تم حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ پر کیوں فضیلت و تقدیم دیتے ہو؟ حالانکہ حضرت علی غزیر العلم ہیں اور نہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے خاص نسبی تعلق ہے۔ حضرت محب طبری نے جواب دیا۔ جناب عالی! ہم حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اپنے رائے سے مقدم نہیں کرتے اور نہ ہی یہ بات ہمارے اختیار میں ہے۔ آپ کے جد اکرم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

سدوا کُلّ خُوخةٍ فی المَسْجد الا خُوخة ابی بکر

ایک اور ارشاد ہے:

مُرُوا ابابکر فَلْیُصلِّ بالنّاس — ابوبکر کو جا کر کہو کہ وہ لوگوں کی امامت کریں اور نماز پڑھائیں۔

اس حدیث کو ہم نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک صحیح سند سے پڑھا۔ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا تو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے کہا۔ جس شخص کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے دین کے لئے پسند فرمایا اور مقدم کیا اسے ہم اپنی دنیا (کی قیادت) کے لئے مقدم کرتے ہیں اور پسند کرتے ہیں۔ شریف ابونمی نے کہا۔ ہاں یہ صحیح ہے۔ مگر عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں کیا کہتے ہو؟ حضرت محب طبری نے جواب دیا۔ ''جہاں تک حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا معاملہ ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے وصال کے وقت انہیں مسلمانوں کے لئے منتخب ومقرر فرمایا۔ شریف نے کہا۔ ہاں ٹھیک ہے اب عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں کہو۔ فرمایا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کا معاملہ عشرہ مبشرہ میں سے جلیل القدر صحابہ کرام کی شوریٰ میں رکھ دیا۔ یہ شوریٰ ان افراد پر مشتمل تھی جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بوقت وصال راضی اور خوش تھے۔ تو اہل شوریٰ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو مقدم کیا۔ شریف نے سن کر کہا اب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق کچھ بتاؤ۔ حضرت محب طبری نے فرمایا۔ وہ مجتہد ہیں جس طرح حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ درجۂ اجتہاد پر فائز تھے۔ پوچھا اگر تم ان دونوں کا زمانہ پاتے تو لڑائی میں کس کا ساتھ دیتے؟ فرمایا حضرت علی رضی اللہ عنہ کا، اس پر شریف بول اٹھا اللہ تعالیٰ تمہیں ہماری طرف سے بہترین جزا دے۔

امام شعرانی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

میرے بھائی! سنت رسول کی پیروی کرنے والے اس عالم کے نفیس کلام پر غور کرو انہوں نے تقدیم وفضیلت کے اس مسئلہ میں اپنے لئے کوئی اختیار باقی نہیں رکھا۔ معلوم ہوا کہ ہم پر لازم ہے کہ ہم محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تابعداری میں اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کریں نیز ان کی اولاد سے بھی محبت رکھیں۔ اور یہ محبت طبعی محبت نہیں عقلی اور شرعی محبت ہے۔

ہم سیدہ فاطمتہ الزہرا رضی اللہ عنہا کی اولاد پاک کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اولاد پر ترجیح دیتے ہیں جس طرح حضرت ابوبکر صدیق ذیل کی حدیث پر عمل کرتے ہوئے اپنی اولاد پر ترجیح دیتے تھے۔

لَایُوْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْهِ مِنْ وَّالِدِهٖ وَوَلَدِهٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ
تم میں سے کوئی شخص کامل مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ میں اس کے والد اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔

ایک بار حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا لوگوں نے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کو آپ پر کیوں فضیلت اور ترجیح دی؟ فرمایا انہیں یہ اعزاز اللہ تعالیٰ نے بخشا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد پاک ہے:

وَلَا تَرْکَنُوْا اِلَی الَّذِیْنَ ظَلَمُوا فَتَمَسَّکُمُ النَّارُ
تم ظالم لوگوں کی طرف نہ جھکو ورنہ جہنم کی آگ تمہیں جلائے گی۔

اور یہ بات ثابت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی طرف میلان اور جھکاؤ تھا اور آپ نے ان دونوں کی صاحبزادیوں سے نکاح فرمایا، اگر وہ ظالم ہوتے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی صاحبزادیوں سے ہرگز عقد نکاح نہ کرتے۔ نہ ان کی طرف مائل ہوتے۔

آگے چل کر امام شعرانی فرماتے ہیں:

''میں نے سیدی علی الخواص رحمہ اللہ کی زبان اقدس سے سنا، محبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اتنا ہی کافی نہیں کہ بس عادی اور رسمی محبت رکھیں بلکہ ہم پر لازم ہے کہ اگر ہمیں صحابہ کرام کی محبت میں تکالیف بھی برداشت کرنی پڑیں تو کریں اور کسی صورت ان کی محبت سے دستکش نہ ہوں۔ جس طرح ہم ظلم وستم اور تعذیب سے اپنے ایمان کو نہیں چھوڑتے اور جس طرح حضرت بلال، صہیب اور حضرت عمار رضی اللہ عنہم نے ایمان کی خاطر ظلم کے پہاڑ برداشت کئے۔ نیز حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے خلق قرآن کے مسئلہ میں اذیتوں پر استقامت کا مظاہرہ کیا۔

جو شخص حُبّ صحابہ رضوان اللہ عنہم میں ان لوگوں کی طرح تکلیف اور اذیت برداشت نہیں

کر سکتا۔ اس کی محبت میں خامی ہے۔'' انتہی

امام شعرانی ''اپنی کتاب الیواقیت والجواہر'' کے چوالیسویں باب میں فرماتے ہیں۔

''صحابہ کرام رضوان اللہ عنہم کے درمیان رونما ہونے والے اختلافات پر خاموشی اختیار کرنا لازم ہے اور یہ اعتقاد رکھنا کہ انہیں ان اجتہادی اختلافات پر اجر ملے گا اور یہ کہ باتفاق اہل سنت وہ سب صفت عدل سے متصف ہیں خواہ ان میں سے کوئی فتنوں کی زد میں آیا یا نہ آیا، جیسے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور بعض دیگر صحابہ کرام رضوان اللہ عنہم ہیں ہم پر واجب ہے کہ ان کے ساتھ حسن ظن رکھیں۔ اور ان کے نزاعی معاملات کو اجتہاد پر محمول کریں۔ کیونکہ ان امور کی بنیاد اجتہاد ہے اور ہر مجتہد اپنے نکتۂ نگاہ میں مصیب (صحیح) ہوتا ہے پھر اگر وہ فی الحقیقت صحیح فیصلہ پر پہنچا ہو تو اسے دوہرا ثواب ملے گا اور اگر رائے میں ٹھوکر کھائی ہو تو اسے اکہرا ثواب ملے گا، اور وہ اس معاملہ میں معذور قرار دیا جائے گا۔''

ابن الانباری فرماتے ہیں:

''صحابہ کرام رضوان اللہ عنہم کو عادل قرار دینے سے یہ مراد نہیں کہ وہ معصوم عن الخطاء ہیں۔ یا ان سے خطاء محال ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ دینی احکام میں ان کی روایات قبول کی جائیں گی اور اسباب عدالت اور طلب تزکیہ کی تحقیق کے لئے مشقت اٹھانے کی ضرورت نہ ہوگی۔ کیونکہ اب تک کوئی ایسی چیز ثابت نہیں ہوئی جو ان کی عدالت میں ردوقدح کا باعث بنی ہو۔ وللہ الحمد

ہمارے نزدیک ان کا وہی مقام و مرتبہ ہے جو عہد رسالت میں تھا جب تک کہ اس کے خلاف کوئی قطعی دلیل پایہ ثبوت تک نہ پہنچ جائے۔ بعض مؤرخین کی روایات کی طرف کان دھرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ وہ جو کچھ بیان کرتے ہیں۔ وہ حقیقت پر مبنی نہیں اور اگر کوئی روایت بجی بھی ہو تو اس میں تاویل کی گنجائش ہے۔ اس بارے میں حضرت عمر بن عبد العزیز کا یہ ارشاد کتنا خوبصورت ہے۔

''ان پاکیزہ خونوں سے اللہ تعالیٰ نے ہماری تلواروں کو محفوظ رکھا اب ہم اپنی زبانوں کو ان سے کیوں داغدار کریں۔''

ان حاملین دین پر طعن کرنا کیوں کر جائز ہے،کیونکہ دین کی جو خبر بھی ہم تک پہنچی ہے تو انہی پاکیزہ نفوس کے توسط سے پہنچی ہے جو شخص صحابہ کرام پر طعن کرتا ہے تو دراصل اپنے دین پر طعن کرتا ہے اس لئے ضروری ہے کہ اس طعن کا کلی سد باب کیا جائے۔ بالخصوص حضرت معاویہ اور حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما وغیرہما صحابہ کرام کے بارے میں فضول غور و خوض سے اجتناب کیا جائے۔ اور روافض سے منقول اہل بیت نبوت کی ان حضرات سے ناگواری اور تلخی کی روایات سے دھوکا نہیں کھانا چاہئے کیونکہ اس قسم کے مسائل بہت پیچیدہ ہیں اور اس بارے میں فیصلہ کرنے کا حق صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے کیونکہ یہ آپ کی اولاد اور اصحاب کا معاملہ ہے۔''

کمال بن ابی شریف کہتے ہیں:

''حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ کے درمیان جو اختلاف اور نزاع رونما ہوا۔ وہ امامت وخلافت کے بارے میں نہ تھا جس طرح کہ بعض لوگوں کو وہم ہوا ہے اصل اختلاف قاتلین عثمان کو آپ کے لواحقین کے حوالے کرنے کا تھا تاکہ وہ ان سے انتقام اور قصاص لے سکیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی رائے یہ تھی کہ قاتلین کو ان کے حوالے کرنے کا معاملہ مؤخر کرنا زیادہ مناسب ہے کیونکہ انہیں فوری طور پر قصاص کے لئے سپرد کر دینا۔ جبکہ ان کے طاقتور قبیلے اور رشتہ دار علوی لشکر میں گھس چکے ہیں۔ خلافت کے اوائل ہی میں اضطراب اور پریشانی پیدا کرنے کے مترادف ہے۔ بالخصوص اس وقت جب کہ بعض سورش پسند حضرت علی کے خلاف بغاوت کا ارادہ رکھتے تھے اور جس کا کچھ اظہار جنگ جمل کے موقع پر ہو چکا تھا۔

اس سلسلہ میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی رائے یہ تھی کہ قاتلین کو فوراً قصاص کے لئے حوالہ کیا جائے اور ان کا یہ نکتہ نگاہ کچھ غلط بھی نہ تھا اس لئے دونوں اصحاب کی آراء کا اپنی جگہ پر وزن ہے اور دونوں اجر وثواب کے مستحق ہیں۔ (انتہی)

☆☆☆☆☆

۱۰۔ امام شہاب الدین احمد بن حجر ھیثمی شافعی رحمتہ اللہ علیہ

امام ابن حجر مکی رحمتہ اللہ علیہ اپنی کتاب ''زواجر'' میں رقم طراز ہیں:

''اکابر سلف صالحین میں سے حضرت ابو ایوب سنختیانی فرماتے ہیں۔ جس نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے محبت کی اس نے دین کا مینار قائم کرلیا جس نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے محبت کی اس نے ہدایت کا راستہ روشن کرلیا۔ جس نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ سے الفت ومحبت کا رشتہ جوڑا اس نے اپنے آپ کو نور الٰہی سے منور کرلیا اور جس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے حب وولا کا تعلق قائم کیا اس نے ہدایت کی مضبوط گرہ تھام لی اور جس نے کہا کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم خیر وہدایت کے پیکر تھے وہ نفاق سے پاک اور بری ہوگیا۔ کیونکہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کے فضائل ومناقب بے شمار ہیں جن کا بیان ممکن نہیں۔''

امام ابن حجر رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''جمیع اہل سنت وجماعت کا اس بات پر اتفاق واجماع ہے کہ تمام صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم میں سے وہ دس افضل ہیں جنہیں زبانِ رسالت سے نام بنام جنت کا مژدہ ملا ہے۔ پھر ان میں سے افضل ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں پھر عمر رضی اللہ عنہ ہیں۔ ان کے بعد اکثر اہل سنت حضرت عثمان کو افضل قرار دیتے ہیں پھر چوتھے نمبر پر حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں۔ اور یہ ایسی مقدس ہستیاں ہیں جن کی شخصیات پر کوئی آدمی اعتراض نہیں کرسکتا۔ سوائے بدعتی منافق اور خبیث شخص کے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ذیل کے ارشاد میں خلفائے اربعہ کی ہدایت سے وابستہ ہونے کا حکم دیا ہے۔

عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَ سُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ مِنْ بَعْدِيْ عَضُّوْا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ

تم پر میری اور میرے ہدایت یافتہ خلفاء کی سنت کی پیروی لازم ہے اسے اپنی ڈاڑھوں کے ذریعے مضبوطی سے تھام لو۔

خلفائے راشدین سے مراد یہی چار صحابہ کرام ہیں اور اس بات پر قابل ذکر لوگوں کا اجماع ہے زواجر ہی میں فرمایا:

''اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم کی متعدد آیات میں اس بات پر نص فرمائی ہے کہ وہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم سے راضی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَالسَّابِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهَاجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ لا رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ الخ (التوبہ: ۱۰۰)

اور مہاجرین وانصار میں سابقین اولین اور وہ لوگ جو بھلائی کے ساتھ ان کے پیرو ہوئے اللہ ان سے راضی اور وہ اللہ سے راضی۔

اس لئے جس نے ان کو یا ان میں سے کسی کو بُرا بھلا کہا تو اس نے اللہ تعالیٰ کے خلاف اعلان جنگ کیا اور جو شخص اللہ تعالیٰ کو جنگ کا چیلنج دے وہ برباد ہو گیا اور ذلت و رسوائی اس کا مقدر بن گئی، اسی لئے علمائے کرام فرماتے ہیں کہ جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ذکر کسی بُرائی یا عیب کی نسبت کے ساتھ ہو تو اس وقت بچنا لازم ہے اور اگر قدرت ہو تو دیگر منکرات کی طرح ہاتھ زبان یا دل کے ساتھ اس کا ازالہ اور انکار ضروری ہے بلکہ یہ جرم دیگر منکرات کے مقابلے میں زیادہ قبیح اور بُرا ہے۔ اسی لئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تاکیداً منع فرمایا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شان میں گستاخی نہ کی جائے۔ فرمایا:

اَللّٰهَ اللّٰهَ فِيْ اَصْحَابِيْ لَا تَتَّخِذُوْهُم غَرَضًا بَعْدِي فَمَنْ اَحَبَّهُمْ فَبِحُبِّيْ اَحَبَّهُمْ وَ مَنْ اَبْغَضَهُمْ فَبِبُغْضِيْ اَبْغَضَهُمْ وَ مَنْ اٰذَاهُم فَقَدْ اٰذَانِي وَ مَنْ اٰذَانِي فَقَدْ اٰذَى اللّٰهَ و من اٰذَى اللّٰهَ اَوْشَكَ اَنْ يَاخُذَهُ (ترمذی)

میرے اصحاب کے بارے میں اللہ سے ڈرو میرے بعد ان کو تنقید کا نشانہ نہ بنا لینا جو ان سے محبت کرے گا تو میری محبت کی وجہ سے کرے گا تو میری محبت کی وجہ سے کرے گا اور جو ان سے بغض رکھے تو دراصل مجھ سے عداوت کے باعث ان سے بغض رکھے گا اور جو انہیں ستائے گا تو وہ مجھے اذیت دے گا اور

جو مجھے اذیت دے گا تو حقیقت میں اللہ تعالیٰ
کو ناراض کرے گا اور جو اللہ تعالیٰ کی ناراضگی
کے اسباب اختیار کرے گا۔ قریب ہے کہ اللہ
تعالیٰ اسے اپنی گرفت میں لے لے۔

غور فرمایئے صحابہ کرام کے کتنے عظیم فضائل اور مناقب ہیں کہ نبی اکرم نے ان کی محبت کو اپنی محبت قرار دیا اور ان کے ساتھ دشمنی اور عداوت کو اپنی دشمنی ٹھہرایا۔

اس بات سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جلالتِ شان اور شرف و بزرگی کا اندازہ لگایئے کہ ان کی محبت نبی اکرم کی محبت کا عنوان ہے اور ان کے ساتھ عداوت حضور کے ساتھ دشمنی ہے۔ جو شخص صحابہ کرام کے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تعلقات اور احوال و آثار پر نظر ڈالے گا اسے صحابہ کرام کی عظمت شان معلوم ہوگی۔ اللہ تعالیٰ انہیں اسلام اور مسلمانوں کی طرف سے بہترین جزا عطا فرمائے انہوں نے راہِ خدا میں جہاد کا حق ادا کیا یہاں تک کہ شرق وغرب میں دین کا ڈنکا بج گیا اور شریعت اسلام کو عروج و غلبہ نصیب ہوا اگر وہ راہِ خدا میں ایسی سرفروشی کا مظاہرہ نہ کرتے تو ہم تک قرآن آتا نہ سنت پہنچتی اور نہ ہی اصل کا وجود ہوتا نہ فرع کا۔ جو شخص ان کی شان میں زبانِ طعن دراز کرتا ہے اس بات کا اندیشہ ہے کہ وہ اس جرم کی پاداش میں ملت اسلامیہ سے خارج ہو جائے گا کیونکہ ان کی شان میں گستاخی کرنا نورِ قرآن کو بجھا دینے کی کوشش ہے۔

ویابی اللہ ان یتم نورہ ولَوْ کَرِهَ الکافِرُوْنَ — اور اللہ نہ مانے گا مگر اپنے نور کا پورا کرنا، پڑے برا مانیں کافر

اس طعن و تشنیع سے دراصل اس تعریف و ثناء پر بے اطمینانی اور بے یقینی کا اظہار ہے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کے حق میں فرمائی ہے اور یہ بات خود اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی شان میں گستاخی ہے کیونکہ صحابہ کرام ہمارے اور رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان وسیلے ہیں۔ ان پر نکتہ چینی کرنا بارگاہ الوہیت و رسالت پر اعتراض کرنا ہے۔ اور روایت نقل کرنے والے کی توہین دراصل منقول عنہ (جس سے نقل کی گئی) کی توہین ہے۔ اور یہ بات اس شخص کے لئے بالکل صاف اور واضح ہے جو تدبر سے کام لیتا ہے اور اس کا عقیدہ نفاق اور زندقہ سے پاک ہو۔

اس لئے ہر اس شخص پر ضروری ہے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محبت کا مدعی ہو کہ وہ اس شخص سے بھی محبت کرے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کا کلام و پیغام دوسروں تک پہنچانے کا فریضہ سرانجام دے۔ اور اس کام میں کوتاہی کا مرتکب نہ ہو۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم وہ ہستیاں ہیں جنہوں نے شریعت اسلامیہ کے لئے مشقتیں سہی ہیں۔

امام ابن حجر زواجر ہی میں فرماتے ہیں:

''اس بارے میں احادیث بکثرت آئی ہیں ہم نے ان تمام احادیث کا ایک جامع کتاب بنام الصواعق المحرقہ لاخوان الشیاطین اھل الابتداع والضلال والزندقہ'' میں احاطہ کیا ہے۔ میرے خیال میں یہ کتاب اس موضوع پر بے نظیر کتاب ہے۔ اگر تم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے محاسن اہل بیت عظام کی ان کے حق میں تعریفیں بالخصوص شیخین رضی اللہ عنہم کے فضائل، شیعہ اور رافضیوں کی رسوائیوں کذب بیانیوں اور من گھڑت باتوں کا تماشا دیکھنا چاہتے ہو تو مذکورہ کتاب کی طرف رجوع کرو۔''

انتہت عبارۃ الزواجر

میرے خیال میں یہاں ''الصواعق'' میں سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے فضائل اور ان پر کئے جانے والے اعتراضات کے دفاع کے لئے ایک جامع انتخاب کی ضرورت ہے۔

امام ابن حجر فرماتے ہیں:

''اہل سنت و جماعت کا اجماع ہے کہ ہر مسلمان پر واجب ہے کہ وہ صحابہ کرام کی عدالت اور پاکیزہ نفسی پر یقین رکھے، ان پر اعتراضات سے اجتناب کرے اور ان کے فضائل و

مناقب بیان کرے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں ان کے فضائل بیان فرمائے ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَامُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ

تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے لئے نکالی گئی تم نیکی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے منع کرتے ہو۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ صحابہ کرام کی تمام امتوں پر فضیلت بیان فرمائی ہے۔ اس بارے میں اللہ تعالیٰ کی شہادت سے بڑھ کر کوئی شہادت نہیں کیونکہ وہ اپنے بندوں کے حالات سے بخوبی آگاہ ہے اور ان کی پوشیدہ بھلائیوں اور خوبیوں کو اچھی طرح جانتا ہے بلکہ یہ ایسے معاملات ہیں جن کو سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی نہیں جانتا۔ جب اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں شہادت دی کہ وہ بہترین امت ہیں تو ہر ایک پر اس کا اعتقاد رکھنا اور ایمان لانا لازم ہے ورنہ وہ اللہ تعالیٰ کی خبروں کی تکذیب کا مرتکب ٹھہرے گا۔ اس بات میں شک نہیں، کہ جو شخص اللہ تعالیٰ یا اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر کی حقانیت پر شبہ کا اظہار کرے وہ تمام مسلمانوں کے اجماعی عقیدہ کے مطابق کافر ہے۔''

۲۔ وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ (البقرہ)

اسی طرح ہم نے تم کو امت وسط بنایا تاکہ تم لوگوں پر گواہ ہو۔

اس آیت میں اور اس سے پہلی آیت میں صحابہ کرام اس خطاب کے براہِ راست مصداق ہیں۔ دیکھئے اللہ تعالیٰ نے انہیں اہل عدالت اور نیکوکار اس لئے بنایا تاکہ روز قیامت وہ دوسری امتوں پر گواہی کا فریضہ سرانجام دیں۔ اسی صورت میں اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے حق میں کیسے گواہی دے سکتا ہے جو صفت عدل سے متصف نہ ہوں اور جو حضور کے وصال کے بعد دین سے برگشتہ ہو جائیں۔ اور صرف چھ آدمی دین حق پر قائم رہیں۔ جیسا کہ رافضیوں کا زعم باطل ہے اللہ تعالیٰ انہیں رسوا کرے۔ وہ کتنے احمق ہیں؟ کتنے جاہل ہیں اور جھوٹ افتراء اور بہتان

کے کس قدر ماہر ہیں۔

۳. يَوْمَ لَا يُخْزِي اللّٰهُ النَّبِيَّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهُ نُوْرُهُمْ يَسْعٰى بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَ بِاَيْمَانِهِمْ الخ (التحریم:۸)

جس دن اللہ رسوانہ کرے گا نبی اور ان کے ساتھ کے ایمان والوں کو، ان کا نور دوڑتا ہوگا ان کے آگے اور ان کے داہنے۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو رسوائی سے محفوظ رکھنے کی ضمانت دی ہے اور قیامت کے دن وہی لوگ اس رسوائی سے محفوظ رہیں گے جو اس حال میں فوت ہوئے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا انہیں حاصل تھی اس رسوائی سے محفوظ رہنا ان کے کمال ایمان کے ساتھ فوت ہونے اور نیکوکار ہونے کی صریح شہادت ہے۔ اس میں یہ تصریح بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سے ہمیشہ راضی ہے اور اس کے رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان سے خوش ہیں۔

۴. لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ (الفتح:۱۸)

بے شک اللہ راضی ہوا ایمان والوں سے جب وہ اس پیڑ کے نیچے تمہاری بیعت کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے جانا جو ان کے دلوں میں (صدق واخلاص) تھا۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے ان صحابہ کرام سے راضی ہونے کی تصریح فرمائی ہے جنہوں نے صلح حدیبیہ کے موقع پر درخت کے نیچے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دست اقدس پر جانوں کا سودا کیا تھا۔ اور جس شخص سے اللہ تعالیٰ راضی ہو جائے ممکن نہیں کہ اسے کفر پر موت آئے۔ کیونکہ اصل اعتبار حالت ایمان واسلام پر مرنے کا ہے اس لئے اللہ تعالیٰ کی رضا اسی کے لئے ہوسکتی ہے جس کا علم الٰہی میں اسلام پر مرنا یقینی ہو۔ اور جس کا کفر پر مرنا علم الٰہی میں متحقق ہو۔ ممکن نہیں کہ اللہ تعالیٰ اسے اپنی رضا کی سند عطا فرمائے۔ اس سے معلوم ہوا کہ مذکورہ بالا تمام آیات رافضیوں کے من گھڑت دعوؤں کی صاف تردید کرتی ہیں۔ یہ لوگ ملحد

ہیں اور قرآن حکیم کے منکر۔ کیونکہ قرآن حکیم پر ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ اس کی تمام آیات پر ایمان رکھا جائے۔ تم اچھی طرح جانتے ہو کہ قرآن حکیم میں بڑی صراحت کے ساتھ آیا ہے کہ صحابہ کرام بہترین امت، عادل اور نیکو کار ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ روز جزا رسوانہ فرمائے گا۔ وہ ان سے راضی ہے تو جو شخص اس حقیقت کی تصدیق نہیں کرتا وہ قرآنی آیات کو جھٹلاتا ہے اور جو نصوص قرآنی کو جھٹلائے اسے کوئی تاویل نہیں بچا سکتی۔ وہ کافر ہے منکر ہے، ملحد ہے، اور دین حق سے برگشتہ۔

۵. وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ الخ

۶. يٰٓاَيُّهَا النَّبِىُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَ مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ (انفال: ۶۴)

اے نبی اللہ تمہیں کافی ہے اور یہ جتنے مسلمان تمہارے پیرو ہوئے۔

۷. لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَ اَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا وَّ يَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۚ

ان فقیر ہجرت کرنے والوں کے لئے جو اپنے گھروں اور مالوں سے نکالے گئے، اللہ کا فضل اور اس کی رضا چاہتے، اور اللہ و رسول کی مدد کرتے وہی سچے ہیں۔

وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُوْنَ فِىْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا وَ يُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ؕ وَ مَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۚ

اور جنہوں نے پہلے سے اس شہر (مدینہ پاک) اور ایمان (کی دنیا) میں گھر بنا لیا دوست رکھتے ہیں انہیں جو ان کی طرف ہجرت کر کے گئے اور اپنے دلوں میں کوئی حاجت نہیں پاتے اس چیز کی، جو دیئے گئے، اور اپنی جانوں پر ان کو ترجیح دیتے ہیں اگرچہ انہیں شدید محتاجی ہو اور جو اپنے نفس کے لالچ سے بچایا گیا تو وہی کامیاب ہیں

وَالَّذِيْنَ جَآءُ وْا مِنْۢ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْلَنَا وَلِاَخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ۔
(حشر ۸ تا ۱۰)

اور وہ جو ان کے بعد آئے عرض کرتے ہیں اے ہمارے رب ہمیں بخش دے اور ہمارے بھائیوں کو جو ہم سے پہلے ایمان لائے، اور ہمارے دل میں ایمان والوں کی طرف سے کینہ نہ رکھ، اے رب ہمارے، بے شک تو ہی نہایت مہربان رحم والا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے جو تعریف وتوصیف فرمائی ہے اس پر غور کرو تمہیں ان اہل بدعت کی گمراہی کا علم ہو جائے گا جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر تنقید کرتے ہیں اور ان پر بے جا الزامات باندھتے ہیں۔

۸۔ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ط وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا، سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ط ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ ج وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ ج كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْئَهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ط وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا
(فتح: ۲۹)

محمد اللہ کے رسول ہیں اور ان کے ساتھ والے کافروں پر سخت ہیں اور آپس میں نرم دل، تو انہیں دیکھے گا رکوع کرتے سجدہ میں گرتے اللہ کا فضل و رضا چاہتے، ان کی علامت ان کے چہروں میں ہے سجدوں کے نشان سے، یہ ان کی صفت توریت میں ہے اور ان کی صفت انجیل میں، جیسے ایک کھیتی، اس نے اپنا پٹھا نکالا پھر اسے طاقت دی پھر دبیز (موٹی) ہوئی پھر اپنی ساق پر سیدھی کھڑی ہوئی، کسانوں کو بھلی لگتی ہے۔ تاکہ ان سے کافروں کے دل جلیں اللہ نے وعدہ کیا ان سے جو ان میں ایمان اور اچھے کاموں والے ہیں۔ بخشش اور بڑے ثواب۔

اس آیت کریمہ میں موجود صحابہ کرام کے فضائل ومناقب پر بھی نگاہ ڈالیئے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں اس حقیقت کی وضاحت آئی ہے جو آیہ کریمہ:

هُوَالَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَ دِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ وَكَفٰی بِاللّٰهِ شَهِیْدًا٥	وہی ہے جس نے رسول کو ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا کہ اسے سب دینوں پر غالب کرے اور اللہ کافی ہے گواہ (رسالت محمدیہ پر)

میں موجود ہے۔ اور اس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظیم ثناء بیان کی گئی ہے۔

اس کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ان الفاظ میں تعریف کی گئی ہے۔

وَالَّذِیْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَی الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ	محمد رسول اللہ کے ساتھی کافروں پر سخت ہیں اور آپس میں نرم دل۔

جس طرح کہ ایک اور مقام پر فرمایا:

فَسَوْفَ یَاْتِی اللّٰهُ بِقَوْمٍ یُّحِبُّهُمْ وَ یُحِبُّوْنَهٗۤ اَذِلَّةٍ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ اَعِزَّةٍ عَلَی الْكٰفِرِیْنَ یُجَاهِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَلَا یَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآىٕمٍ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ٥	عنقریب اللہ تعالیٰ ایسی قوم لائے گا جو اسے پیاری ہوگی اور وہ اس سے محبت کریں گے وہ مومنوں کے لئے نرم دل اور کافروں پر سخت ہوں گے وہ راہ خدا میں جہاد کریں گے اور کسی ملامت گر کی ملامت سے خوف نہ کھائیں گے، یہ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے جسے چاہتا ہے اس سے نوازتا ہے اور اللہ وسعت والا، علم والا ہے۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی یہ شان بیان کی ہے کہ وہ کافروں پر بڑے سخت ہیں اور مومنوں کے لئے بڑے مہربان اور نرم ہیں، پھر تعریف کرتے ہوئے فرمایا کہ ان کے مخلصانہ اعمال کی کثرت سے انہیں اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے بڑی امیدیں وابستہ

ہیں اس لئے وہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے فضل و رضا کی تلاش میں رہتے ہیں۔ اور ان کے ان مخلصانہ نیک اعمال کا اثر ان کے چہروں پر ہویدا ہے یہاں تک کہ جو ان کے چہروں کی طرف دیکھے گا۔ ان کی نورانیت سے خیرہ ہو کر رہ جائے گا۔

اسی لئے امام مالک رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"مجھے خبر ملی ہے کہ جب شام کے عیسائیوں نے ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا دیدار کیا جنہوں نے شام فتح کیا تو پکار اٹھے اللہ کی قسم! یہ لوگ تو عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں سے افضل ہیں۔"

اور ان کی یہ بات بالکل سچ ہے کیونکہ امت محمدیہ بالخصوص صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا تذکرہ ان کی بڑی الہامی کتب میں آیا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں فرمایا:

ذَالِکَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَمَثَلُهُمْ فِي الْإِنْجِيلِ ان کے اوصاف توراۃ میں بھی ہیں اور انجیل میں بھی۔

ان کی مثال اس کھیتی کی ہے جو پٹھا نکالے پھر پٹھے میں قوت آئے پھر وہ جوان ہو کر اپنے تنے پر کھڑا ہو اور کسان اس کھیتی کے جوبن کو دیکھ کر خوش ہوں یہی حالت ہے اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جنہوں نے دعوت اسلام کے اوائل میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تائید و مدد کی۔

لِيَغِيظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ۔ تاکہ کافروں کے دل اس باغ مصطفیٰ کی سرسبزی اور شادابی سے جلیں، امام مالک رضی اللہ عنہ نے اس آیت سے دشمنانِ صحابہ کے کفر کا حکم اخذ کیا ہے کیونکہ صحابہ کرام کی عظمت شان سے ان کے دل جلتے ہیں اور جو صحابہ کرام سے جلے، وہ کافر ہے یہ بہترین استنباط ہے کیونکہ ظاہر آیت اس کی شہادت دے رہا ہے امام شافعیؒ نے بھی اس حکم کفر میں امام مالک کی موافقت کی ہے ایک جماعت آئمہ بھی یہی نکتہ نگاہ رکھتی ہے جہاں تک احادیث کا تعلق ہے وہ شانِ صحابہ میں بڑی کثرت کے ساتھ آئی ہیں اور ہم نے ان احادیث

کا ایک بڑا حصہ اس کتاب یعنی الصواعق المحرقہ کے اوائل میں نقل کر دیا ہے۔ صحابہ کرام کے اظہار شرف کے لئے اتنی دلیل ہی کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے متعدد آیات میں ان کی تعریف بیان فرمائی ہے اور ان سے راضی ہونے کا اعلان کیا ہے۔ اس پر مستزاد یہ کہ بخشش اور اجر عظیم کا وعدہ تمام صحابہ کرام کو دیا صرف چند افراد کو نہیں۔ آیت میں لفظ من بیان جنس کے لئے ہے تبعیض کے لئے نہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کا وعدہ حق ہے جس میں تخلف نہیں، نہ وہ وعدہ خلافی کرتا ہے کیونکہ اس کے کلمات میں تبدیلی نہیں ہوتی۔

امام ابن حجر رحمتہ اللہ علیہ مزید لکھتے ہیں:

مذکورہ بالا آیات نیز مقدمہ کتاب میں منقول بکثرت احادیث قطعی طور پر عدالت صحابہ کا تقاضا کرتی ہیں۔ پھر جب اللہ تعالیٰ کے ارشادات اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمودات سے یہ عدالت ثابت ہو رہی ہے تو مخلوق میں سے کسی کی تعدیل کی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ضرورت نہیں، اگر ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے کوئی شہادت نہ بھی موجود ہوتی تو ان کی ظاہری حالت، ہجرت، جہاد حمایت حق کے لئے جانی مالی قربانی، باپ اولاد کو قتل کرنا، دینی خیر خواہی اور ایمان و یقین کی قوت ان کے عادل ہونے اور پاک دامن ہونے اور بعد کے تمام اہل ایمان پر فضیلت رکھنے کا قطعی ثبوت ہے۔ یہی ثقہ جمہور علماء کا مذہب ہے اور اس میں کسی کا اختلاف نہیں سوائے شاذ اہل بدعت کا، جو خود گمراہ ہیں اور دوسروں کو گمراہ کر رہے ہیں اس لئے ان کی کسی بات پر کان نہیں دھرا جائے گا نہ ان پر اعتماد کیا جائے گا۔

امام عصر ابوزرعہ رازی رحمتہ اللہ علیہ جو کہ امام مسلم کے جلیل القدر شیوخ میں سے ہیں۔ فرماتے ہیں:

''جب تم کسی شخص کو دیکھو کہ کسی صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی گستاخی کر رہا ہے تو سمجھ لو کہ زندیق ہے۔'' اس کی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حق ہیں قرآن حق ہے اور

حضور کی لائی ہوئی شریعت حق ہے۔ اور قرآن وشریعت ہم تک پہنچانے کا فریضہ صحابہ کرام ہی نے ادا کیا ہے اس لئے جو شخص ان پر نقد و جرح اور اعتراض کرتا ہے وہ کتاب وسنت کو باطل کرنے پر تلا ہوا ہے لہذا اس پر تنقید کرنا اور زندقہ گمراہی اور کذب وفساد کا حکم لگانا زیادہ مناسب ہے۔"

امام ابن حزم رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

صحابہ سارے کے سارے قطعی جنتی ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لا یَسْتَوِیْ مِنْکُمْ مَنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتَلَ ط اُولٰئِکَ اَعْظَمُ دَرَجَۃً مِّنَ الَّذِیْنَ اَنْفَقُوْا مِنْ م بَعْدُ وَقَاتَلُوْا ط وَکُلًّا وَّعَدَ اللّٰہُ الْحُسْنٰی (الحدید: ۱۰)

تم میں برابر نہیں وہ جنہوں نے فتح مکہ سے خرچ اور جہاد کیا وہ مرتبہ میں ان سے بڑے ہیں۔ جنہوں نے بعد فتح کے خرچ اور جہاد کیا اور ان سب سے اللہ جنت کا وعدہ فرما چکا۔

ایک اور ارشاد ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ سَبَقَتْ لَھُمْ مِنَّا الْحُسْنٰی اُولٰئِکَ عَنْھَا مُبْعَدُوْنَ

بے شک جن لوگوں کے لئے ہماری طرف سے بھلائی (یعنی جنت) کا وعدہ ہو چکا وہ جہنم سے بہت دور رکھے جائیں گے۔

پس ثابت ہوا کہ وہ سب اہل جنت ہیں۔ ان میں سے کوئی جہنم میں نہ جائے گا کیونکہ وہ سب پہلی آیت جس میں سب کے لئے بھلائی کا ثبوت ہے۔ کے مصداق ومخاطب ہیں اور اس حسنیٰ یعنی بھلائی کا معنی (دخولِ) جنت ہے۔ اور

جمہور اہل سلف وخلف کے اس عقیدے، کہ صحابہ کرام انبیائے کرام اور مقرب فرشتوں کے بعد تمام مخلوق سے افضل ہیں، کے دلائل مذکورہ بالا آیات میں آ چکے ہیں۔ مندرجہ ذیل احادیث بھی اس دعویٰ پر گواہ ہیں۔

صحیحین کی حدیث ہے:

لَاتَسُبُّوا اَصْحَابِیْ فَلَوْ ان اَحَدًا اَنْفَقَ مِثْل اُحُدٍ مَابَلَغَ مُدَّ اَحدهم ولا نَصِیْفَهٗ

میرے اصحاب کو گالیاں نہ دو۔ اگر تم میں سے کوئی احد پہاڑ کے برابر راہ خدا میں خرچ کرے تو کسی صحابی کے ایک یا نصف مد جو کو نہیں پہنچ سکتا۔

دارمی اور ابن عدی وغیرہما محدثین روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَصْحَابِی کَالنُّجُوْمِ بِاَیِّهِمُ اقْتَدَیْتُمْ اِهْتَدَیْتُمْ

میرے اصحاب ستاروں کی مانند ہیں، تم جس کی بھی پیروی کرو گے ہدایت پا جاؤ گے۔

ایک اور صحیح حدیث ہے:

''بہترین زمانہ میرا ہے۔ پھر ان لوگوں کا ہے جو پیچھے آئیں گے پھر ان لوگوں کا جو دوسرے زمانے کے لوگوں کے بعد آئیں گے۔'' ایک زمانے کے لوگ وصف مقصود میں شریک اور یکساں ہوئے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے مراد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا زمانہ ہے اور صحابہ کرام میں سے سب سے آخر میں وصال فرمانے والے صحابی ابوالطفیل عامر بن واثلہ لیثی ہیں جو صحیح روایت پر ۱۰۰ھ سو ہجری میں فوت ہوئے۔

اس کے بعد امام ابن حجر رضی اللہ عنہ لکھتے ہیں۔

''نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتا ہے وہ قرآن سے پیار کرتا ہے اور جو قرآن سے پیار کرتا ہے وہ مجھے عزیز رکھتا ہے اور جو مجھ سے محبت کرتا ہے وہ میرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور رشتہ داروں سے بھی محبت کرتا ہے۔ (دیلمی)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لوگو! میرے دوست احباء، سسرال اور اصحاب کے بارے میں میرا لحاظ رکھو اللہ تعالیٰ تم سے ان کے ساتھ کسی زیادتی کا مطالبہ نہ کرے کیونکہ روز قیامت اس کی تلافی نہ ہو سکے گی۔ (خلعی)

ایک اور حدیث ہے حضور نے فرمایا اللہ سے ڈرو، میری بعد میرے اصحاب کو لعن طعن کا نشانہ نہ بنالینا (پوری حدیث قبل ازیں نقل کی جا چکی ہے)۔

یہ حدیث اور اس سے پہلے کی حدیث بطور وصیت آئی ہے جس میں صحابہ کرام سے محبت کرنے اور ان کی دشمنی سے بچنے کی شدید تاکید کی گئی ہے۔ اس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ ان کی محبت سراپا ایمان ہے اور ان سے دشمنی کفر ہے کیونکہ ان سے دشمنی دراصل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دشمنی ہے جو کہ بالاتفاق کفر ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہے:

لَنْ یُؤْمِنَ احدُکُمْ حَتّٰی اکُوْنَ احبَّ اِلَیْہِ مِنْ نَفْسِہٖ ۔ تم میں سے کوئی بھی مومن نہ ہوگا یہاں تک کہ میں اس کی جان سے بھی پیارا ہو جاؤں۔

یہ کمالِ قرب کی دلیل ہے، اور جو شخص نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرتا ہے وہ آپ کی آل و اصحاب سے بھی محبت کرتا ہے یہ آپ کی محبت کی علامت اور پہچان ہے جس طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اللہ تعالیٰ کی محبت کی علامت ہے، یونہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے عداوت رکھنا اور برا بھلا کہنا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عداوت اور دشمنی کی علامت ہے اور حضور سے دشمنی اللہ تعالیٰ سے دشمنی ہے اصول ہے کہ جو کسی چیز سے محبت کرتا ہے تو اس سے محبت کرنے والے سے بھی محبت کرتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لَاتجِدُ قَوْمًا یُؤْمِنُوْنَ باللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ یُوَآدُّوْنَ مَنْ حَادَّ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ ۔ تم ایسے گروہ کو نہیں دیکھو گے جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں اور وہ اللہ اور اس کے رسول کے دشمنوں سے محبت کرتے ہوں۔

پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آل ازواج ذریات اور اصحاب سے محبت ضروریات دینیہ میں سے ہے اور ان سے بغض وعداوت انتہائی ہلاکت آفرین ہے۔ ان کی محبت کا مظہر یہ ہے کہ ان کا احترام کیا جائے، ان سے حسن سلوک کیا جائے۔ ان کے حقوق بجالائے جائیں۔ اور سنت آداب اور اخلاق میں ان کی پیروی کی جائے اور تعظیم وتکریم کے ارادے سے ان کے

اوصاف جمیلہ کا تذکرہ کیا جائے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بکثرت آیات میں ان کی تعریف کی ہے
اور جس کی تعریف پروردگار کرے اس کی تعریف کرنا لازم ہے۔اھ

صواعق ہی میں ہے:

''صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان رونما ہونے والے اختلاف اور نزاعات سے زبان روکنا لازم ہے کیونکہ یہ تاریخی روایات ہیں جو جاہل رافضیوں، گمراہ شیعوں اور صحابہ کرام کے گستاخ بدعتیوں سے منقول ومروی ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

''جب میرے اصحاب کا ذکر آئے تو زبان درازی سے بچو۔''

اسی طرح ہر سننے والے پر واجب ہے کہ وہ روایات کی چھان پھٹک کرلے اور کسی کتاب میں دیکھ کر یا کسی شخص سے سن کر کسی صحابی پر نہ تھوپ دے۔ بلکہ خوب تحقیق کرے اور اگر کوئی روایت درجۂ صحت کو پہنچ جائے تو اس کی عمدہ تاویل کرے کیونکہ وہ اسی کے سزاوار ہیں۔

جہاں تک ان جنگوں اور جھگڑوں کا تعلق ہے جو ان کے درمیان وقوع پذیر ہوئے ان کے بھی محامل اور تاویلات ہیں۔

اور جہاں تک ان پر سب وشتم اور لعن طعن کا معاملہ ہے اس کی دو صورتیں ہیں:

۱۔ اگر وہ کسی قطعی دلیل کے خلاف ہو۔مثلاً حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر قذف یا حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی صحابیت کا انکار، یہ کفر ہے۔

۲۔ اگر دلیل قطعی کے خلاف نہ ہو تو بدعت اور فسق ہے۔

اہل سنت وجماعت کا عقیدہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے درمیان جو معرکہ آرائیاں ہوئیں۔ وہ حضرت معاویہ کی حضرت علی کے ساتھ خلافت کے تنازع پر مبنی نہ تھیں۔ کیونکہ حضرت علی بالاتفاق برحق خلیفہ تھے اس فساد کا سبب یہ ہوا کہ حضرت معاویہ اور ان کے ساتھیوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مطالبہ کیا کہ قاتلین عثمان کو ان کے

حوالے کر دیا جائے۔ مگر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس خیال کے تحت ایسا نہ کیا کہ ان کو لشکر معاویہ کے حوالے کر دینا بنائے خلافت کو متزلزل کرنے کا باعث ہوگا اور خلافت اوائل ہی میں عدم استحکام کا شکار ہو جائے گی، وجہ یہ تھی کہ قاتلین عثمان حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لشکر میں روپوش ہو چکے تھے اور وہ بڑے بڑے قبائل سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ سمجھتے تھے کہ انہیں سپرد کرنے میں تاخیر کرنا یہاں تک امر خلافت مضبوط و مستحکم ہو جائے، زیادہ مناسب اور صحیح فیصلہ ہے۔ اس استحکام کے بعد انہیں ایک ایک کر کے گرفتار کیا جائے گا اور حضرت عثمان کے وارثان کے حوالے کر دیا جائے گا۔ اسی خطرہ کے پیش نظر بعض شرپسندوں نے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف بغاوت کا قصد بھی کیا تھا۔ کہتے ہیں کہ حضرت عثمان کو شہید کرنے والے فتنہ پروروں کی تعداد بہت زیادہ تھی ایک قول کے مطابق سات سو مصری تھے ایک گروہ اہل کوفہ میں سے تھا، ایک گروہ بصریوں کا تھا ان کے علاوہ بھی کچھ فسادی مدینہ منورہ میں آئے تھے۔ ایک اور روایت کے مطابق ان قاتلین کی ان کے قبیلوں سمیت تعداد دس ہزار تھی۔ یہی دشواری تھی جس کے پیش نظر حضرت علی رضی اللہ عنہ ان قاتلوں پر ہاتھ نہ ڈال سکے۔

بخاری شریف میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ کہتے ہیں:

''میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو منبر اقدس پر دیکھا اس وقت حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما آپ کے پہلو میں تھے۔ آپ کبھی لوگوں کی طرف رخ انور کرتے کبھی امام حسن کی طرف، اور فرما رہے تھے۔

اِنَّ اِبْنِیْ ھٰذا سیّد و لعلّ اللّٰہ ان یصلح به بیْن فِئتیْن عَظیمتین من الْمُسْلِمِیْن	میرا یہ بیٹا سردار ہے۔ وہ وقت دور نہیں جب اللہ تعالیٰ اس کے توسط سے مسلمانوں کے دو عظیم گروہوں کے درمیان صلح کرا دے گا۔

پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس پیش گوئی کے مطابق ہی واقع ہوا۔ حضرت علی کی شہادت کے بعد حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے عنانِ حکومت حضرت امیر معاویہ کے سپرد کر دی

اور انہوں نے حضرت حسن سے طے شدہ شرائط کو پورا کیا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث پاک میں گروہ معاویہ رضی اللہ عنہ کو مسلمانوں کے نام سے یاد فرمایا اور انہیں وصف اسلام میں گروہ حسن رضی اللہ عنہ کے مساوی قرار دیا، جو اس بات کی دلیل ہے کہ دونوں گروہوں کی اسلامی حرمت باقی رہی، اور وہ ان جنگوں کے باعث دائرہ اسلام سے خارج نہیں ہوئے۔ نہ ہی ان میں سے کسی کے ساتھ فسق یا نقص لاحق ہوا کیونکہ اس اختلاف میں ہر دو فریقوں کے پاس اپنی اپنی تاویلیں تھیں، البتہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا گروہ باغی تھا مگر یہ بغاوت فسق پر مبنی نہ تھی، کیونکہ اس کا صدور تاویل سے ہوا جس کی وجہ سے حامیانِ معاویہ رضی اللہ عنہ معذور ہیں۔ انتہی کلام ابن حجر۔

امام ابن حجر رضی اللہ عنہ نے اس کتاب میں شانِ صحابہ بالخصوص خلفائے راشدین کی فضیلت میں بہت سی احادیث نقل کی ہیں۔ انہوں نے اہل بیت کرام کے فضائل پر بھی تفصیل سے روشنی ڈالی ہے اور اس بارے میں بکثرت احادیث کا ذکر کیا ہے انہوں نے روافض کے شبہات اعتراضات اور مطاعن، جو کہ قابل اعتناء اور لائق اعتماد نہیں، ذکر کر کے بہت سے جوابات دیئے ہیں، اور کتاب کی پانچویں فصل میں اس پر تفصیلی گفتگو کی ہے۔ جس کو اس بحث کی ضرورت ہو وہ مذکورہ کتاب کی طرف مراجعت کرے، یہ کتاب طبع شدہ ہے اور آسانی سے دستیاب ہے۔

☆☆☆☆☆

۱۱۔ امام برھان الدین ابراھیم لقانی مالکی رحمتہ اللہ علیہ

امام برہان لقانی رضی اللہ عنہ قصیدہ جوہرۃ التوحید کی شرح ہدایۃ المرید میں ذیل کے شعر کی شرح میں لکھتے ہیں:

وصحبه خير القُرُوْن فاستمتع　　فتابعي فتابع لمن تبع

آپ کی صحبت سے فیض یاب ہونے والے صحابہ بہترین ہیں پھر تابعین ان کے بعد تبع تابعین۔

اس بات کا اعتقاد رکھنا ضروری ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس پر ایمان لانے والے اور آپ کی صحبت سے شرفیاب ہونے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم دیگر تمام زمانوں کے لوگوں سے افضل ہیں اور اس کی دلیل وہ احادیث ہیں جو حد تواتر تک پہنچی ہوئی ہیں، اگرچہ ان کی تفاصیل آحاد ہیں، جیسے صحیح بخاری کی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لاتسبُّوا اصحابی الخ　میرے اصحاب کو سب وشتم نہ کرو اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے تم اگر احد پہاڑ جتنا سونا راہِ خدا میں خرچ کرو تو وہ کسی صحابہ کے ایک یا نصف مدّ جو کے برابر نہیں ہوسکتا، یا مثلاً حدیث ہے:

اِنَّ اللّٰہَ اختارَ اصْحابی علی العَالَمِیْن سِوی النبیین والمرسلین　بے شک اللہ تعالیٰ نے میرے اصحاب کو سارے عالم پر فضیلت دی سوائے انبیاء و مرسلین کے۔

یا قرآن میں لَقد رضی اللّٰه علی المومنین اور والسابقون الاولون جیسی آیات آئی ہیں۔

جو شخص نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حاضری میں رہا، آپ کے ہمراہ جہاد کیا، اور آپ کے

جھنڈے تلے شہید ہوا وہ اس شخص سے افضل ہے جسے یہ رتبہ نہیں ملا، نہ اسے بارگاہ رسالت کی حاضری نصیب ہوئی اور نہ آپ کے ساتھ کسی معرکہ میں گیا یا پھر دور سے زیارت کی۔ اگرچہ تمام صحابہ کو شرف صحبت حاصل ہوا (مگر افضلیت پہلے گروہ کے لئے ہے) اور افضلیت سے مراد اکثریت ثواب ہے اس لئے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی محبت میں گھر دیئے، مدد کی، جہاد کیا اور راہ حق کی تکالیف پر صبر کیا اور جان و مال نچھاور کئے۔

وخیرھم من ولی الخلافة وامرھم فی الفضل کالخلافه

اور صحابہ میں سے افضل وہ ہیں جو سریر آرائے خلافت ہوئے اور ان کی فضیلت بھی ترتیب خلافت کے لحاظ سے ہے۔

یہ اعتقاد رکھنا واجب ہے کہ افضل الصحابہ خلفائے اربعہ یعنی حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم ہیں، اور ان کی فضیلت ترتیب خلافت سے ہے، امام ابو منصور ماتریدی فرماتے ہیں، ہمارے علماء کا اتفاق ہے کہ تمام صحابہ میں خلفائے اربعہ حسب ترتیب خلافت افضل ہیں۔ پھر بقیہ عشرہ مبشرہ پھر اہل بدر پھر اہل احد پھر اہل بیعت رضوان اور ان میں اہل عقبات اور سابقون اولون کو مزیت وفضیلت حاصل ہے۔ اھ،

چاروں خلفاء کی فضیلت میں تفاوت بہ ترتیب خلافت ہے پہلا خلیفہ سب سے افضل ہے پھر دوسرا پھر تیسرا تمام اہل سنت اور ان کے امام ابوالحسن اشعری اور امام ابو منصور ماتریدی کا اس پر اتفاق ہے۔ پس ان میں سے انبیاء کے بعد افضل ابوبکر ہیں پھر عمر ہیں پھر عثمان ہیں پھر علی ہیں یہی صحیح ہے۔ امام مالک نے بھی اس ترتیب کی طرف رجوع کر لیا تھا۔

امام سعد تفتازانی فرماتے ہیں:

علی ھذا وجدنا الخلف والسلف ہم نے خلف وسلف امت کو اسی نظریہ پر پایا۔

اور ظاہر یہ ہے کہ اگر ان کے پاس اس کی دلیل نہ ہوتی تو اس کا حکم نہ کرتے، امام سعد اس مسئلہ میں قول غزالی رحمۃ اللہ علیہ کے تابع ہیں کہ فضیلت کی حقیقت علم الٰہی میں ہے جس پر

سوائے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے کوئی آگاہ نہیں ہو سکتا اور صحابہ کرام کی تعریف میں بہ کثرت آیات و احادیث وارد ہیں۔ فضیلت کی دقیق حقیقتیں اور ترتیب انہیں لوگوں کے ادراک میں آسکتی تھیں جو وحی و تنزیل کے وقت موجود تھے، اگر وہ اس کو نہ سمجھ پائے ہوتے تو ہرگز اس ترتیب کو اختیار نہ کرتے کیونکہ وہ اس درجہ پر فائز تھے کہ کوئی چیز انہیں حق سے پھیر نہیں سکتی تھی نہ انہیں اللہ تعالیٰ کی ذات کے بارے میں کسی شخص کی ملامت متاثر کر سکتی تھی۔ اور امام تفتازانی نے شرح مقاصد میں بھی یہی قول اختیار فرمایا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جمہور عظمائے ملت اور علمائے امت نے افضلیت کے اسی معیار پر اتفاق کیا ہے اور حسن ظن یہ فیصلہ دیتا ہے کہ اگر وہ دلائل فضیلت سے آگاہ نہ ہوتے تو اس پر اتفاق اور ایکا نہ کرتے پھر امام سعد نے اس پر کتاب و سنت اور آثار و علامات میں سے تفصیلی شواہد تحریر کئے ہیں۔

(امام لقانی نے اس کے بعد مخاصمات و مشاجرات صحابہ پر وہی تبصرہ کیا ہے جو قبل ازیں متعدد ائمہ اسلام کے حوالے سے ضبط تحریر میں آچکا ہے لہذا بخوف تطویل ترک کیا جا رہا ہے) مترجم غفرلہ۔

☆☆☆☆☆

۱۲ امام سیّد مرتضیٰ الزبیدی حنفی رحمتہ اللہ علیہ

سیّد مرتضیٰ زبیدی رحمہ اللہ شرح احیاء العلوم میں فرماتے ہیں:

''روافض کا یہ کہنا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت پر نص موجود ہے یونہی زیدیوں کا دعوٰی کرنا کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے لئے نص ہے۔ باطل ہے کیونکہ اگر یہ نصیں موجود ہوتیں تو یہ حضرات اپنے حق میں پیش کرتے اور نہ ماننے والوں کے خلاف ان سے استدلال کرتے، چونکہ انہوں نے تفویض خلافت کے وقت ان نصوص سے استدلال نہیں کیا اس سے معلوم ہوا کہ کسی کے بارے میں کوئی نص موجود نہ تھی مگر اہل رفض اس بے بنیاد دعوٰی کی وجہ سے صحابہ کرام پر زبان طعن کھولنے لگے اور اس زعم فاسد میں مبتلا ہو گئے کہ صحابہ کرام نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال شریف کے بعد مخالفت نص پر اتفاق کر لیا، اور خلافت کی باگ ڈور غیر منصوص شخص کے سپرد کر دی، یوں انہوں نے حق چھوڑ کر باطل کی اعانت کی، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ''بہترین امت'' ہونے کا خطاب دیا اور انہیں لوگوں پر گواہ بنا کر ''امت عدل'' ہونے کا اعزاز بخشا۔

ان ظالموں نے یہ الزام حضرت علی اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما پر بھی رکھ دیا کیونکہ یہ بات مشہور و معروف ہے کہ ان دونوں حضرات نے علانیہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیعت کی، اگر ان کا حق ثابت تھا تو اس حق کا انکار کر کے حضرت ابوبکر گناہگار اور ظالم ٹھہرے، جو شخص اس گمان فاسد میں مبتلا ہو کہ حضرت علی المرتضیٰ نے اپنی قوت و شجاعت علم و کمال، زور قبیلہ اور کثرت پیروکاراں کے باوجود اپنا حق چھوڑ دیا اور ایک ظالم گناہگار کی پس روی اور باغی کی نصرت و حمایت کی اس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ شیر خدا کو بزدل کمزور، خدا پر بھروسہ نہ کرنے والا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، جنہوں نے منصب خلافت کی نص فرمائی، کے وعدہ پر یقین نہ رکھنے والا قرار دیا۔ یہ کیسے ہو سکتا تھا؟ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ تو دین میں

بڑے سخت تھے شجاعت و بسالت، بے خوفی، غیرت مندی اور تیغ بازی سے موسوم اور میدانِ کارزار میں فتح و کامرانی سے مشہور تھے۔ زمانہ گواہی دیتا ہے کہ آپ عرب کے نامور شہسوار اور بہادر تھے، آپ اپنے ایک عامل (گورنر) عثمان بن حنیف کو ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں:

لَوْ اِرْتَدَّتِ الْعَرَب عَنْ حقيقة احمد صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ لَخُضْتُ اِلَيْهَا حياض المنايا و لضربتهم ضربا يفضّ الهام و يرضّ العظام حتى يَحْكُمَ اللّٰهُ بَيْنَنِي وَ بَيْنَهُمْ وَ هُوَ خَيْرُ الْحَاكِمِيْنَ

اگر اہل عرب حقیقت و حقانیت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کر دیتے تو میں ان کی طرف ہلاکتوں میں کود پڑتا ان کی کھوپڑیوں پر مارتا اور ان کی ہڈیاں چور چور کر دیتا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ان کے اور میرے درمیان فیصلہ کر دیتا اور وہ بہترین فیصلہ کرنے والا ہے۔

اگر آپ کے علم میں ہوتا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے حق میں یا آپ کے چچا عباس رضی اللہ عنہ کے حق میں کوئی نص فرمائی ہے اور دوسرے کا امر خلافت میں کوئی حق نہیں تو آپ ہرگز دوسرے کے سامنے سر اطاعت خم نہ کرتے بلکہ تلوار بے نیام کر کے میدان کارزار میں اتر آتے اور اپنا یا اپنے چچا کا حق طلب کرتے اور اس مزعومہ ذلت اور رسوائی پر راضی نہ ہوتے اور ظلم پر کسی کے ساتھ متفق نہ ہوتے نہ اس کے امور مملکت میں بیعت کرتے، نہ اسے خلیفۂ رسول قرار دیتے۔ اسی طرح اس کے بعد مسند خلافت پر بیٹھنے والے شخص کی کاروبار حکومت میں مدد نہ کرتے اور نہ ہی اسے اپنی بیٹی کا رشتہ دیتے۔ کیونکہ وہ تو (بقول روافض) حق غصب کرنے کی وجہ سے ظالم اور نص رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کرنے کے باعث اللہ تعالیٰ کا نافرمان تھا۔ اس لئے ضروری تھا کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اس سے نبرد آزما ہوتے اور اس طرح تلوار بے نیام کرتے جس طرح اپنے عہد خلافت میں خارجیوں کے خلاف بے نیام کی، بلکہ اس وقت تو زیادہ مناسب اور برمحل تھا کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا عہد مبارک بہت قریب تھا۔ یہ بھی روایت ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت

• علی رضی اللہ عنہ سے کہا تھا۔

''ہاتھ بڑھایئے میں بیعت کرتا ہوں یہاں تک کہ لوگ کہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا نے رسول اللہ کے چچازاد کے ہاتھ پر بیعت کر لی ہے۔ پھر دو آدمی بھی آپ سے اختلاف نہیں کریں گے۔''

ادھر حضرت زبیر اور حضرت ابوسفیان بھی حضرت ابوبکر کی امامت سے خوش نہ تھے اور انصار بھی ایک امیر مہاجرین سے ایک انصار کا نعرہ بلند کر چکے تھے۔ اس کے باوجود حضرت علی نے اپنے حق کا مطالبہ کیا نہ اس کے حصول کے لئے تلوار نکالی یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ان کے علم میں کسی شخص کے لئے نص خلافت نہ تھی، نہ ان کے لئے، نہ کسی اور کے لئے۔

اس کے برعکس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کئی وجوہات کے پیش نظر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت و امامت پر اتفاق و اجماع کر لیا۔ یہ وجوہات حسب ذیل ہیں:

۱۔ امامت نماز سے استدلال:

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو حکم دیا کہ وہ حضرت ابوبکر کو کہیں کہ وہ نماز کی امامت کرائیں۔ چونکہ نماز ارکان دین میں سے ایک بہت بڑا رکن ہے اس لئے انہوں نے اس سے دلیل پکڑی کہ وہ منصب خلافت کے زیادہ حقدار ہیں۔ اسی لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے خطاب کرتے ہوئے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہماری دینی قیادت کے آپ کو پسند کیا ہم اپنی دنیاوی قیادت و امامت کے لئے آپ کو کیوں پسند نہ کریں؟

۲۔ فریضۂ حج کی قیادت:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی مصروفیت کی بناء پر ۹ھ کے حج کے مناسک ادا کرنے کی ذمہ داری حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو سونپی۔

۳۔ لطفِ خداوندی:

لطیف وخبیر پروردگار نے حضور کی امت اور آپ کے غلاموں پر نظر کرم فرمائی پس ان کی مختلف خواہشات اور مضطرب آراء کو ایک ایسے قرشی بزرگ پر جمع کر دیا جو بہادر تھا علم دیانت، دینی صلابت، بے خوفی اور حربی مہارت سے متصف اور لشکر کشی اور عوامی سیاست کے فن سے بخوبی واقف تھا۔ بلکہ علم وفضل میں سب سے بڑھ کر، عقل میں زیادہ، تدبیر میں سب سے پختہ، خطرات میں انتہائی مضبوط دل، دشمنان خدا کے مقابلے میں بہت سخت، سب سے زیادہ قابل اعتماد رہنما پاکیزہ نفسی میں فزوں تر مخلوق کے لئے سب سے زیادہ نفع رساں، فحش باتوں سے بہت دور، قبائح سے عزت کو محفوظ رکھنے والا، بہت زیادہ سخی اور اپنے مال کو ذاتِ الٰہی کے لئے نچھاور کرنے والا تھا اور اجماعِ امت ایسی حجت ہے جو قطعی اور یقینی علم کی موجب ہے، انتہی کلام السید مرتضٰی۔

یہاں چاروں مذاہب اہل سنت کے نامور آئمہ کے کلام سے اسی قدر تحریر کرنا مقصود تھا، میرا خیال ہے کہ تکمیل فائدہ کے لئے اپنی کتاب ''الشرف المؤبد'' کے آخر میں آنے والی عبارت کو معمولی اضافے کے ساتھ نقل کردوں تاکہ اس کے اہم فوائد سے محرومی نہ رہے۔

''میرے قاصر ذہن میں اہل سنت (جو صحابہ واہل بیت کی محبت کے جامع ہیں) کے مذہب کی تائید، اور گمراہ رافضیوں، (جو صحابہ واہل بیت کے درمیان اختلاف کے قائل ہیں) کے مذہب کی تردید کے لئے ایک زبردست دلیل اور لطیف بات آئی ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے تمام ثابت شدہ فضائل درحقیقت اہل بیت عظام رضی اللہ عنہم ہی کے فضائل ہیں اور یہ فضیلت اس فضیلت کے علاوہ ہے جو انہیں بارگاہِ رسالت کی نسبت سے ملی ہے۔ کیونکہ وہ اہل بیت کرام کے جداعظم نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ ہیں، کسی اور نبی کے اصحاب نہیں، وہ اگرچہ اپنی جگہ بہت عالم فاضل ہوں اور ہر اچھے وصف کے حامل ہوں مگر ان کی افضلیت کا اصل راز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت ہے، کسی عامل کا عمل اور مجتہد کا اجتہاد

اس کمال کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ انہوں نے بارگاہِ رسالت سے انوار و اسرار حاصل کئے اور حتی المقدور جان و مال کے نذرانے دیئے اور باپ بیٹے ذاتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان کئے ان میں سے کثیر تعداد آپ کے سامنے جانبازی کے لئے لڑائیوں میں اتری اور موت کو گلے لگایا۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا دین مبین غالب ہوا اور پوری دنیا میں اس کے پھریرے اڑنے لگے۔

ورنہ ہم دیکھتے ہیں کہ بہت سے تابعین اور تبع تابعین جو علم، عبادت زہد و تقویٰ اور جہاد و قتال میں صغار صحابہ، جنہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طویل صحبت نصیب نہ ہوئی اور جو بہت سے قابل فخر مقامات اور کامیاب غزوات میں حضور کے ہم رکاب نہ ہوئے، سے بڑھ کر تھے، اس کے باوجود گروہ صحابہ میں ایک کمتر درجے کا صحابی بھی تمام تابعین اور قیامت تک آنے والے لوگوں سے افضل ہے، حاصل کلام یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس تمام کمالات کی اساس اور جملہ فضائل کی اصل ہے اور صحابہ کرام کی فضیلت اسی سرچشمہ سے ماخوذ و مستفاد ہے۔

اسی طرح اہل بیت کرام کے تمام فضائل صحابہ کرام کے فضائل ہیں اور یہ فضائل شرف صحبت کے علاوہ ہیں کیونکہ انہیں اولاد رسول ہونے کا بھی اعزاز حاصل ہے اور وہ اس نبی کی اولاد ہیں جس نے صحابہ کرام کو شرک کی تاریکیوں سے نکال کر انوارِ توحید سے منور کیا اور وہ آپ کے طفیل ہی دنیاوی سیادت اور ابدی سعادت سے شرف یاب ہوئے۔ حضور کی اولاد آپ کے جگر گوشے ہیں تو جس طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی فضیلت آپ کی مرہون منت ہے اسی طرح آپ کی ذریت طاہرہ کی فضیلت بھی آپ سے مستفاد ہے۔

معلوم ہوا دونوں فضیلتوں کا سرچشمہ حضور کی ذات اقدس ہے وہ ایک ہی اصل کی دو شاخیں ہیں اس لئے جو مدح یا ذم ایک کو حاصل ہوگی وہ لا محالہ دوسرے کو بھی پہنچے گی، پس لعنت ہو ایسے شخص پر جو صحابہ کرام اور اہل بیت عظام کے درمیان تفریق روا رکھے ایک سے محبت

کرے اور دوسرے سے دشمنی رکھے۔ کیونکہ ان میں سے ایک کی دشمنی اور دوسرے کی جبداری فائدہ نہ دے گی، ایسا شخص اللہ تعالیٰ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھ محبت رکھنے والوں کا دشمن شمار ہوگا۔

حضرت سیدنا زید بن علی زین العابدین رضی اللہ عنہما کے طرز عمل پر غور کرو، جب انہوں نے اموی خلیفہ ہشام بن عبدالملک کے خلاف خروج کیا تو اس وقت بہت سے کوفیوں نے آپ کی بیعت کی اور مطالبہ کیا کہ آپ شیخین یعنی حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما سے اظہار برأت کریں، تب ہم آپ کی مدد کریں گے، فرمایا ایسا نہیں ہوسکتا میں ان دونوں سے محبت رکھتا ہوں، اہل کوفہ نے کہا ہم آپ کی مدد سے دستکش ہوکر آپ کو تنہا چھوڑ دیں گے، فرمایا جاؤ تم رافضی ہو (یعنی چھوڑنے والے) اسی وجہ سے ان کا نام رافضی ہوا۔ ایک اور گروہ آیا اس نے کہا ہم ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما سے محبت کرتے ہیں۔ اور جو ان سے بیزاری کا اعلان کرے ہمارا اس سے کوئی تعلق نہیں، آپ نے انہیں قبول فرمایا اور انہوں نے جنگ میں حصہ لیا۔ اس گروہ کا نام زیدیہ پڑا مگر بعد میں ان کی نالائق اولاد نے حضرت زید کا مذہب چھوڑ دیا اور صرف نام کے زیدیہ رہ گئے۔

جو شخص دنیا و آخرت کی سعادت چاہتا ہے اسے لازم ہے کہ صحابہ و اہل بیت سے محبت رکھے اور اس سلسلے میں شرعی راستہ اپنائے اور سلف وخلف کے طریقے سے انحراف نہ کرے یہی اہل سنت کا مذہب اور رہنمایان ملت کا طریقہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اسی طریقے پر قائم رکھے۔

ایک سوال: آپ کہتے ہیں کہ اہل بیت کرام اور صحابہ رضوان اللہ علیہم ایک اصل کی دو فرعیں ہیں اور آپ کے بیان کرنے کا جو انداز ہے اس سے تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ذریت پاک صحابہ کرام سے افضل ہے۔

جواب: ہاں ذریت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی مقام ہے مگر ہر لحاظ سے نہیں اور یہ ایسی حقیقت ہے جس میں کسی صاحب عقل کو شبہ نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ ذریت پاک اس اعتبار سے

مطلقاً تمام جہان پر فضیلت رکھتی ہے کیونکہ یہ فضیلت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس کی طرف راجع ہوتی ہے۔ کسی اہل ایمان کو شک نہیں ہو سکتا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تمام مخلوق سے افضل ہیں۔ اور اولادِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت کا بھی یہی مفہوم ہے کہ ان کے جدِ امجد محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر جد سے افضل ہیں۔ کیا اس بارے میں کسی مومن کو شبہ ہو سکتا ہے؟ اسی لئے امام سبکی وغیرہ آئمہ نے حضرت فاطمہ زہراء رضی اللہ عنہا کے بارے میں فرمایا۔

''ہم جگر گوشۂ رسول فاطمۃ الزہراء پر کسی کو فضیلت نہیں دیتے۔''

تم نے دیکھا کہ ان آئمہ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی جزئیت کا ذکر کیا ہے۔ جس سے ان کی حضرت خدیجۃ الکبریٰ، حضرت مریم اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہن پر فضیلت ظاہر ہوتی ہے۔ انہوں نے یہ نہیں کہا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی زوجہ محترمہ یا حسنین کریمین کی والدہ ماجدہ، یا دیگر اوصاف شریفہ سے متصف ذات پر فضیلت نہیں دیتے، اور یہ جزئیت تو حضور کی تمام اولاد و بنات میں پائی جاتی ہے۔ اولاد فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کو تو آپ سے خصوصی نسبت ہے۔ اس حیثیت سے وہ تمام لوگوں سے افضل ہیں۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی تمام صحابہ اور شیخین پر فضیلت کی تصریح علامہ شمس الدین علقمی نے کی۔ امام مناوی فرماتے ہیں فاطمۃ الزہراء بہ لحاظ جزئیت افضل ہیں۔

وہ کہتے ہیں شیخین کریمین بلکہ خلفائے اربعہ علم و معرفت اور اسلام کی سربلندی کے حوالے سے حضرت فاطمہ پر فضیلت رکھتے ہیں۔ اسی لئے علامہ لقانی نے شرح جوہرہ میں خلفائے اربعہ کو تمام لوگوں پر فضیلت دے کر فرمایا کہ یہ حکم ذریت طاہرہ کے لحاظ سے مشکل نہ سمجھا جائے۔ کیونکہ صحابہ کرام کی یہ فضیلت جزئیت کی وجہ سے نہیں ہے۔ جزئیت کے اعتبار سے اولادِ رسول افضل ہے۔ اس حقیقت کو سمجھو اور اہل بیت عظام کے مقام و مرتبہ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ فضیلت اور خصوصی شرف قربت کو پہچان لو۔

ایک شاعر شاید سیّدی محی الدین بن عربی رحمہ اللہ نے اس بارے میں یہ خوبصورت اشعار کہے۔

هُمُ الْقَوْمُ مَنْ اَصْفَاهُمُ الْوُدَّ مُخْلِصًا
تَمَسَّکَ فِیْ اُخْرَاهُ بِالسَّبَبِ الْاَقْوٰی

یہ وہ لوگ ہیں کہ جس نے ان سے مخلصانہ محبت کی اس نے آخرت میں مضبوط سہارا تھام لیا۔

هُمُ الْقَوْمُ فَاقُوا الْعَالَمِیْنَ مَنَاقِبًا
مَحَاسِنُهُمْ تُحْکٰی رَوَایَا تُهُمْ تَرْوٰی

یہ وہ لوگ ہیں جو فضائل و مناقب میں سارے جہان سے بلند ہیں ان کے محاسن بیان کئے جاتے ہیں اور علامتیں روایت کی جاتی ہیں۔

مَوَالَاتُهُمْ فَرْضٌ وَحُبُّهُمْ هُدٰی وَطَاعَتَهُمْ
وُدٌّ وَوُدَّهُمْ تَقْوٰی

ان کی موالات فرض ہے اور ان کی محبت ہدایت ہے ان کی فرمانبرداری محبت ہے اور یہی محبت اصل تقویٰ ہے۔

اسعاف میں فرمایا:

قابل تعریف اور معتبر محبت وہ ہے جو ان کے پسندیدہ طریقوں کی پیروی کے ساتھ ہو کیونکہ پسندیدہ طریقوں کی پیروی کے بغیر خالی محبت کا دعویٰ۔ جیسا کہ شیعہ اور رافضہ کا گمان ہے۔ کسی مدعی محبت کو فائدہ نہ دے گا بلکہ دنیا و آخرت میں وبال و عذاب کا باعث ہوگا۔ کیونکہ محبت کی حقیقت یہ ہے کہ محبوب کی طرف میلان و رغبت ہو۔ اس کی محبوب اور پسندیدہ چیزوں کو اپنے نفس کی مرغوب چیزوں پر ترجیح دی جائے۔ اس کے آداب و اخلاق کو اپنایا جائے اسی لئے حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا میری محبت اور ابوبکر و عمر کی عداوت جمع نہیں ہو سکتی کیونکہ یہ دونوں ضدیں ہیں جن کا جمع ہونا ممکن نہیں۔

امام دارقطنی مرفوعاً بیان کرتے ہیں کہ حضور نے فرمایا اے ابوالحسن! تم اور تمہارے حامی اور محبّ جنت میں ہوں گے۔ اور کچھ لوگ گمان کریں گے کہ وہ تم سے محبت رکھتے ہیں۔ وہ

اسلام کی تحقیر کریں گے اور اسے چھوڑ کر یوں نکل جائیں گے جس طرح تیر کمان سے نکل جاتا ہے ان کا ایک بُرا لقب ہے انہیں رافضی کہا جائے گا۔ جب انہیں پاؤ تو ان سے قتال کرو کیونکہ وہ مشرک ہیں۔ امام دار قطنی فرماتے ہیں یہ روایت ہم تک متعدد سندوں سے پہنچی ہے۔ اھ

صاحب اسعاف کے قول ''شیعہ اور روافض'' سے مراد غالی شیعہ ہیں۔ یہ ایک مرادف لفظ کا دوسرے مرادف لفظ پر عطف ہے۔ یا یہ عطف تفسیری ہے۔ وہ شیعہ اور محبین جو اہل بیت کی صحابہ کرام سے محبت کے طریقے سے الگ نہیں ہوئے۔ وہ بہترین لوگ ہیں۔ اور ہر عیب اور عار سے محفوظ ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد ''اے علی تم اور تمہارے شیعہ (محبین) جنت میں ہوں گے'' سے یہی لوگ مراد ہیں۔

امام موسیٰ بن علی بن حسین بن علی رضی اللہ عنہم ایک صاحب فضیلت بزرگ تھے۔ وہ اپنے والد امام زین العابدین سے اور وہ اپنے جد امجد امام حسین رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔ ''ہمارے شیعہ اور حبدار وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کریں اور اصحاب علی کی طرح ہمارے طور طریقے اپنائیں۔ اصحاب علی وہ تھے جنہوں نے آپ کی امداد کی۔ وہ جنگ جمل، جنگ صفین اور جنگ نہروان جیسے خوفناک حربی معرکوں میں آپ کے شانہ بشانہ رہے۔ ان جنگوں میں حضرت علی رضی اللہ عنہ مصیب تھے اور آپ کے مدِّ مقابل اجتہادی خطا پر تھے، خوارج کے علاوہ تمام ہدایت پر تھے۔ کیونکہ وہ طلب حق کے لئے کوشاں تھے البتہ خوارج میں ایسے لوگ تھے جنہوں نے کفر اور فسق و فجور کا ارتکاب کیا۔ وہ بدبخت مسئلہ تحکیم کی وجہ سے حضرت علی اور بہت سے صحابہ اور دیگر مسلمانوں کو کافر قرار دیتے تھے۔ امام طبری اور سبکی وغیرہ آئمہ خوارج کی تکفیر کے قائل ہیں جیسا کہ امام شہاب الدین خفاجی نے شرح الشفاء میں ذکر کیا۔ البتہ امام نخعی اور ایک جماعت فقہاء کا مذہب عدم تکفیر ہے۔

امام رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''میں اہل قبلہ میں سے کسی کی تکفیر نہیں کرتا سوائے خطابیہ کے۔ جیسا کہ امام نووی نے

روضہ میں بیان کیا اور امام خفاجی نے شرح الشفاء میں اس کا حوالہ دیا۔ شیعہ کا ایک اور گروہ ہے جسے مفضلہ یعنی تفضیلی شیعہ کہتے ہیں وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو تمام صحابہ پر تفضیل دیتے ہیں مگر ساتھ ہی صحابہ کی فضیلت وعدالت کا عقیدہ رکھتے ہیں نیز اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ شرف اور بلند مرتبہ کا اعتراف کرتے ہیں۔ یہ لوگ اگرچہ تفضیل شیخین کے اجماعی عقیدے کے خلاف ہیں مگر ان کے عقیدے میں کوئی بڑی خرابی نہیں بس ہلکی سی بدعت کے مرتکب ہیں۔ امام جلال الدین سیوطی نے ان کا ذکر فرمایا مگر ان کے عقیدے میں طعن نہیں کیا، اور امام ذہبی سے منقول ہے کہ وہ عدول اور ثقہ ہیں ان کی روایت مقبول ہے اور شہادت قابل اعتراض نہیں۔ حالانکہ امام ذہبی نے رجال حدیث میں اس قدر باریک بینی سے کام لیا کہ انہوں نے بعض ایسے لوگوں پر طعن کیا جن کی دوسرے محدثین نے توثیق کی ہے۔ بقول امام ذہبی سے بہت سے سلف وخلف کا اسی گروہ تفضیل سے تعلق تھا۔ کتابوں میں جب شیعہ کا لفظ بغیر کسی قید کے بولا جائے تو اس سے یہی لوگ مراد ہوں گے جب تک یہ نہ کہا جائے کہ فلاں شخص غالی شیعہ ہے یا فلاں گروہ غالیوں کا ہے۔ شرح الاحیاء میں بحوالہ کتاب قوت القلوب امام ابوطالب مکی منقول ہے کہ امام احمد بن حنبل، عبداللہ بن موسیٰ الکاظم سے بکثرت روایات لیتے تھے۔ پھر جب ان کی معمولی بدعت کی خبر پہنچی اور معلوم ہوا کہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر فضیلت دیتے ہیں تو ان سے منقول تمام روایات پھاڑ ڈالیں اور ان سے کچھ آگے روایت نہ کیا۔

جہاں تک روافض کا تعلق ہے ان میں سے کچھ کافر ہیں اور کچھ فاسق۔ کیونکہ انہوں نے بہت سے صحابہ کی محبت ترک کردی۔ ان میں کافر وہ ہیں جو ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر طعن کرتے ہیں۔ اور آپ کے والد ماجد جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی صحابیت کا انکار کرتے ہیں۔

علامہ شعرانی کی اس عبارت سے تم کو شبہ نہیں ہونا چاہئے جو ہم عنقریب نقل کریں گے کہ روافض سے مراد تفضیلی شیعہ ہیں۔

آپ اپنی کتاب ''اخھو ذ'' میں فرماتے ہیں۔

''ہم سے عہد لیا گیا ہے کہ ہم ان روافض کو گالی نہ دیں جو محبت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو شیخین پر ترجیح دیتے ہیں۔ اور یہ ان روافض کی بات نہیں جو شیخین کریمین کو گالیاں دیتے ہیں۔ خصوصاً جب کہ تفضیل کے قائل اولاد فاطمہ رضی اللہ عنہا کے اشراف ہوں یا اہل قرآن میں سے ہوں۔ میرے بھائی! یوں نہ کہہ کہ فلاں رافضی کتا ہے کیونکہ یہ نامناسب ہے۔ ہمارا عقیدہ ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ اور حضرات حسنین رضی اللہ عنہم اور ان کی اولاد کی محبت میں غلو نص قرآنی سے مطلوب ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قُلْ لَّا اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى — کہو میں تم سے تبلیغ رسالت پر کوئی اجر طلب نہیں کرتا سوائے رشتہ داروں کی محبت کے۔

اور ودّ کا معنیٰ ہے محبت پر ثابت قدمی اور دوام، لہذا ہم اس شخص کو گالی دینے سے زبان روکیں گے جو اپنے جدّ امجد حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دوسروں پر محبت میں ترجیح دے۔ جب تک کہ نصوص کی مخالفت نہ کرے۔ کیونکہ انسان کا اپنے اجداد کی محبت میں غلو بہت ہے۔

اہل علم میں واقع ہے چہ جائیکہ سادات میں سے کوئی عام فرد اپنے اجداد کو فضیلت دے اسی لئے کہتے ہیں کہ ایسے سیّد سنی کم ہیں جو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ پر ترجیح دیتے ہیں ''امام شافعی'' فرمایا کرتے تھے:

''اگر آل محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی محبت رفض ہے تو جن وانس گواہ ہو جائیں کہ میں رافضی ہوں۔''

اے بھائی! ہر اس شخص کو معذور جان جس کے بارے میں ایسا شبہ قائم ہو، جو دین کے صریح اصولوں کے خلاف نہ ہو۔ مثلاً حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے شرفِ صحابیت یا برأت عائشہ صدیقہ کا انکار کرنا، جہاں تک روافض کا تعلق ہے ان کا معاملہ اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دو، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان کا فیصلہ کرے گا۔ امام شعرانی کا کلام ختم ہوا۔ یہ ایک عارف کبیر اور منصف خبیر کا کلام ہے اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو اور ہمیں اس سے نفع عطا فرمائے۔

امام شعرانی رحمہ اللہ کا یہ ارشاد کہ:

''سید کا سنی ہونا بہت نادر ہے۔''

یہ حقیقی رافضی کے مقابل نہیں ہے بلکہ تفضیلی شیعہ کے مقابل ہے اسی لئے اس کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا:

''وہ سید سنی کم ہیں جو حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کو حضرت علی رضی اللہ عنہ پر ترجیح دیتے ہیں رافضی تو مطلقاً شیخین کی کوئی فضیلت نہیں مانتا بلکہ انہیں نامناسب اوصاف سے متصف قرار دیتا ہے۔ خدا کی پناہ کہ کوئی شخص جس کی نسبت حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہو ایسے کلمات منہ سے نکالے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ وہ سید کم ہیں جو شیخین کو حضرت علی رضی اللہ عنہ پر فضیلت دیتے ہوں اور اکثر سنی سادات شیخین اور صحابہ سے محبت رکھنے کے باوجود شیخین کی تقدیم و فضیلت کے قائل نہیں ہیں۔ اس سے ان کے دین میں کوئی ضرر واقع نہیں ہوتا۔ خصوصاً جبکہ وہ محبت کی بناء پر حضرت علی کو ترجیح دیتے ہوں نہ کہ تفضیل کی وجہ سے۔ امام شعرانی کی اس عبارت کو اسی معنٰی پر محمول کرنا چاہئے۔ اشرف المؤبد کی عبارت معمولی زیادتی کے ساتھ مکمل ہوئی۔ واللہ تعالیٰ سبحانہ اعلم۔

امام شعرانی کی اس عبارت کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ اکثر سادات اگرچہ طبعی محبت کی وجہ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرات شیخین پر ترجیح دیتے ہیں مگر وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو شیخین سے افضل نہیں جانتے۔ جیسا کہ مذہب اہل سنت سے وابستہ سادات یا علوی کا طرز عمل ہے وہ شیخین رضی اللہ عنہما کو اپنے جدّ امجد حضرت علی رضی اللہ عنہ سے افضل سمجھتے ہیں اور یہ بات ان کی کتابوں سے ظاہر ہے۔ وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ان پر طبعی تقاضہ کے مقابلہ میں شریعت کا التزام غالب ہے۔ اور اس میں کوئی تعجب کی بات بھی نہیں۔ کیونکہ یہ سادات اپنے جدّ امجد حضرت علی رضی اللہ عنہ پر انبیاء و مرسلین کو مطلقاً فضیلت دیتے ہیں اور یہ بات ان کی شریعت کی پیروی اور خواہشات نفس کی مخالفت پر دلالت کرتی ہے۔ چونکہ اہل سنت و جماعت کا

افضلیت شیخین پر اجماع ہے اس لئے پیروی شریعت اور سلامتی دین کا تقاضا ہے کہ شیخین رضی اللہ عنہما کو حضرت علی رضی اللہ عنہ پر فضیلت دی جائے۔ آل اطہار کے لئے تو زیادہ سزاوار ہے کہ وہ اس حق مبین کی اتباع کریں۔ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو اور ہمیں ان کی برکتوں سے نفع دے۔

امام قسطلانی رحمہ اللہ مواہب اللدنیہ میں فرماتے ہیں:

''اگر تم یہ سوال کرو کہ جو شخص ترتیب خلافت کے مطابق خلفائے اربعہ کی افضلیت کا اعتقاد رکھتا ہو۔ مگر اس کی محبت ان میں سے کسی کے لئے زیادہ ہو۔ کیا وہ اس سے گناہ گار ہوگا یا نہیں ہوگا؟

شیخ الاسلام امام ولی ابن عراقی نے اس کا جواب دیتے ہوئے فرمایا:

''محبت کبھی دینی کام کے لئے ہوتی ہے اور کبھی دنیوی غرض کے لئے۔ دینی محبت ہو تو افضلیت کو لازم ہے اس لئے جو افضل ہو اس کے لئے ہماری دینی محبت زیادہ ہوگی۔ اور جب ہمارے کسی کے بارے میں عقیدہ ہو کہ وہ افضل ہے پھر دینی جہت سے کسی اور کو محبت میں ترجیح دیں تو یہ تناقض ہوگا۔ البتہ رشتہ داری احسان وغیرہ دنیوی امور میں افضل کی بجائے غیر افضل سے زیادہ محبت کریں تو تناقض نہ ہوگا اور نہ ہی یہ ممتنع ہے۔ اس لئے جو آدمی اعتراف کرے کہ امت محمدیہ میں حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد افضل ابوبکر ہیں پھر عمر ہیں پھر عثمان ہیں پھر علی ہیں مگر وہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے زیادہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے محبت کرے۔ تو دیکھا جائے گا کہ اس کی یہ محبت دینی ہے یا دنیوی؟ دینی محبت کا تقاضا ہے کہ افضل سے زیادہ محبت کی جائے جیسا کہ ہم نے ثابت کیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس شخص نے صرف زبان سے افضلیت صدیق اکبر کا اعتراف کیا ہے دل میں وہ حضرت علی کو افضل جانتا ہے اور یہ صحیح نہیں اور اگر وہ محبت دنیوی محبت ہے مثلاً وہ شخص حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے ہے یا کسی اور وجہ سے زیادہ محبت کرتا ہے تو ایسی محبت ممنوع نہیں واللہ اعلم اھ

اس فتویٰ کو امام ابن حجر رحمہ اللہ نے الصواعق میں بھی نقل کیا ہے۔ اس کے ساتھ پہلی قسم انتہاء کو پہنچی۔ اس کے بعد دوسری قسم آرہی ہے۔

☆☆☆☆☆

قسم دوم

اس قسم میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بالخصوص خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کی فضیلت پر ایسی نفیس عبارات سے استدلال کیا گیا ہے جو آیات قرآنیہ، احادیث نبویہ اور اقوال ائمہ پر مبنی ہیں، ان عبارات قرآنیہ احادیث نبویہ اور اقوال آئمہ پر مبنی ہیں، ان عبارات سے ہر وہ شخص مطمئن ہو جائے گا جس کے نزدیک اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ اور اتباعِ شریعت کی کچھ اہمیت ہے، خواہ وہ سنی ہو یا شیعہ، مگر توفیق ہدایت صرف بارگاہِ ربوبیت سے عطا ہوتی ہے۔

اے توحید و رسالت کے ماننے والو! یقین رکھو کہ ہم مسلمانوں کا نصب العین اور مقصد وحید اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مقبول ﷺ پر ایمان لانا اور ان کی فرمانبرداری کرنا ہے اور ہر اس چیز کو تسلیم کرنا ہے جو بندے کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی رضا کے قریب کرتی ہے مقصود اصلی اللہ تعالیٰ کی رضا ہے، نبی اکرم ﷺ کی رضا تابع ہے پس جو کوئی اللہ تعالیٰ کو ناراض اور ناخوش رکھتا ہے، وہ رسول اللہ ﷺ کو ناراض اور ناخوش رکھتا ہے اور جو اسے راضی کرتا ہے وہ حضور ﷺ کو بھی راضی کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے محبوب کی رضا اور عدم رضا باہم لازم و ملزوم ہیں، اسی لئے قرآن حکیم کے بکثرت مقامات پر رسول اللہ ﷺ کا ذکر پاک اللہ تعالیٰ کے ذکر شریف کے ساتھ آیا ہے۔ مثلاً فرمایا:

۱) مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ٥ — جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی۔

۲) وَاللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ احق اَنْ یُرْضُوهُ٥ — اور اللہ اور اس کا رسول زیادہ حق رکھتے ہیں کہ انہیں راضی کیا جائے۔

۳) اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ٥ — ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول پر۔

اسی طرح دیگر آیات میں اللہ تعالیٰ اور نبی اکرم ﷺ کا ذکر گرامی یکجا ہوا ہے، اگرچہ اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی اطاعت اصل الاصول ہے اور حضور کی ذات و اطاعت تابع ہے۔

اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو اس لئے پیدا فرمایا کہ اس کی معرفت حاصل کرے اور اس کی عبادت کرے، تمام رسولوں خصوصاً سردار رسل حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی بعثت کی غرض و غایت یہ ہے کہ لوگ ان کے ذریعے معرفت الٰہیہ سے شرفیاب ہوں اور بارگاہ ربوبیت میں سرنیاز جھکائیں، یہ بات بھی پوشیدہ نہیں کہ ساری مخلوق اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ ہے مگر اس کے نزدیک زیادہ محبوب و مقرب وہ ہے جو زیادہ معرفت کا حامل اور تابعدار ہے اور اس کے رسولوں کے مشن کی زیادہ تائید و تصدیق کرنے والا ہے، اس بات کی شہادت قرآن حکیم کی اس آیت کریمہ سے ملتی ہے۔

وَجَعَلْنٰکُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقَاکُمْ

(الحجرات ۱۳)

اور تمہیں شاخیں اور قبیلے کیا کہ آپس میں پہچان رکھو۔ بیشک اللہ کے یہاں تم میں زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں زیادہ پرہیزگار ہے۔

نبی اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے۔

لَا فَضْلَ لِعَرَبِیٍّ عَلٰی عَجَمِیٍّ وَّلَا لِعَجَمِی عَلٰی عَرَبِیٍّ اِلَّا بِالتَّقْوٰی

کسی بھی عربی کو عجمی پر کوئی فضیلت نہیں اور نہ کسی عجمی کو عربی پر مگر تقویٰ کے ساتھ۔

ایک اور مقام پر فرمایا:

یَا فَاطِمَۃُ بِنْتُ رَسُوْلِ اللّٰہِ لَا اُغْنِیْ عَنْکِ مِنَ اللّٰہِ شَیْئًا یَا بَنِیْ عَبْدَ الْمُطَّلِبِ لَا اُغْنِیْ عَنْکُمْ مِنَ اللّٰہِ شَیْئًا وَلٰکِنْ لَکُمْ رَحِمٌ سابلها ببلاها

اے فاطمہ بنت رسول اللہ! میں تمہارے کچھ کام نہ آسکوں گا اے صفیہ! رسول اللہ کی پھوپھی! میں تمہیں بچا نہ سکوں گا، اے اولاد عبد المطلب! میں تمہارے لئے کچھ کر نہ سکوں گا، ہاں! میرا تمہارے ساتھ رشتہ ہے جس کا مجھے لحاظ ہے اور میں صلہ رحمی کروں گا۔

البتہ! یہ بات بھی شک وشبہ سے بالا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے ساتھ تعلق انہیں عظیم نفع دے گا جس پر بکثرت احادیث دلالت کرتی ہیں، ان میں سے ایک یہی حدیث ہے جو سطور بالا میں گزری ہے، سابلھا ببلا ھا یعنی میں اپنے رشتہ داروں سے صلہ رحمی کروں گا۔

ایک اور ارشاد ہے:

كُلُّ نَسَبٍ وَ سَبَبٍ يَنْقَطِعُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِلَّا نَسَبِي وَسَبَبِي — روز قیامت ہر نسب و سبب کٹ جائے گا سوائے میرے نسب اور تعلق کے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى (والضحیٰ) — عنقریب تجھے تیرا رب اتنا عطا کرے گا کہ تو راضی ہو جائے گا۔

اور یہ حقیقت ہے کہ حضور اپنے رشتہ داروں کی سعادت کے بغیر راضی نہ ہوں گے اور یہ فرمانا کہ میں تمہارے کام نہ آسکوں گا۔ از راہِ تواضع ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سوائے اس کی رضا کے کوئی کام نہیں آسکتا، وہ حاکم مطلق ہے اور اس کے ملک واقتدار میں کوئی شریک نہیں، اس کا ارشاد گرامی ہے۔

مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗ اِلَّا بِاِذْنِهٖ — کون ہے جو اس کی بارگاہ میں سفارش کرے سوائے اس کی اجازت اور اذن کے۔

اللہ تعالیٰ نبی اکرم ﷺ کو اپنے رشتہ داروں اور عام لوگوں کے حق میں شفاعت کی اجازت عطا فرمائے گا اور حضور چونکہ سب لوگوں سے زیادہ کریم الاخلاق ہیں، لہذا اپنے اعزہ واقارب کے حق میں خصوصی شفاعت فرمائیں گے، یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ آپ منصب شفاعت پر فائز ہوں اور سب لوگوں کی شفاعت کریں مگر اپنے اہل ایمان رشتہ داروں کو نعمت شفاعت سے محروم رکھیں؟ کوئی عقلمند شخص اس کا تصور بھی نہیں کرسکتا۔

دراصل مذکورہ بالا ارشاد کا مقصد رشتہ داروں کو کثرتِ طاعات کی ترغیب دینا ہے، تاکہ وہ

اعلیٰ نسبت وقرابت پر تکیہ نہ کر بیٹھیں اور عبادت الٰہی میں غفلت اور کوتاہی نہ کرنے لگیں اور یہ بات حضور ﷺ کی اپنے اہل بیت سے شدید محبت وشفقت کی آئینہ دار ہے، کیونکہ یہ بات حضور سے پوشیدہ نہ تھی کہ نیک اعمال کے بغیر صرف نسبت وقرابت کے سہارے وہ جنت کے اعلیٰ مقامات تک پہنچ نہیں پائیں گے اور دیگر اتقیائے امت ان سے سبقت لے جائیں گے جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:

اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقَاکُمْ — بے شک تم میں سے زیادہ عزت مند وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے۔

ہاں! شرف ایمان کے بعد یہ پاکیزہ نسبت اہل بیت نبوت کے لئے ضرور باعث نجات ہوگی کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد پاک ہے۔

اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْہِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَہْلَ الْبَیْتِ وَیُطَہِّرَکُمْ تَطْہِیْرًا — بے شک اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ اے اہل بیت تم سے ناپاکی دور کردے اور تمہیں اچھی طرح پاک کردے۔

علماء فرماتے ہیں کہ کفر سے بڑھ کر کوئی ناپاکی اور گندگی نہیں، غور فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ نے اس مقام پر **لِیُذْہِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ** (یعنی تم سے ناپاکی دور کردے) ہی پر اکتفا نہیں فرمایا، بلکہ اسے **یُطَہِّرَکُمْ** سے مؤکد فرمایا پھر **یُطَہِّرَکُمْ** ہی پر بس نہیں کیا، بلکہ اسے مصدر **تَطْہِیْرًا** سے مؤکد کیا (تاکہ معلوم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ اہل بیت نبوت کو اچھی طرح طاہر اور پاک بنانا چاہتا ہے)

اس آیت میں غور کرو تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ اہل بیت نبوت کا مقام ومرتبہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کتنا بلند ہے؟ وہ تمہارے عقل وشعور کی حد سے وراء ہے اور یہ کلام اس ذات پاک سے صادر ہوا ہے جس کے دست قدرت میں ہر چیز ہے اور جو اپنی مخلوق میں اپنا ارادہ نافذ کرنے پر قادر ہے، اس مقام پر یہ سوال نہیں کیا جا سکتا کہ اس نے اہل بیت نبوت کو اس

فضل عظیم اور شرف جسیم سے کیوں مختص فرمایا؟ اگر کوئی اعتراض کرے تو اس کا جواب نہایت آسان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب رؤف کریم کی عزت و کرامت کے اظہار کے لئے انہیں اس شرف اعزاز سے مشرف و معزز کیا۔

بعض علماء کہتے ہیں۔ جیسا کہ میں نے اپنی کتاب ''شرف مؤبد'' میں اس کا ذکر کیا ہے۔ کہ اس آیت کریمہ میں دلالت ہے کہ اللہ تعالیٰ اہل بیت عظام کو نبی اکرم ﷺ کی عزت و کرامت کے تصدق میں کفر و معاصی سے پاک رکھے گا اور انہیں ایمان و توبہ پر موت نصیب کرے گا۔''

چونکہ اللہ تعالیٰ نے اس پاکیزہ نسل کو بلا شرطِ حمل ہی اس لطف و کرم کا مستحق قرار دیا، اس لئے ان کے واسطے حسنِ خاتمہ اور ایمان و توبہ پر وصال کی بشارت ہے اور وہ اس کے باوجود، الحمد للہ، طاعت و ثواب کے لئے کوشاں رہتے ہیں اور اس نسبت شریفہ اور فضیلتِ عظیمہ پر قناعت نہیں کرتے، حالانکہ انہیں اس نسبت پاک کی وجہ سے بجز انبیاء و مرسلین کے، تمام لوگوں پر فوقیت حاصل ہے کیونکہ قرآن میں کسی اور کے حق میں ایسی توصیف نہیں آئی، مگر یہ بھی واضح رہے کہ آیت کریمہ انما یرید الخ آیت اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقَاکُمْ کو منسوخ نہیں کرتی۔ یہ آیت آیت تطہیر کی طرح اپنے حکم میں صاف اور محکم ہے، اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا۔ کہ اہل بیت نبوت کو تمام لوگوں پر ہمہ جہت فضیلت حاصل ہے، بلکہ انہیں آیت تطہیر کے ساتھ مخصوص فرمایا ہے اور انہیں اس جہت سے تمام انسانی گروہوں پر فضیلت دی ہے جبکہ اہل تقویٰ کو ان کے درجات کے لحاظ سے فضیلت عطا کی ہے، اسی لئے فرمایا:

اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقَاکُمْ

اس معاملہ میں اللہ تعالیٰ نے اہل بیت کرام یا دیگر افراد امت کا استثناء نہیں فرمایا،

اس معیار فضیلت کو سمجھ لینے کے بعد تم کو معلوم ہو جائے گا کہ ہر زمانے میں کمال تقویٰ سے متصف متقین کا بعض اہل بیت نبوت سے، جو کمال تقویٰ سے متصف نہیں، افضل ہونا

جائز ہے، جس سے شرع مانع ہے نہ عقل کیونکہ یہ آیت کریمہ صراحت کے ساتھ اس پر دلالت کرتی ہے۔ اور اس کا اقرار واذعان ہر مومن پر لازم ہے، کیونکہ یہ کلام ربانی ہے جو باطل کی ہر دخل اندازی سے پاک ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس کلام کے ذریعے عہد رسالت سے لے کر قیامت تک کے اہل ایمان کو خطاب فرمایا ہے۔

پس جب فضیلت کا اصل معیار تقویٰ ہے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جو صحبت رسول ﷺ اور مشاہدۂ انوار سے شرفیاب ہوئے اور جنہوں نے دین حق کی حمایت و نصرت میں جان و مال قربان کئے۔ اس شرف و اعزاز کے زیادہ سزاوار ہیں، جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے متقین کو مشرف فرمایا ہے اور جس کی تائید زبانِ رسالت سے ان الفاظ میں منقول ہے۔

لَا فَضْلَ لِعَرَبِيٍّ عَلٰی عَجَمِيٍّ اِلَّا بِالتَّقْوٰی

"کسی عربی کو کسی عجمی پر کوئی فضیلت نہیں سوائے تقویٰ کے"

☆☆☆☆☆

قرآن حکیم میں شانِ صحابہ رضی اللہ عنہ

اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم کی بکثرت آیات میں اصحاب رسول ﷺ کی توصیف فرمائی ہے، ان میں سے چند حسب ذیل ہیں۔

۱. كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰه (آل عمران ۳/۱۱۰)

تم بہتر ہو ان سب امتوں میں جو لوگوں میں ظاہر ہوئیں، بھلائی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے منع کرتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔

۲. وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا كُمْ أُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا.

اور بات یونہی ہے کہ ہم نے تمہیں کیا سب امتوں میں افضل کہ تم لوگوں پر گواہ ہو اور یہ رسول تمہارے نگہبان و گواہ۔

۳. يَوْمَ لَا يُخْزِى اللّٰهُ النَّبِيَّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ نُوْرُهُمْ يَسْعٰى بَيْنَ أَيْدِيْهِمْ وَ بِأَيْمَانِهِمْ. (تحریم ۸/۶۶)

جس دن اللہ رسوا نہ کرے گا نبی اور ان کے ساتھ کے ایمان والوں کو ان کا نور دوڑتا ہوگا ان کے آگے اور ان کے داہنے۔

۴. لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ إِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِي قُلُوْبِهِمْ فَأَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَ أَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا. (فتح ۱۸)

بے شک اللہ راضی ہو، ایمان والوں سے جب وہ اس پیڑ کے نیچے تمہاری بیعت کرتے تھے تو اللہ نے جانا جو ان کے دلوں میں ہے تو ان پر اطمینان اتارا اور انہیں جلد آنے والی فتح کا انعام دیا۔

۵. وَالسّٰبِقُوْنَ الْأَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْأَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِإِحْسَانٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ وَ أَعَدَّ لَهُمْ

اور سب میں اگلے پہلے مہاجر اور انصار اور جو بھلائی کے ساتھ ان کے پیرو ہوئے، اللہ ان سے راضی اور وہ اللہ سے راضی، اور ان کے

جَنّٰتٍ تَجْرِیْ تَحْتَهَا الْاَنْھٰرُ خَالِدِیْنَ فِیْهَا اَبَدًا ذٰلِکَ الْفَوْزُ الْعَظِیْم۔

(التوبہ ۱۰۰)

لئے تیار کر رکھے ہیں باغ جن کے نیچے نہریں بہیں ہمیشہ ہمیشہ ان میں رہیں، یہی بڑی کامیابی ہے۔

۶. یٰاَیُّهَا النَّبِیُّ حَسْبُکَ اللّٰهُ وَ مَنِ اتَّبَعَکَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْن. (انفال ۶۴)

اے نبی! اللہ تمہیں کافی ہے اور یہ جتنے مسلمان تمہارے پیرو ہوئے۔

۷. لِلْفُقَرَاءِ الْمُهَاجِرِیْنَ الَّذِیْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ وَ اَمْوَالِهِمْ یَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانًا وَ یَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ اُولٰئِکَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ وَالَّذِیْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالْاِیْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ یُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَیْهِمْ وَلَا یَجِدُوْنَ فِیْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّا اُوْتُوْا وَ یُؤْثِرُوْنَ عَلٰی اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ کَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ وَ مَنْ یُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰئِکَ هُمُ الْمُفْلِحُوْن.

ان فقیر ہجرت کرنے والوں کے لئے جو اپنے گھروں اور مالوں سے نکالے گئے اللہ کا فضل اور اس کی رضا چاہتے اور اللہ و رسول کی مدد کرتے وہی سچے ہیں، اور جنہوں نے پہلے سے اس شہر (مدینہ پاک) اور ایمان میں گھر بنالیا دوست رکھتے ہیں، انہیں جو ان کی طرف ہجرت کر کے گئے اور اپنے دلوں میں کوئی حاجت نہیں پاتے، اس چیز کی جو دیئے گئے اور اپنی جانوں پر ان کو ترجیح دیتے ہیں اگرچہ انہیں شدید محتاجی ہو، اور جو اپنے نفس کے لالچ سے بچایا گیا تو وہی کامیاب ہیں۔

وَالَّذِیْنَ جَاءُ وَ امِن بَعْدِهِم یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْلَنَا وَ لِاِخْوَانِنَا الَّذِیْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِیْمَانِ وَلَاتَجْعَلْ فِیْ قُلُوْبِنَاغِلًّا لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوا رَبَّنَا اِنَّکَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ.

(الحشر ۱۰:۸)

اور وہ جو ان کے بعد آئے، عرض کرتے ہیں اے ہمارے رب! ہمیں بخشدے اور ہمارے بھائیوں کو جو ہم سے پہلے ایمان لائے اور ہمارے دل میں ایمان والوں کی طرف سے کینہ نہ رکھ، اے رب ہمارے! بیشک تو ہی نہایت مہربان رحم والا ہے۔

۸. مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ اَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ تَرَاهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا، سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰةِ وَ مَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْأَهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا (فتح. ۲۹)	محمد اللہ کے رسول ہیں اور ان کے ساتھ والے کافروں پر سخت ہیں اور آپس میں نرم دل، تو انہیں دیکھے گا رکوع کرتے سجدے میں گرتے اللہ کا فضل و رضا چاہتے، ان کی علامت ان کے چہروں میں ہے سجدوں کے نشان سے، یہ ان کی صفت توریت میں ہے اور ان کی صفت انجیل میں، جیسے ایک کھیتی اس نے اپنا پٹھا نکالا پھر اسے طاقت دی، پھر دبیر ہوئی، پھر اپنی ساق پر کھڑی ہوئی کسانوں کو بھلی لگتی ہے تاکہ ان سے کافروں کے دل جلیں، اللہ نے وعدہ کیا ان سے جو ان میں ایمان اور اچھے کاموں والے ہیں بخشش اور بڑے ثواب کا۔
۹. فَسَوْفَ يَاْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَ يُحِبُّوْنَهٗ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكَافِرِيْنَ يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَا ئِمٍ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاءُ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْم (المائدہ: ۵۴)	عنقریب اللہ ایسے لوگ لائے گا کہ وہ اللہ کے پیارے اور اللہ ان کا پیارا مسلمانوں پر نرم، اور کافروں پر سخت، اللہ کی راہ میں لڑیں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا اندیشہ نہ کریں گے۔ یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہے دیتا ہے اور اللہ وسعت والا علم والا ہے۔

واضح رہے کہ حضرت ابوبکر صدیق، عمر فاروق، عثمان غنی، علی المرتضٰی، طلحہ اور زبیر (رضی اللہ عنہم) یقیناً ان آیات مقدسہ کے مصادیق میں شامل ہیں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی ان آیات کے عموم میں داخل ہیں کیونکہ یہ صرف مرد صحابہ کرام ہی سے مختص نہیں، اس

طرح حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ بھی بلاشبہ ان اکثر آیات کے مفہوم و مصداق میں شامل ہیں جو سابقین اولین کے ساتھ خاص نہیں۔ حیرانی ہے کہ جب بادشاہ اپنی رعیت کے سامنے کسی گروہ کی مدح بیان کرے اور کمالات ظاہر کرے تو وہ رعیت قبول کرنے کی بجائے اس گروہ سے بغض و عداوت رکھے اور ان کی مذمت میں زبان کھولے، کیا ایسے طعنہ جو لوگ اس طرزِ عمل سے بادشاہ کی خوشنودی کے سزاوار ہوں گے؟ یا ناراضی کے۔ بلاشبہ یہ لوگ بادشاہ کے قہر و غضب اور ناراضی کے حق دار ہوں گے، اور یہ ایسی بات ہے جس میں کسی عقلمند کو قطعاً شک نہیں ہو سکتا۔

پھر یہ مثال تو اس بادشاہ کی ہے جو اپنی رعایا کی طرح مخلوق ہے اور جو کسی گروہ کی مدح و ثناء میں اغراض نفسانی کی وجہ سے غلطی کر سکتا ہے بھلا کیونکر ہو سکتا ہے کہ وہ گروہ تعریف و ثناء کا مستحق نہ ہو اور لوگ اس گروہ کے افراد کے گناہوں اور غلط کاریوں پر آگاہ ہو کر مخالفت اور دشمنی کا اظہار کریں اور بادشاہ کو ان کے عیبوں کا علم نہ ہو اور وہ ان کی تعریف کرے، پھر قیاس کیجئے، ان لوگوں کی حماقت کا جو شہنشاہِ مطلق کی اس بات میں مخالفت کرتے ہیں کہ وہ اپنے پاکباز بندوں کی تعریف فرماتا ہے، انہیں پروانۂ رضا عطا کرتا ہے کیا ممکن ہے کہ (معاذ اللہ!) اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہونے اور ان کی تعریف کرنے میں غلطی پر ہو؟ (ہرگز نہیں) پھر فیصلہ کیجئے کہ ان سے محبت رکھنی چاہئے یا نفرت و عداوت؟ جبکہ مالک ارض و سماء ان سے راضی ہونے اور ان کو سزاوار لطف و کرم ٹھہرانے کا صریح اعلان فرما چکا ہے اور کیا ان اہل بغض و عداوت کو حق حاصل ہے کہ ان پاکان امت کی قرآنی تعریف سننے کے بعد بھی ان کی شان میں زبان درازی سے کام لیں؟

یہ مثال ہے اصحاب رسول (ﷺ) کی اور ان کو چاہنے والوں اور ان عداوت رکھنے والوں کی، اب فیصلہ تمہارے ہاتھ ہے، اے نجات کے طلبگار مسلمانو! تم کس گروہ کے ساتھ اپنا ناطہ جوڑنا چاہتے ہو؟ جہاں تک سنّی مسلمانوں کا تعلق ہے ان پر تو یہ سوال وارد نہیں ہوتا

(کیونکہ وہ اصحاب کرام سے محبت کرنے والے ہیں) رہے شیعہ حضرات، ان کے پاس سوائے مکابرہ اور جدال کے اس سوال کا جواب نہیں، وہ دعویٰ کرتے ہیں ہم اہل بیت نبوت کے محب ہیں، اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے اس لئے عداوت رکھتے ہیں کہ انہوں نے اہل بیت عظام پر ظلم کیا اور ان کے حقوق چھینے، ہم اس لعن طعن اور عداوت ونفرت کے ذریعے رسول اللہ ﷺ کا قرب تلاش کرتے ہیں۔

میں اس خیام خالی کے جواب میں کہتا ہوں کہ قرآن حکیم کی صریح نصوص سے ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے راضی ہے اور اس نے ان کی بہت تعریف اور توصیف بیان فرمائی ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو رضاء وثناء کا یہ مقام رسول اللہ ﷺ کی فرمانبرداری اور آپ کے دشمنوں کے مقابلہ میں سرفروشی اور جانثاری کی وجہ سے حاصل ہوا ہے، پھر کیسے ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ﷺ ان لوگوں سے راضی ہوں گے جو صحابہ کرام سے نفرت وعداوت رکھتے اور ان کے حق میں بدگوئی کرتے ہیں؟ ایسی بات عقلاً اور نقلاً محال ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے راضی ہونا اور ان کی مدح وثناء کرنا ابدالآباد کے لئے کلام قدیم یعنی قران حکیم میں ثابت ہو چکا ہے اور اللہ کے کلام کو کوئی کلام منسوخ نہیں کرسکتا۔ اس اعلان رضا کے وقت اللہ تعالیٰ سے یہ بات مخفی نہ تھی کہ صحابہ کرام سے مستقبل میں کن اعمال وافعال کا صدور ہونے والا تھا، اس کے باوجود اس کا ان سے راضی ہونا اور ان کے حق میں توصیفی کلمات فرمانا اس بات کی دلیل ہے کہ بارگاہِ الٰہی میں ان کا بڑا مقام ہے۔ اس لئے ہم پر لازم ہے۔ کہ اس رضا اور مدح وثناء میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کریں اور اعتقاد رکھیں کہ بالفرض، ان سے کوئی عملی کوتاہی صادر ہوئی ہوتو وہ اللہ تعالیٰ کے وسعت رحمت ومغفرت میں آچکی ہے، وہ اس پر گرفت نہیں کرے گا، یا ایسی کوتاہی کی تاویل کر کے اس ظاہر سے پھیر کر اس کا کوئی عمدہ محمل تلاش کرنا چاہئے، یہی علمائے اہل سنت کا ہمیشہ سے وطیرہ رہا ہے اور اس کی تائید نبی اکرم ﷺ کے اس ارشاد گرامی سے بھی ہوتی ہے، جو آپ ﷺ

نے اہل بدر کے حق میں فرمایا:

وَمَا يُدْرِيكَ لَعَلَّ اللّٰهَ اطَّلَعَ عَلٰى اَهْلِ بَدْرٍ فَقَالَ لَهُمُ اعْمَلُوا مَا شِئْتُمْ فَقَدْ غَفَرْتُ لَكُمْ

تمہیں کیا پتہ کہ اللہ تعالیٰ نے اہل بدر پر خصوصی نگاہِ کرم فرمائی اور ان سے ارشاد فرمایا اے اہل بدر! تم جو چاہو کرو میں تمہیں بخش چکا ہوں۔

یہ بات ثابت و محقق ہے کہ حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہم بدری صحابہ ہیں اور یہ وہی لوگ ہیں جن سے اہل رفض کو عداوت ہے۔

ایسے ہی فضائل حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے ہیں مثلاً انہوں نے غزوۂ تبوک کے موقع پر جیش عسرت کی تیاری میں سات سو اونٹ بمع سامان و پالان دیئے اور ایک ہزار دینار بارگاہ رسالت میں پیش کئے تو نبی اکرم ﷺ نے خوشی سے ان دیناروں کو اچھال کر فرمایا:

غَفَرَ اللّٰهُ لَكَ يَا عُثْمَانُ

عثمان! اللہ تعالیٰ تمہاری مغفرت فرما چکا ہے۔

پھر فرمایا:

"آج کے بعد عثمان سے جو عمل بھی صادر ہوگا اس سے انہیں کوئی ضرر نہیں پہنچے گا، یعنی اللہ تعالیٰ اس پر گرفت نہیں فرمائے گا۔"

یاد رکھیئے یہ عظمت کے کام ہیں جن کے بارے میں اہل جہاں کی عادت ہے کہ وہ ان کی تعریف کرتے ہیں اور جب کوئی آدمی دوسرے کے لئے بڑا کام سرانجام دیتا ہے تو دوسرا تحدیث نعمت کے طور پر کہتا ہے کہ میں اس سے بہت خوش اور راضی ہوں اور کبھی ناراض نہ ہوں گا۔ یہ معاملہ تو انسانوں کا ہے بڑے لوگ تو حیوانوں کے عمدہ کاموں کی بھی قدردانی کرتے اور ان کی تعریف کرتے ہیں۔ مثلاً کسی شاعر کا کلام ہے۔

وَاِذَا الْمَطِيُّ بِنَا بَلَغْنَ مُحَمَّدًا
فظهور هنّ على الرجال حَرَامٌ
قربننا من خير من وطي الثرى
فلها علينا حرمة و ذمامٌ

جب یہ سواریاں ہمیں محمد رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ تک پہنچا دیں گی، تو ان کی پشتیں لوگوں پر حرام ہو جائیں گی کیونکہ یہ ہمیں اس ذات کے قریب پہنچانے کا ذریعہ بنیں گی جو صفحہ ہستی

کی بہترین شخصیت ہے، اس لئے ان
سواریوں کا احترام ہم پر لازم ہے۔

پس جب منصف مزاج جانوروں کی حسن کارکردگی کو سراہتے ہیں اور ان کا حق تسلیم کرتے ہیں تو اندازہ کیجئے کہ وہ ذات مقدسہ جو اولاد آدم کی سردار اور سب سے عظیم ہے، اہل کمال کے کمالات کو کیوں تسلیم نہ کرے گی، دوسری طرف اللہ تعالیٰ کے لطف و کرم اور انعام و احسان کی بے کرانیوں کا تصور کیجئے جس کی حقیقت کا اظہار زبان و قلم سے ممکن نہیں، اس نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم سے راضی ہونے کا ذکر بڑی صراحت سے فرمایا ہے اور ان کے حسن عمل کو سراہا ہے کہ انہوں نے دین حق کی حمایت و خدمت اور نبی اکرم ﷺ کی معیت و نصرت میں کوئی کوتاہی نہیں کی، اور جانثاری و سرفروشی کا حق ادا کیا، اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام کے اوصاف جمیلہ کا ذکر، جن کی وجہ سے وہ لائق تحسین ہیں، ان الفاظ سے شروع فرمایا:

اشدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ یعنی وہ کافروں پر سخت اور آپس میں بڑے رحیم ہیں۔

اس طرح جہاد کا تذکرہ شروع میں لا کر بتا دیا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت میں سختیاں اور مصیبتیں برداشت کرنا ان کا شیوہ تھا۔ پھر تمہارا کیا خیال ہے کہ انہیں دولت رضوان سے نوازنے اور ان کی تعریف کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ اپنے کلمات طیبات کی مخالفت کرے گا، حالانکہ اس کی ذات پاک اکرم الاکرمین اور ارحم الراحمین ہے؟ کیا تم سمجھتے ہو کہ وہ کسی کو عزو شرف عطا کرنے کے بعد اس سے واپس چھین لیتا ہے۔ (ہرگز نہیں) اللہ تعالیٰ جاہلوں کی بے ہودہ گوئی اور باطل پرستوں کے بُرے خیالات سے پاک اور منزہ ہے۔

اے اہل تشیع تمہارا یہ اعتراض کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اہل بیت اطہار رضی اللہ عنہم کے حقوق غصب کیے، دراصل ان راویوں کی روایات پر مبنی ہے جو روایات میں کمی بیشی کے

عادی ہیں اور من مانی تفسیریں کر کے خود ساختہ نتائج اخذ کرتے ہیں۔اس کے باوجود ہم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے معصوم عن الخطاء ہونے کا دعویٰ نہیں کرتے۔مگر یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی محفوظ کتاب میں ہمیں خبر دی ہے کہ وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے راضی ہے۔اور ان کے اعلیٰ کردار کی تعریف کرتا ہے،اس سرٹیفکیٹ کے بعد اگر ان سے بتقاضائے بشریت وعدم عصمت کوئی لغزش ہو جائے تو اللہ تعالیٰ کے لطف وکرم سے بخشش کی امید ہے۔ بلکہ اہل بیعت رضوان اور اہل بدر کے حق میں ایسی بخشش ثابت ہے، نبی اکرم ﷺ نے انہیں مژدہ دیتے ہوئے فرمایا:

وَمَا يُدْرِيكَ لَعَلَّ اللّٰهُ قَدْ اطَّلَعَ عَلٰى اَهْلِ بَدْرٍ فَقَالَ لَهُمْ اِفْعَلُوْا مَا شِئْتُمْ فَقَدْ غَفَرْتُ لَكُمْ.

تمہیں کیا معلوم اللہ تعالیٰ نے اہل بدر پر نگاہ کرم کر کے فرمایا: تم جو چاہو کرو، میں نے تم کو بخش دیا ہے۔

لہٰذا جائز نہیں کہ تم ان کے حق میں بدگوئی کرو اور اللہ تعالیٰ کے اعلان رضا کے بعد ان سے ناراض رہو،فرض کرو ان کی لغزش اور خطاء کی روایات جو تم تک پہنچی ہیں وہ سچی ہیں، پھر بھی ان کی بخشش یقینی ہے،خصوصاً جبکہ دین حق کے لئے ان کی تائید وحمایت ،حضور کی نصرت و اعانت کے لئے مالی جانی قربانیاں اور رضائے ربانی کی خاطر اپنے خاندانوں سے دشمنیاں ثابت ہیں، کیا ان اعمال مشکورہ کے بعد بھی وہ خطا بخشی اور عیب پوشی کے مستحق نہ ہوں گے؟

لوگو! عقل وانصاف سے کام لو اور اہل حقوق کے حقوق پہچانو اور اس ملمع سازی سے فریب نہ کھاؤ جو شیطان نے اپنے بھائیوں اور حامیوں کے دل میں ڈال دی ہے۔جس کی وجہ سے انہوں نے امت محمدیہ کی وحدت کو پارہ پارہ کر دیا ہے اور ایسی عداوت پیدا کر دی ہے جس کے ازالہ پر بجز اللہ تعالیٰ کے کوئی قادر نہیں۔

ہم مسلمان چونکہ اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار بندے ہیں، اس لئے ہم پر لازم ہے کہ ہم اس کی رضا پر راضی ہوں اور ناراضی پر اس کے ہم آہنگ اور اپنی خواہشات کو دین وعقل پر مسلط و

غالب نہ ہونے دیں، اور یقین رکھیں کہ رسول اللہ ﷺ بھی اسی بات سے راضی ہوتے ہیں جس سے اللہ تعالیٰ راضی ہوتا ہے، اور یہ بات ہر شک و شبہ سے بالاتر ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ہمیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے خبر دی ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام اہل بیعت رضوان سے راضی اور خوش ہے اور اہل بیعت رضوان کی غالب اکثریت انصار و مہاجرین پر مشتمل ہے۔ پھر کیا یہ ممکن ہے کہ نبی اکرم ﷺ ان سے راضی نہ ہوں۔ جبکہ اللہ تعالیٰ نے بلاقید زمان و شرط ان کی رضا کا اعلان فرمایا، اس صورت میں کیا ہمارے لئے جائز ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی یقینی رضا اور خوشنودی کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے دشمنی رکھیں اور ان کی شان میں گستاخی کریں۔ لوگو! اپنے اوپر رحم کرو اور وہ کام کرو جو تمہیں بارگاہ الٰہی کے قریب کردیں۔

جہاں تک اہل بیت نبوت رضی اللہ عنہم اور معدن رسالت کا تعلق ہے وہ بھی اصحاب رسول ﷺ کی طرح معصومین عن الخطاء نہیں اور ان سے بھی خطاء کا امکان و جواز ہے۔ اس لئے روافض کے عقیدۂ عصمت سے فریب نہیں کھانا چاہئے، کیونکہ معصوم ہونا انبیاء و مرسلین کا خصوصی وصف اور اعزاز ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ دین کی تشریع مخلوق تک احکام اور حق کی تبلیغ ان کی ذمہ داری ہے، اگر وہ معصوم نہ ہوتے تو بندوں تک احکام شریعت کی تبلیغ میں وقوعِ خطاء کا امکان ہوتا، اس لئے انبیاء کے لئے عصمت لازم و واجب ہے۔ جبکہ دوسرے لوگ اس صفت سے متصف نہیں کہ ان کے لئے اعتقادِ عصمت لازم آئے۔ صحابہ کرام اور اہل بیت عظام عظمت شان اور رفعت مکان کے باوجود (بتقاضائے بشریت) خطاء و معاصی کے امکان سے خالی نہیں مگر اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ان کے لئے بخشش اور عیب پوشی کی بشارت ہے۔

اہل بیت عظام رضی اللہ عنہم کے لئے ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ وَ یُطَھِّرَ کُمْ تَطْھِیْرًا	اے اہل بیت نبوت! بے شک اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ تم سے ناپاکی دور کردے اور تم کو اچھی طرح پاک کردے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شان میں فرمایا:

لَقَدْ رَضِیَ اللّٰہُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْیُبَا بے شک اللہ راضی ہوا ایمان والوں سے جب
یِعُوْنَکَ تَحْتَ الشَّجَرَۃِ (فتح) وہ پیڑ کے نیچے تمہاری بیعت کرتے تھے۔

یاد رکھیے! جس طرح بعض صحابہ رضی اللہ عنہم سے بعض اہل بیت رضی اللہ عنہم پر زیادتی کا ہونا عقلاً اور شرعاً جائز ہے، یونہی بعض اہل بیت رضی اللہ عنہم سے بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر تعدی کا وقوع جواز رکھتا ہے اور جس طرح بتقاضائے بشریت و عدم عصمت صحابہ کرام سے خطاء کا امکان ہے، اسی طرح اہل بیت عظام سے بھی وقوع خطاء کا جواز ہے۔

ہم معاشر مسلمین پر لازم ہے کہ ہم دونوں گروہوں سے محبت کریں تا کہ دونوں بھلائیوں سے سرفراز ہوں اور ان کے دینی احوال و آثار، ان کی خدمات، اللہ تعالیٰ کی اطاعت، حضور ﷺ کی خدمت و نصرت اور آپ سے معاملات و تعلقات کو بنظر انصاف دیکھیں اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مقبول ﷺ کی رضا کو اپنا نصب العین قرار دیں، اپنے دلوں اور عقلوں سے خواہشات اور جانبداری کے پردے ہٹا دیں کیونکہ عقل مند شخص پسند نہیں کرتا کہ اس کی بصیرت پر تعصب کا پردہ پڑا رہے، ہاں! اللہ تعالیٰ اس کی بصیرت چھین لے اور وہ حق و باطل کے درمیان امتیاز کرنے کے قابل نہ رہے تو الگ بات ہے۔

☆☆☆☆☆

شان صدیق اکبر رضی اللہ عنہ

اہل تاریخ کا اتفاق ہے کہ ایام جاہلیت میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا شمار قریش کے ارباب بست وکشاد اور سرکردہ لوگوں میں ہوتا تھا۔ آپ آزاد مردوں میں سب سے پہلے ایمان لائے اور اسی وقت سے نبی اکرم ﷺ کے وزیر اعظم اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ قرار پائے، دعوت اسلام کے آغاز میں، جب کفار مکہ نے حضور ﷺ کی تکذیب کی، آپ نے حضور ﷺ کی غیبی خبروں کی تصدیق کی جس کی وجہ سے حضور ﷺ نے آپ کو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا لقب عطا فرمایا، آپ ہمیشہ تنگی وآسانی، سختی ونرمی سفر وحضر اور جنگ وامن کی ہر حالت میں نبی اکرم ﷺ کے ساتھ رہے۔

جہاں تک ان احادیث کا تعلق ہے جو حضور اکرم ﷺ سے فضائل صدیق اکبر رضی اللہ عنہ میں صحت کے ساتھ منقول ہیں، وہ بہت زیادہ ہیں اور احادیث کی کتابوں میں مدون اور زبانوں پر جاری ساری ہیں۔ ان میں سے بہت سی روایات تو ضرب المثل بن چکی ہیں، یہی حالت ہے ان احادیث کی جو حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہم کی شان میں وارد ہوئی ہیں۔ اسی طرح بکثرت احادیث حضرت فاطمۃ الزہرا ،حضرت امام حسن، حضرت امام حسین دیگر اہل بیت وامہات المومنین خصوصاً حضرت عائشہ (رضی اللہ عنہم اجمعین) کے فضائل میں آئی ہیں مگر میں نہیں چاہتا کہ ان تمام احادیث کو یہاں نقل کر کے کلام کو طوالت دوں، کیونکہ وہ بہت مشہور ومعروف ہیں۔ اور ان کی کتابیں لوگوں کے پاس ہیں۔

امام ابن حجر رحمتہ اللہ علیہ مکی نے صواعق محرقہ میں ان احادیث کا بڑا حصہ جمع کر دیا ہے۔ اس مقام پر چند احادیث مناسبت کے لحاظ سے ذکر کرتا ہوں، جو آدمی زیادہ کا طلب گار

ہو وہ مذکورہ کتاب (یعنی صواعق محرقہ) کی طرف رجوع کرے۔

اس بات کو ہر کوئی جانتا ہے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اسلام لانے کے بعد سے حضور ﷺ کے وصال تک آپ ﷺ کے وزیر رہے، اس منصب میں کوئی شخص، صحابہ کرام میں سے ہو یا اہل بیت عظام رضی اللہ عنہم میں سے، آپ کا ہم پایہ نہ تھا، اسی وجہ سے نبی اکرم ﷺ نے آپ کو غزوہ بدر میں قتال کی اجازت نہ دی اور فرمایا: اَمتِعنَا بِنفسِکَ اے ابا بکر! ہمیں اپنی ذات سے استفادہ کرنے دیجئے۔ حالانکہ سادات اہل بیت یعنی حضرت علی المرتضٰی، حضرت حمزہ اور عبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہم کو شریک جنگ ہونے کی اجازت مرحمت فرمائی، اس وقت حضور ﷺ نے عریش (چھپر) کی حفاظت پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو متعین فرما کر آپ پر کلیتاً اعتماد فرمایا اور اسی عریش کے اندر قیام کے دوران دعا فرمائی۔

''اے پروردگار! اپنی مدد کا وعدہ پورا فرما''

دیکھئے! اس انتہائی اہم ذمہ داری کے لئے بجز صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے کسی پر اعتماد نہ فرمایا، یونہی سفر ہجرت میں رفاقت کے لئے صرف حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا انتخاب فرمایا، حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے کئی بار دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہمراہ ہجرت کی اجازت طلب کی، مگر حضور نے اجازت نہ دی اور جانے سے منع فرمایا۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضور کے ساتھ ہجرت کی۔

نبی اکرم ﷺ تمام دینی اور دنیاوی مہمات میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے مشورہ فرماتے تھے اور اس عظیم منصب پر، جس میں صحابہ و اہل بیت میں سے کوئی آپ کا شریک و ہم پایہ نہ تھا، آپ ہمیشہ فائز رہے یہاں تک کہ حضور نے وصال فرمایا۔ اس وقت حضور آپ سے مکمل طور پر راضی اور خوش تھے۔

جب نبی اکرم ﷺ کا وصال شریف ہوا تو اہل بیت اور صحابہ کرام علیہم الرضوان شدید

اضطراب میں مبتلا ہوئے اور حواس کھو بیٹھے، اس وقت حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ان کو سہارا دیا اور یہ آیت کریمہ پڑھی۔

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَاِنْ مَّاتَ اَوْقُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰی اَعْقَابِكُمْ وَ مَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰی عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْئًا وَ سَيَجْزِی اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ. (آل عمران: ۱۴۴)	اور محمد تو ایک رسول ہیں ان سے پہلے اور رسول ہو چکے، تو کیا اگر وہ انتقال فرمائیں یا شہید ہو جائیں تو تم الٹے پاؤں پھر جاؤ گے اور جو الٹے پاؤں پھرے گا اللہ کا کچھ نقصان نہ کرے گا اور عنقریب اللہ شکر والوں کو صلہ دے گا۔

تو ان کا اضطراب جاتا رہا اور انہیں یقین آ گیا کہ نبی اکرم ﷺ کا وصال ہو گیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو دارِ فنا سے دار بقاء کی طرف منتقل کر دیا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے زیادہ علم والے عقل والے اور افضل تھے۔ اور بارگاہ رسالت میں ان کی فضیلت و فوقیت سب پر ہویدا تھی۔

ایک اور فضیلت جس میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو تخصیص خاص ہوئی، یہ تھی کہ نبی اکرم ﷺ نے مرض وصال میں اپنے نائب کی حیثیت سے امامت نماز کا حکم دیا جس کی بنیاد پر صحابہ کرام نے آپ کو حضور کے وصال کے بعد بالاتفاق امام و خلیفہ چن لیا۔ کیونکہ حضور کا آپ کو امامت امت کے لئے مخصوص فرمانا استخلافِ حکومت کے لئے ایک نص صریح کا حکم رکھتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ جمہور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ کو خلیفہ بلا فصل مان کر آپ کی بیعت کر لی سوائے چند مہاجرین و انصار کے اور ان کے باز رہنے کی وجہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی عدم اہلیت نہ تھی بلکہ بیعت کا معاملہ بعجلت سرانجام پایا اور ان سے مشورہ کا موقع نہ مل سکا۔ جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے اس بارے میں وضاحت فرمائی، بعد ازاں ان لوگوں نے بھی بیعت کر لی اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت پر اجماع کامل ہو گیا۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے زمام خلافت سنبھال کر اسے مرتبہ کمال تک پہنچا دیا اور اس کی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کا حق ادا کر دیا، یہاں تک کہ آپ حضور ﷺ کے بعد اس دین کے مجدد اعظم قرار پائے اور یہ حقیقت ہے کہ اس وقت امت محمدیہ کے تمام افراد، جو مدینہ، مکہ مکرمہ اور قبائل عرب میں قیام پذیر تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیعت وخلافت پر متفق اور راضی تھے اور اس خلافت کو قابلِ رشک سمجھتے تھے۔ فرض کریں کہ خلافت کا کوئی اور حق دار تھا تو ضروری تھا کہ مخالفین کی تعداد بہت زیادہ ہوتی (اور وہ لوگ اس طرح خلافت صدیقی پر اتفاق نہ کرتے)۔

اس سے ظاہر ہو گیا کہ ساری امت کے نزدیک بارگاہ رسالت میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا مقام و مرتبہ سب سے مقدم تھا اور آپ سے اختلاف کرنے والوں کی تعداد ان لوگوں کی تعداد سے کہیں کم تھی جنہوں نے بعد کے خلفاء سے اختلاف کیا (حضرت عثمان کی شہادت کے بعد اس اختلاف میں بہت زیادہ اضافہ ہو گیا) مگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں ایسا اختلاف رونما نہ ہوا کیونکہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے وصال سے پہلے انہیں خلافت کے لئے نامزد کر دیا تھا اور لوگوں کو نصب خلیفہ کی ضرورت نہ رہی، اس لئے ان کی آراء میں اختلاف پیدا نہ ہوا یونہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے امر خلافت مجلس شوریٰ کے چھ ارکان (جو کہ عشرہ مبشرہ میں سے تھے) کی صواب دید پر چھوڑ دیا۔ پھر جب کسی ایک پر اتفاق نہ ہو رہا تھا تو حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے اپنا نام واپس لے لیا تو باقی امیدواران نے انہیں اپنا حکم (الیکشن کمشنر تسلیم کر لیا، چنانچہ انہوں نے رائے عامہ کا جائزہ لے کر) منصب خلافت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو سونپ دیا، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد انتشار پیدا ہو گیا تو مدینہ منورہ کے ارباب حل وعقد نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دست مقدس پر بیعت کر لی کیونکہ اس وقت خلافت کا زیادہ استحقاق انہی میں منحصر ہو چکا تھا۔ اس کے باوجود صحابہ اور غیر صحابہ میں سے بکثرت عربوں نے ان کی بیعت کی مخالفت

کی جس سے صاف ظاہر ہو گیا کہ امت محمدیہ کے دل میں دیگر صحابہ و خلفاء کی بہ نسبت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا اعتبار اور مقام و مرتبہ زیادہ تھا۔ اس لئے ساری امت ان کے انتخاب پر متحد و متفق ہو گئی، حالانکہ اس معاملہ میں کوئی نص قطعی نہ تھی (بلکہ حج نماز وغیرہ اہم امور کی ذمہ داری تفویض کرنے سے اس کے اشارے ملتے تھے) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کے انتہائی قریبی رشتہ دار بھی نہ تھے، نہ ہی آپ بڑے کنبے زیادہ مالداری اور جتھہ بندی کے حوالے سے شہرت رکھتے تھے۔ آپ کا سب سے بڑا سرمایہ قوت دین اور بارگاہ رسالت میں قدر و منزلت تھی اور اسی شرف و عزت اور عظمتِ شان نے امت کا سر اطاعت آپ کے سامنے خم کر دیا۔

اس بحث سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی موجودگی میں صحابہ کرام میں سے کوئی شخص آپ سے زیادہ استحقاق خلافت نہیں رکھتا تھا۔ نبی اکرم ﷺ نے مرض وصال میں آپ کو اہم رکن اسلام نماز کی امامت و قیادت سونپ کر اس جانب اشارہ فرما دیا تھا، اسی لئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا تھا۔

نَخْتَارُ لِدُنْيَانَا مَنِ اخْتَارَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ آلِهٖ وَ سَلَّمَ لِدِيْنِنَا.

ہم اپنی دنیاوی قیادت کے لئے اسی شخص کا انتخاب کرتے ہیں جسے رسول اللہ ﷺ نے ہماری دینی قیادت کے لئے منتخب فرمایا۔

اور یہ بہترین انتخاب تھا۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا فیصلہ

ہمارے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ جو اہل بیت نبوت کے زبردست حامی اور محب تھے، اور جن کی والدہ علویہ اور باپ مطلبی تھا، سے ایک شخص نے پوچھا۔

كَيْفَ تُقَدِّمُ اَبَابَكْرٍ وَ اَنْتَ مِنْ بَنِیْ الْمُطَّلِبْ؟

آپ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو کیوں کر مقدم سمجھتے ہیں، حالانکہ آپ بنی مطلب سے تعلق رکھتے ہیں؟ اس سے فرمایا:

فَقَالَ لَهٗ

لَيْسَ الْاَمْرُ كَمَا تَظُنُّ وَلٰكِنَّهُمْ حِيْنَمَا تُوُفِّيَ رَسُوْلُ اللّٰهِ نَظَرُوا فَلَمْ يَجِدُوْا تَحْتَ اَدِيْمِ السَّمَاءِ اَفْضَلَ مِنْ اَبِي بَكْرٍ فَوَلَّوْهُ عَلَيْهِمْ وَلَوْ كَانَ الْاَمْرُ بِالْقُرْبَةِ لَكُنْتُ اُقَدِّمُ عَلِيًّا لِاَنَّهُ ابْنُ عَمِّي وَجَدِّي لِاُمِّيْ (طبقات سبکی)

معاملہ ایسا نہیں جس طرح تم سمجھ رہے ہو اصل حقیقت یہ ہے کہ جب نبی اکرم ﷺ کا وصال ہوا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے امر خلافت میں غور کیا تو انہیں نیلے آسمان کے نیچے کوئی شخص حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے افضل نظر نہ آیا۔ اس لئے انہوں نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اپنا امام و خلیفہ مقرر کر لیا اگر امر خلافت قرابت اور رشتہ داری میں منحصر ہوتا تو میں ضرور حضرت علی المرتضٰی کو مقدم کرتا کیونکہ آپ میرے چچیرے اور میری ماں کے جد امجد تھے۔

ایک سوال

وہ کون سے اسباب تھے جن کی وجہ سے بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی مخالفت کی اور فوری بیعت نہ کی، کیونکہ مخالفت کے کچھ اثرات تو دل میں موجود رہتے ہیں؟

جواب

انصار میں سے صرف حضرت سعد بن عبادۃ رضی اللہ عنہ نے مخالفت کی جبکہ مہاجرین میں سے چند اہل بیت نے وقتی اختلاف کیا، میں پہلے اس کی وضاحت کر چکا ہوں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اہل بیت عظام رضی اللہ عنہم میں سے کوئی معصوم الرائے نہیں۔ کیونکہ یہ بزرگ انبیاء تھے نہ فرشتے، اس لئے ان سے خطاء کا وقوع محال نہ تھا، بلکہ ذہول و خطاء کا امکان موجود تھا۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی مخالفت کا سبب

حضرت سعد بن عبادۃ رضی اللہ عنہ کی مخالفت کا سبب یہ تھا کہ وہ انصار کے سردار تھے اور اہل مدینہ زیادہ تر انصار ہی تھے، نبی اکرم ﷺ کی مدینہ تشریف آوری سے پہلے ایام جاہلیت میں انصار مدینہ اپنی قوت وثروت اور عصبیت کے باعث عبداللہ بن سلول، جو کہ حضرت سعد کی قوم خزرج سے تعلق رکھتا تھا، کو بادشاہ بنانے کا فیصلہ کر چکے تھے۔ مگر حضور اکرم ﷺ کی تشریف آوری اور اسلام کی قوت کی وجہ سے ان کا منصوبہ ناکام ہو گیا، پھر جب حضور ﷺ کا وصال ہو گیا تو انصار نے جمع ہو کر سردار خزرج حضرت سعد بن عبادہ کے ہاتھ پر بیعت کرنے کا ارادہ کیا، اس لئے نہیں کہ وہ حضرت ابوبکر صدیق کی افضلیت کے قائل نہ تھے، بلکہ اس لئے کہ وہ ایام جاہلیت کے منصوبے کو عملی جامہ پہنانا چاہتے تھے، جو حضور ﷺ کے وجود مسعود سے دھرے کا دھرا رہ گیا۔ اب چونکہ کوئی رکاوٹ نہ رہی تھی، لہذا انہوں نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کرنے کا عندیہ ظاہر کیا، کیونکہ وہ ان کو منصب خلافت کا اہل سمجھتے تھے اور کثرت تعداد عصبیت وشجاعت، مال و دولت اور مقامی آبادی ہونے کے لحاظ سے اپنے قبیلے کو اس اعزاز کا سزاوار جانتے تھے، اور شرائط اہلیت ہونے کی وجہ سے دوسروں کی اطاعت پسند نہیں کرتے تھے جہاں تک نبی اکرم ﷺ کی اطاعت وانقیاد کا تعلق ہے وہ دین اسلام کی وجہ سے تھی۔ اسی لئے وہ نہیں چاہتے تھے کہ حضور ﷺ کے بعد کوئی شخص ساری امت کا حکمران بنے، چنانچہ انہوں نے مہاجرین کے سامنے تجویز رکھی کہ ایک امیر ہم میں سے ہو اور ایک امیر تم میں سے بعد ازاں جب حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما سقیفہ بنی ساعدہ میں انصار ومہاجرین کے اجتماع میں اس خطرہ کے پیش نظر گئے کہ کہیں ان کے درمیان فتنہ اور اختلاف نہ رونما ہو جائے، تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان سے خطاب فرمایا اور انہیں اس بات کی یاد دہانی کرائی کہ اسلام کی عالمگیر دعوت کا مقصد خلافت الٰہیہ کا قیام ہے، نہ کہ جاہلی تصورات پر مبنی خاندانی حکومت کی تاسیس، اس وقت حضرت عمر رضی

اللہ عنہ نے بھی ان کے سامنے تقریر کی اور انہیں حضرت ابوبکر صدیق کے فضائل و کمالات اور بارگاہِ رسالت میں ان کے مقام و مرتبہ کی طرف توجہ دلائی تو حق و صواب کی روشنیاں چمک اٹھیں جس کی وجہ سے انصار نے اپنا ارادہ بدل دیا اور تمام صحابۂ کرام کی موافقت میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے بیعت کر لی۔ حالانکہ مرکز اسلام کی اکثریت اور سیاسی طاقت تھے اور وہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور دیگر اہل بیت نبوت کے مقام و مرتبہ اور شرف و عظمت سے بخوبی آگاہ تھے۔ اس کے باوجود انہوں نے زمام خلافت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں دے دی۔ اگر ان کے نزدیک کوئی اور شخص آپ سے زیادہ مستحق خلافت ہوتا یا خدا اور رسول ﷺ کی بارگاہ میں آپ سے بڑھ کر قرب و منزلت رکھتا تو صحابۂ کرام ہرگز حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ترجیح نہ دیتے اور حکومت و بادشاہت، جو کہ سرمایہ فخر و غرور اور باعث شرف و اعزاز ہے تو ہرگز ترک نہ کرتے، حضرت ابوبکر صدیق کے دست اقدس پر بیعت کرنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ آپ کو خلافت کا زیادہ حق دار سمجھتے تھے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو یہ بیعت ہرگز انعقاد پذیر نہ ہوتی۔ اس بحث سے انصار کے اختلاف کی اصل حقیقت ظاہر ہوگئی اور یہ بھی معلوم ہوگیا کہ ظہور حق کے بعد انصار نے حق کی طرف رجوع کر لیا تھا۔

حضرت سیّدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کی تاخیر بیعت

جہاں تک حضرت سیّدہ فاطمۃ الزہراء سلام اللہ علیہا کی تاخیر بیعت کا معاملہ ہے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ حضور ﷺ کے وصال شریف کے صدمے سے نڈھال تھیں اور کسی اور طرف توجہ نہ دے سکیں، اور چھ ماہ کے بعد اسی غم میں اللہ کو پیاری ہوگئیں۔

تاخیر بیعت کی ایک اور وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ سانحۂ ارتحال، حضور سے شدید محبت اور آپ کی بے مثال شان و عظمت کے پیش نظر حضرت سیدہ رضی اللہ عنہا نہ چاہتی ہوں کہ کوئی شخص آپ کا قائم مقام ہو، متروکہ اراضی کو بطور وراثت طلب کرنا اس مفروضہ کو تقویت پہنچاتا ہے، مگر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے یہ مطالبہ حضور ﷺ کے اس ارشاد گرامی کے باعث

تسلیم نہ کیا۔

نَحْنُ مَعَاشِرُ الْاَنْبِیَاءِ لَا نُوْرِثُ مَا تَرَکْنَاہُ صَدَقَۃٌ ہم انبیاء کسی کو وارث نہیں چھوڑتے، ہمارا ترکہ صدقہ ہوتا ہے۔

ظاہر ہے کہ اسکا بھی حضرت سیّدہ رضی اللہ عنہا کے دل پر کچھ نہ کچھ اثر ضرور ہوگا، مگر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اس پوزیشن میں نہ تھے کہ اس ارشاد کی موجودگی میں متروکہ اراضی کو بطور ورثہ تقسیم کرتے، اگر وہ خلاف قانون ایسا کر سکتے تو محبت رسول ﷺ میں ضرور کرتے، اور اس کا فائدہ بھی تھا کہ سیاسی حکمت عملی کے طور پر جنابہٗ خاتون جنت، ان کے شوہر نامدار اور تمام بنو ہاشم کی ہمدردیاں حاصل کر لیتے مگر ایسا طرز عمل جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے مقام و منصب کے شایان شان نہ تھا، اس کے باوجود تعلقاتِ محبت میں رخنہ نہ پڑا، حضرت صدیق رضی اللہ عنہ جنابہ سیّدہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضری دیتے اور انتہائی ملاطفت کا اظہار کرتے جس کی وجہ سے حضرت سیّدہ کا انقباض خاطر جاتا رہا اور آپ راضی ہو گئیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تاخیر بیعت

جہاں تک حضرت علی حیدر کرار رضی اللہ عنہ کی تاخیر بیعت کا مسئلہ ہے تو اس کا سبب بھی حضور کے وصال کا شدید صدمہ تھا۔ آپ اس وقت ناقابل برداشت غم و اندوہ اور کرب میں مبتلا تھے۔ جس کے باعث آپ کا عرصۂ حیات تنگ ہو گیا اور آپ خانہ نشین ہو گئے، مگر جب اضطرابی کیفیت کم ہوئی تو جا کر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے دست حق پرست پر علانیہ بیعت کی اور تاخیر پر معذرت کا اظہار کیا اور آپ اس معذرت میں حق بجانب بھی تھے۔ آپ کو اگر کچھ شکوہ تھا تو اس بات کا تھا کہ بیعت سقیفہ میں آپ سے مشورہ نہیں لیا گیا، ورنہ امر خلافت میں آپ کو کوئی اعتراض نہ تھا۔ آپ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہی کو خلافت کا زیادہ حق دار سمجھتے تھے۔

فرض کریں تاخیر کا یہ سبب ہو کہ آپ اپنے آپ کو خلافت کا زیادہ حق دار سمجھتے ہوں تو

اس کے جواب میں ہم گزارش کریں گے کہ جمہور صحابہ کرام بالخصوص مقربین بارگاہِ رسالت، عشرہ مبشرہ اہل بدر واہل شجرہ بعد کے لوگوں سے زیادہ آگاہ تھے کہ رسول اللہ ﷺ کی حیات ظاہری میں کون زیادہ مرتبہ رکھتا تھا اور بعد وصال بھی منصب خلافت کا کون زیادہ حق دار تھا؟ پھر جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اتفاق رائے سے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خلافت پر اجماع کر لیا تو سوال کا جواز ہی نہ رہا، اس مرحلہ پر اگر یہ فرض کیا جائے کہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضرت ابوبکر صدیق کی بیعت کر کے غلطی کا ارتکاب کیا اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی منصب خلافت قبول کر کے خطاء کی، نیز اس بیعت کی تائید کرنے والے بھی خطا کار ہوئے، اب ان سب کی مجموعی خطاء کو ایک پلڑے میں رکھیئے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مفروضہ دعویٰ خلافت کو دوسرے پلڑے میں (پھر اندازہ کیجئے کہ کس کا پلڑا بھاری ہے) یونہی ساری امت کی اصابت رائے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اصابت رائے کا موازنہ کیجئے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مکرم ﷺ کی خوشنودی اور رضا کس کے زیادہ قریب ہے آیا امت کی اجماعی رائے صحیح ہے یا فرد واحد کی؟ بالخصوص اس صورت میں جبکہ اجماعی رائے دوسرے شخص کا استحقاق ثابت کرتی ہو اور انفرادی رائے میں فرد کا اپنا استحقاق ثابت ہو رہا ہو، اس قضیہ میں فرد کے مقابلے میں اجماعی رائے یقیناً صواب کے قریب ہوگی۔

یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ اگر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خود دعویٰ خلافت کرتے اور تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حق بالخلافت جان کر آپ کے ساتھ ہوتے تو یقین جانیئے کہ اس مسئلہ میں ہم جمہور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ ہوتے کیونکہ ہماری حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ساتھ رشتہ داری نہیں کہ خواہ مخواہ جانبداری سے کام لیں، بلکہ اگر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ تمام جہتوں سے ہم پایہ ہوتے تو ہماری نظر میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا پلڑا بھاری ہوتا، کیونکہ آپ کو نبی

اکرم ﷺ سے رشتہ داری کا قریبی تعلق ہے، مگر کیا کیجئے کہ بارگاہ رسالت میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر تقدیم وفضیلت حاصل ہے، پھر ہم حضرت علی یا کسی اور صحابی کو حضرت صدیق رضی اللہ عنہ پر کیونکر مقدم کر سکتے ہیں؟ اس معاملہ میں ہم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مکرم ﷺ کی مرضی کے تابع ہیں اور ہماری خواہشات نفس کو کوئی عمل دخل حاصل نہیں، ہم سیّدنا حیدر کرار رضی اللہ عنہ کے مقام و مرتبہ سے بھی بخوبی آگاہ ہیں، آپ نبی اکرم ﷺ کے قریبی رشتہ دار، محبوب اور دین حق کے زبردست حامی تھے۔ آپ نے اکثر غزوات میں جان کو خطرات میں ڈالا۔ ہجرت کی رات حضور ﷺ نے آپ کو اپنے بستر پر سلایا، اس سے بڑھ کر آپ کو یہ فضیلت حاصل ہے کہ حضور ﷺ نے اپنی بیٹی سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو آپ کے عقد نکاح میں دیا، آپ ذریت رسول کے والد ہیں، نیز علم و فضل اور شجاعت و کمال سے متصف ہیں۔

ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اس سے زیادہ فضائل و مناقب نصیب ہوئے اور بارگاہ رسالت میں وہ مقام و مرتبہ اور قرب حاصل ہوا جو کسی صحابی کو نہ مل سکا، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مذکورہ بالا فضائل کو بخوبی جانتے تھے مگر اس کے باوجود انہوں نے حضرت ابوبکر صدیق کو حق خلافت میں مقدم کیا تو یہ اس بات کی کھلی دلیل ہے کہ وہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہی کو خلافت کا زیادہ حقدار سمجھتے تھے۔ اگر وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لیتے تو حضرت علی بھی اہلیت رکھتے تھے مگر اس صورت میں زیادہ حق دار شخص کو نظر انداز کر دیتے یہی وجہ ہے کہ انہوں نے ایسا نہیں کیا۔

خدا کی قسم! مجھے یقین ہے کہ خود حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے دل میں بھی کبھی یہ خیال نہیں گزرا کہ آپ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے مقدم ہیں، اور یہ کیسے ہو سکتا تھا کیونکہ آپ انتہائی پاک باز، صاف گو اور منصف مزاج تھے اور آپ نے شروع سے بعثت نبوت کے وقت آپ کم سن تھے، بڑے ہوئے تو شجاع و بہادر بنے اور بارہا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول

ﷺ کی محبت میں جان کی بازی لگائی۔ مگر ہم نے نہیں سنا کہ آپ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی طرح اہم (دینی) امور میں حضور کے مشیر رہے ہوں، بالخصوص اوائل بعثت کی اذیت ناک گھڑیوں میں جبکہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ شب و روز سفر و حضر میں حضور ﷺ کے ساتھ رہے اور حضور کے دوستوں سے محبت کرتے اور دشمنوں سے عداوت رکھتے تھے، خواہ جان مال اور اہل و عیال کو نقصان کا سامنا کرنا پڑتا، یہاں تک کہ ایک روز آپ نے دیکھا کہ مشرکین مکہ حضور کو اذیت دے رہے ہیں۔ تو آپ جانثاری کا مظاہرہ کرتے ہوئے ان سے الجھ پڑے، آپ نے ان کو مارا اور انہوں نے آپ کو، نوبت یہاں تک پہنچی کہ آپ بے ہوش ہو گئے اور قریب تھا کہ زخموں کی تاب نہ لا کر جان کی بازی ہار جاتے۔ تمہارا کیا خیال ہے؟ کہ اللہ تعالیٰ حضرت ابو بکر صدیق کی دین حق کے لئے حمایت و نصرت اور نبی اکرم ﷺ کے لئے جانثاری کی قدر دانی نہیں فرمائے گا یا حضور اس بے مثال قربانی کے بعد کسی اور کو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا ہم پایہ قرار دیں گے؟ یا یہ سمجھتے ہو کہ ''امت محمدیہ'' حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی جگہ کسی اور کو خلیفہ و امام تسلیم کرنے کے لئے تیار ہو گی، حالانکہ امت محمدیہ کو بخوبی علم ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اپنی ساری زندگی کسی کو حضرت ابو بکر صدیق کے برابر نہیں سمجھا اور وصال تک آپ سے خوش رہے جو شخص اس حقیقت سے آگاہ نہیں، وہ نبی اکرم ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ تعلقات سے سخت بے خبر ہے۔

یہاں اس بات پر بھی غور کر لیجئے کہ خلافت صدیقی سے کیا ہوا؟ کیا اس سے دین اسلام یا مسلمانوں کو کچھ نقصان پہنچا؟ بخدا! ہرگز نہیں، یہ خلافت تو نبوت و رسالت کا پرتو تھی، اللہ تعالیٰ نے اس کے ذریعے اسلام اور اہل اسلام کو عزت بخشی اور دین حق کی بنیادیں استوار کیں۔ نبی اکرم ﷺ کے وصال کے بعد اکثر عرب قبائل مرتد ہو گئے تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے انہیں طوعاً و کرھاً اسلام پر جمع کیا۔ عراق اور شام کو فتح کیا، جہاد فی سبیل اللہ کے لئے لشکر تیار کئے اور انہیں دشمنان اسلام سے لڑنے کے لئے مختلف اقوام و اطراف کی طرف بھیجا

یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے دین حق کو غالب کر دیا اور تمام امور بطریق احسن منتظم ہو گئے اور یہ سب کچھ اس وقت ہوا جب حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت علی سمیت تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم متحد و متفق ہوئے، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان صحابہ سے مرتدین کے بارے میں مشورہ کیا تو انہوں نے مرتدین کو نہ چھیڑنے کا مشورہ دیا کیونکہ ان کی تعداد زیادہ اور مسلمانوں کی تعداد کم تھی، آپ نے اصرار کیا تو انہوں نے یہی کہا کہ ہم مرتے دم تک اللہ تعالیٰ کی عبادت گزار رہیں گے، آپ نے فرمایا: بخدا! میرے لئے آسمان سے گر کر مر جانا اور پرندوں کی خوراک بن جانا بہتر ہے بہ نسبت اس بات کے کہ ایسی رائے اختیار کروں، اللہ کی قسم! اگر مانعین زکوٰۃ کی ایک رسی بھی روکیں گے تو میں ان سے جہاد کروں گا خواہ تنہا لڑتے لڑتے مر جاؤں۔

جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مرتدین و مانعین زکوٰۃ سے صرف نظر کی رائے دی تو توبیخی انداز میں فرمایا:

اَجبَّارٌ فِی الْجَاھِلِیۃِ و خوارٌ فی الاسلام — ایام جاہلیت میں تو بڑے سخت اور بہادر تھے، کیا اسلام میں کمزور اور بزدل ہو گئے ہو؟

حالانکہ مشہور تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ دین کے معاملہ میں سخت اور حضرت ابوبکر صدیق نرم ہیں۔ مگر حضور کے وصال کے بعد جب اسلام پر عظیم آفت آئی تو معاملہ الٹ ہو گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نرم پڑ گئے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سخت ہو گئے۔

چنانچہ جب آپ اس مجلس سے اٹھے تو مرتدین کے خلاف اعلان جہاد کرتے ہوئے فرمایا:

ھَاانَا مُتوجّہٌ بنفسی للجِھَادِ فِی ھٰؤُلاءِ الْمُرتدین فمن تبعنی فَلْیَتْبَعنِی — میں مرتدین کے مقابلہ میں جہاد کے لئے جا رہا ہوں جسے آنا ہو میرے پیچھے آئے۔

یہ سن کر سب نے سر جھکا دیئے اور بیک زبان بولے۔

نَحْنُ معَک یا خلیفۃ رسُوْلِ اللّٰہ — اے خلیفہ رسول! ہم آپ کے ساتھ ہیں۔

اس وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی زبان پر یہ کلمات تھے۔

''اللہ تعالیٰ نے ہمارے سینوں کو حضرت ابوبکر صدیق کی پیروی کے لئے کھول دیا کیونکہ ان کی ذات میں خیر و برکت ہے۔''

بعض صحابہ کرام نے یہ تبصرہ کیا۔

''اگر ابوبکر نہ ہوتے تو محمد رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد اللہ تعالیٰ کی عبادت نہ کی جاتی، انہوں نے لشکر ترتیب دے کر حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی قیادت میں مختلف محاذوں پر بھیجے جنہوں نے ایک ایک قبیلے سے جنگ کی، یہاں تک کہ تمام اہل عرب اسلام کی طرف لوٹ آئے اور لشکر اسلام کی تعداد بڑھ گئی۔ بعد ازاں انہوں نے عراق و شام میں دنیا کی دو عظیم سلطنتوں فارس و روم سے معرکہ آراء ہونے کے لئے فوج کشی کی، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ خلافت کے تین سالہ دور میں فتوحات کا سلسلہ شروع ہو گیا جو کہ عہد فاروق اعظم رضی اللہ عنہ تک جاری رہا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے وزیر اعظم تھے اور یہی منصب ان کا بارگاہ رسالت میں تھا مگر کثرت فضائل اور بے شمار فتوحات کے باوجود وہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی نیکیوں میں سے ایک نیکی تھے۔ یہ ہیں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور یہ ہے ان کی عظیم خلافت، پھر اے اہل رفض! تمہارے لئے لمحہ فکریہ ہے کہ خلافت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے مسلمانوں کو کچھ نقصان پہنچا یا یہ کہ قیامت تک دین اسلام کی بنیادیں مستحکم ہو گئیں۔

ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحم فرمائے جو خواہشات نفس چھوڑ کر حق کی پیروی کرے، آمین۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ ھَدَانَا لِھٰذَا وَمَا کُنَّا لِنَھْتَدِیَ لَوْ لَا اَنْ ھَدَانَا اللّٰہُ

☆☆☆☆☆

شان ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا

حضرت سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نبی اکرم ﷺ کی محبوب ترین زوجہ تھیں، اس بارے میں کسی کا اختلاف نہیں، صحیح بخاری میں ہے، کسی نے نبی اکرم ﷺ سے پوچھا:

اَیُّ النَّاسِ اَحَبُّ اِلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ؟ قَالَ عَائِشَۃُ قِیْلَ فَمِنَ الرِّجَالِ قَالَ اَبُوْھَا.

یارسول اللہ! لوگوں میں سے آپ کو زیادہ پیارا کون ہے؟ فرمایا ''عائشہ'' پوچھا گیا مردوں میں سے فرمایا ''عائشہ کا باپ''

دیکھئے! اس حدیث میں نبی اکرم ﷺ نے محبت کے معاملے میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو تمام لوگوں پر فضیلت کیوں دی؟ اور کسی کا استثناء نہ فرمایا، اس کا جواب یہ ہے کہ یہ فضیلت اصل میں زوجیت کے حوالے سے ہے، جہاں تک اولاد کی محبت کا تعلق ہے حضرت سیّدہ فاطمۃ الزہرا آپ کی محبوب ترین بیٹی ہیں، بخاری اور مسلم میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔

اِنَّ النَّاسَ کَانُوا یَتَحَرَّوْنَ بِھَدَایَاھُمْ یَوْمَ عَائِشَۃَ یَبْتَغُوْنَ بِذَالِکَ مَرْضَاۃَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّمَ

لوگ حضور کی خدمت میں اپنے ہدیے پیش کرنے کے لئے عائشہ ام المومنین کی باری کا انتظار کرتے اور اس سے حضور کی خوشنودی اور رضا حاصل کرتے۔

نبی اکرم ﷺ کی ازواج مطہرات دو گروہوں میں تقسیم تھیں، ایک گروہ میں حضرت عائشہ، حضرت حفصہ، حضرت صفیہ اور حضرت سودہ (رضی اللہ عنہن) تھیں، جبکہ دوسرے گروہ میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا اور دیگر ازواج رضی اللہ عنہن تھیں۔ ایک دن حضرت ام سلمہ کے گروہ نے ان سے کہا کہ نبی اکرم ﷺ سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں

بات کریں اور درخواست کریں کہ آئندہ جو شخص بھی ہدیہ دینا چاہے براہ راست حضور کی خدمت میں پیش کرے، چنانچہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے حضور سے یہ بات کی تو آپ ﷺ نے فرمایا: اے ام سلمہ! مجھے عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں تکلیف نہ دو، میرے پاس جب وحی آتی ہے تو میں عائشہ کی چادر میں ہوتا ہوں، کسی اور زوجہ کے پاس نہیں ہوتا، یہ سن کر حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا یارسول اللہ! میں آپ کو تکلیف دینے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ کرتی ہوں۔

اس کے بعد ازواج مطہرات نے اس مسئلہ پر گفتگو کے لئے سیدہ فاطمہ زہراء کو حضور کی خدمت میں بھیجا، تو آپ ﷺ نے فرمایا: بیٹی! کیا تجھے وہ چیز پسند نہیں جو مجھے پسند ہے؟ عرض کیا کیوں نہیں؟ فرمایا: پھر عائشہ سے محبت رکھو۔

مسلم کی روایت ہے حضرت عائشہ بیان کرتی ہیں کہ

''ازواج مطہرات نے فاطمہ بنت رسول اللہ کو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بھیجا تو انہوں نے آکر اجازت طلب کی۔ اس وقت حضور میرے پاس میری چادر میں استراحت فرما تھے۔ آپ نے اجازت مرحمت فرمائی تو انہوں نے عرض کیا، یارسول اللہ! آپ کی ازواج نے مجھے آپ کی خدمت میں بھیجا ہے۔ وہ عائشہ کے بارے میں انصاف کی طلبگار ہیں (اور چاہتی ہیں کہ سب کے ساتھ محبت کا یکساں سلوک ہو) فرمایا: بیٹی! کیا تو اس چیز کو پسند نہیں کرتی جس کو میں پسند کرتا ہوں؟ عرض کیا کیوں نہیں؟ فرمایا: پھر عائشہ سے محبت رکھو، یہ سن کر حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا ازواج مطہرات کے پاس تشریف لائیں اور انہیں اپنی گفتگو اور حضور کے جواب سے آگاہ کیا، انہوں نے کہا، شاید! آپ نے پوری وکالت نہیں کی، دوبارہ جا کر عرض کیجئے کہ آپ کی بیویاں آپ کو خدا کا واسطہ دے کر ابوبکر کی بیٹی (عائشہ) کے معاملے میں انصاف کا تقاضا کرتی ہیں۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: بخدا! میں اس معاملہ میں اب حضور سے کوئی بات نہ کروں گی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت وعظمت میں بکثرت صحیح احادیث مروی ہیں ۔مثلاً
ارشاد ہے:

فَضْلُ عَائِشَة عَلٰی النِسَاءِ كَفَضْلِ الثَّرِيْدِ عَلٰى سَائِرِ الطَّعَامِ (بخاری. مسلم. ترمذی) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی دیگر عورتوں پر فضیلت ایسی ہے جیسے ثرید کی دیگر تمام کھانوں پر۔

روایت ہے کہ شادی سے پہلے جبریل امین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی تصویر جنت کے ریشم میں لپیٹ کر حضور کے پاس لائے۔

ایک اور روایت ہے حضور ﷺ نے حضرت عائشہ سے فرمایا:

اِنَّ جِبْرِيْلَ يُقْرِئُكِ السَّلَامَ اے عائشہ! جبریل تم کو سلام کہتے ہیں۔

حضور ﷺ نے مرضِ وصال میں فرمایا:

''جنت میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہاتھ کی سفیدی دیکھ کر میرے لئے موت آسان ہوگئی ہے''

نبی اکرم ﷺ کا وصال حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی گود میں سینۂ اطہر کے ساتھ ٹیک لگائے ہوئے ہوا اور آپ انہی کے حجرے میں دفن ہوئے۔

ان کے علاوہ بہت سی احادیث حضرت سیّدہ عائشہ کی فضیلت پر دالالت کرتی ہیں اور ظاہر کرتی ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کے قلب اطہر میں ان کی کتنی عزت اور محبت ہے، جو ان احادیث کا طلبگار ہو، وہ ان کے مراجع کی طرف رجوع کرے۔

ذاتی مناقب

آپ صدیقہ کبریٰ بنت صدیق اکبر ہیں اور تمام عورتوں سے بڑی عالمہ، تمام امتوں میں کسی عورت کے بارے میں نہیں سنا گیا کہ اس کے پاس اتنا مفید دینی علم ہو، جتنا حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس ہوتا ۔ نیز اس نے امت میں ایسا علم پھیلایا ہو، آپ فہم و ذکاء اور

عقل وخرد میں کمال اور دینی علوم کی تحصیل وتبلیغ کا ذوق سلیم رکھتی تھیں۔ صحبت رسول میں ایک زمانہ گزارنے کے باعث کثیر علم کی سعادت حاصل ہوئی جو کسی اور کے حصے میں نہ آیا اور شریعت کے احکام اور باریک حکمتوں کی معرفت پائی جن پر کوئی آگاہ نہ ہو سکا۔ اس عمدہ فہم اور صحیح مذہب سے متصف ہونے کی وجہ سے حضور ﷺ نے فرمایا:

خُذُوْا شَطْرَ دِیْنِکُمْ عَنْ هٰذِهِ الْحُمَیْرَاءِ اس حمیراء (یعنی عائشہ) سے اپنے دین کا بڑا حصہ سیکھ لو۔

آپ نے نبی اکرم ﷺ سے دو ہزار سے زائد احادیث روایت کیں جن سے امت نے احکام شرعیہ میں بہت نفع اٹھایا، آئمہ مجتہدین نے ان احادیث سے بے شمار دینی مسائل مستنبط کیے، خصوصاً عورتوں کے وہ مسائل جن پر مردوں کو آگاہی نہیں ہو سکتی۔

ترمذی صحیح سند کے ساتھ حضرت ابو موسیٰ اشعری سے روایت کرتے ہیں ''ہم اصحاب رسول اللہ ﷺ کو کسی حدیث کے بارے میں اشکال پیدا ہوتا تو اس کے بارے میں حضرت عائشہ سے پوچھتے؟ کیونکہ ہمیں اس کا علم ان کے ہاں مل جاتا۔

بزرگ تابعی مسروق فرماتے ہیں بخدا! ہم نے اکابر صحابہ کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرائض کے مسائل پوچھتے دیکھا۔

زہری کہتے ہیں۔

''اگر تمام ازواج مطہرات اور دیگر عورتوں کے علم کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے علم سے ملا کر دیکھا جائے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا علم زیادہ نکلے۔''

یہ تمام اقوال علامہ شبراخیتی مالکی نے اربعین نووی کی پانچویں حدیث کی شرح میں نقل کئے ہیں۔ اسی طرح علامہ ابن اثیر نے اسد الغابہ میں ان کا ذکر کیا ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت کو ظاہر کرنے کے لئے صحیح مسلم کی مذکورہ بالا حدیث ہی کافی ہے یعنی:

''عائشہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت تمام عورتوں پر اس طرح ہے جس طرح ثرید کھانے کی تمام کھانوں پر''

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بالاتفاق دنیا کی تمام عورتوں سے افضل ہیں۔ بجز تین عورتوں کے اور وہ ہیں سیدہ مریم، سیدہ فاطمہ اور سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہن۔

یہاں یہ بات واجب اللحاظ ہے کہ شرف زوجیت کی فضیلت کے علاوہ آپ کی دیگر کوئی فضیلت نہ ہوتی، تب بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف صف آرائی کی خطاء سے چشم پوشی لازم ہوتی، کیونکہ یہ عظیم فضیلت ہی ازالۂ خطاء کے لئے کافی تھی۔ آپ نص قرآن مجید شرف زوجیت کی بناء پر ام المومنین ہونے کا اعزاز حاصل کر چکی تھیں، ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَاَزْوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمْ — نبی کی بیویاں مومنوں کی مائیں ہیں۔

تم اچھی طرح جانتے ہو کہ کتاب وسنت کی تاکیدات سے ماں کے ساتھ حسن سلوک لازم ہے اور یہ حقیقت ہے کہ نسبی ماں کی بہ نسبت ازواج النبی (ﷺ) سے رشتہ زیادہ اہم اور بڑا ہے اور ان سے حسن سلوک زیادہ ضروری ہے، کیونکہ نبی اکرم ﷺ اہل ایمان کے روحانی باپ ہیں اور ایک قرأت میں اس کی تصریح بھی ہے، دوسری آیت میں جہاں باپ ہونے کی نفی ہے تو وہ جہت نسب سے ہے۔

امام ابن حجر رحمتہ اللہ علیہ صواعق محرقہ میں فرماتے ہیں۔

واضح قول یہ ہے کہ آیت کریمہ ما کان محمد ابا احد من رجالکم میں انقطاع تبنیت کا ذکر ہے، مگر اطلاق میں احترام واکرام کے حوالے سے نبی مکرم کے ابوالمومنین (اہل ایمان کے باپ) ہونے کی نفی نہیں۔ (ص ۱۵۹)

بلاشبہ حضور ہر مومن کے نزدیک نسبی باپ سے بڑھ کر ہیں اور آپ ﷺ سے حسن سلوک نسبی باپ کے ساتھ حسن سلوک سے زیادہ ضروری ہے اور یہی حکم ہے۔ آپ کی ازواج مطہرات کا جو اہل ایمان کی مائیں ہیں۔ اس بارے میں کسی مومن کے دل میں کبھی شک وتردد

نہیں ہو سکتا، بجز اس شخص کے جو شرح صدر کی دولت سے محروم ہو۔

فرض کرو حضرت عائشہ، حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہن کی طرح آزاد عورتوں میں سے نہ ہوتیں، تب بھی امت پر آپ کی تعظیم و توقیر لازم تھی، بلکہ بالفرض آپ ام ایمن اور ام رافع وغیرہا کی طرح موالی میں سے ہوتیں، اس صورت میں بھی شرف زوجیت کے باعث ساری امت پر آپ کا ادب و احترام ضروری ہوتا۔ حضور سے نسبت کی برکت دیکھئے کہ روایت میں آیا ہے کہ حضور کے ایک غلام سفینہ کا راستہ جنگل میں ایک شیر نے روک دیا تو اس نے کہا اے ابا الحارث! میں رسول اللہ ﷺ کا غلام ہوں، (میرا راستہ چھوڑ دے) یہ سن کر شیر نے سر جھکا دیا اور حضرت سفینہ کو پیچھے آنے کا اشارہ کیا۔ چنانچہ وہ شیر کے پیچھے چلے یہاں تک کہ شیر نے ان کو بڑے راستے پر ڈال دیا، دیکھئے شیر نے حیوان ہو کر اس نسبت کا لحاظ رکھا۔ انسان تو انسان ہے اسے اس پاک نسبت کا کس قدر احترام کرنا چاہئے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اگر حضور سے ادنیٰ سی نسبت ہوتی خواہ خادمہ ہی ہوتیں تو ساری امت پر اس نسبت کی وجہ سے آپ کے ساتھ حسن سلوک لازم ہوتا، حالانکہ آپ کی ذات میں ایسے فضائل و مناقب جمع ہیں جو کسی اور عورت کے دامن میں نہیں، نہ ہی کسی عورت کو اتنا مقام حاصل ہوا ہے، سوائے تین عظیم عورتوں کے، پھر تمہارا کیا حکم ہے کہ یہ ساری فضیلتیں ایک خطاء کا ازالہ نہیں کر سکتیں؟ جبکہ یہ بھی حقیقت ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ بذات خود آپ کا بہت اکرام کرتے تھے، کیونکہ وہ آپ کے شرف و مقام سے آگاہ تھے۔

اب ذرا خدا لگتی کہیے کہ حضرت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی عزت و تکریم اور توقیر و تعظیم سے رسول اللہ ﷺ ہم سے خوش ہوں گے یا ناخوش، یا آپ کی توہین و عداوت سے حضور کو تکلیف ہوگی یا خوشی؟ یہ ایک بدیہی فطری معاملہ ہے کہ پہلی صورت حضور ﷺ کے لئے وجہ راحت و مسرت ہوگی جبکہ دوسری صورت سخت تکلیف اور ناراضی کا باعث ہوگی۔ جو شخص اپنی حماقت، بدذوقی، فساد دین اور ضعف یقین کے باعث سمجھتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی تعریف یا مذمت سے کوئی سروکار نہیں، وہ ایمان کی تجدید کرے کیونکہ یہ بدترین عیب ہے اور رسول اللہ ﷺ کی ذات مقدسہ اس عیب سے بہت بلند اور منزہ ہے، وجہ یہ ہے کہ جو شخص اپنے حرم (اپنی بیوی) کے معاملات کی پرواہ نہ کرے اور اس کی مدح و ذم کا اثر نہ لے وہ عزت دار نہیں، اور یہ بات ہر شک و شبہ سے پاک ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی ذات پاک ساری مخلوق سے زیادہ عزت مند، ہر وصفِ جمیل کی حامل اور ہر خلق عظیم میں کامل ہے۔ اس حقیقت کو بھی جھٹلایا نہیں جا سکتا کہ ایک معزز شخص اپنے حرم (بیوی) کی عزت کی اسی طرح پاسداری کرتا ہے جس طرح وہ اپنے دیگر رشتہ داروں کی کرتا ہے۔ بخاری اور مسلم کی حدیث ہے جب سردار منافقین عبداللہ بن ابی کی شرانگیزی سے واقعہ افک رونما ہوا تو حضور ﷺ نے منبر شریف پر جلوہ گر ہو فرمایا:

يَامَعْشَرَ الْمُسْلِمِيْنَ مَنْ يَعْذُرُنِيْ مِنْ رَّجُلٍ قَدْ بَلَغَنِيْ اَذَاهُ فِي اَهْلِ بَيْتِيْ فَوَاللّٰهِ مَا عَلِمْتُ عَلٰى اَهْلِ بَيْتِيْ اِلَّاخَيْرًا

اے اہل اسلام! اس شخص کے بارے میں مجھے کون معذور رکھتا ہے جس کی اذیت رسانی میری اہل بیت کے بارے میں مجھ تک پہنچی ہے، بخدا! میں اپنے اہل میں سوائے بھلائی کے کچھ نہیں جانتا۔

یہ سن کر حضرت سعد انصاری رضی اللہ عنہ اٹھے اور عرض کیا، یا رسول اللہ! یہ ذمہ داری میں لیتا ہوں اگر الزام تراش ہمارے قبیلے کا آدمی ہے تو ہم اس کی گردن اڑا دیں گے اور اگر وہ اہل خزرج سے ہے تو حضور حکم دیں، ہم تعمیل کے لئے حاضر ہیں، (یہ حدیث طویل ہے)

ابن الاثیر اسد الغابہ میں فرماتے ہیں:

''اگر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے فضائل میں اور کچھ نہ ہوتا تو واقعہ افک میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اعلان برأت آپ کی فضیلت و عظمت کے لئے کافی تھا۔ اس فضیلت کا اعلان قرآن میں اترا جو قیامت تک پڑھا جاتا رہے گا۔ اھ

واضح رہے، جو شخص اس برأت کا انکار کرے، وہ قرآن حکیم کو جھٹلانے کے باعث کافر ہو جائے گا۔

اے اہل رفض و تشیع!

اگر تمہارے دل میں ذرہ برابر بھی ایمان و انصاف اور حضور کی محبت ہے تو جان رکھو کہ حضرت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی عزت و توقیر اور مدح و ثناء ان دینی فرائض میں سے ہے جن کی بجا آوری سے اللہ تعالیٰ اور محمد رسول اللہ ﷺ خوش ہوتے ہیں۔ یہی حق ہے، اس لئے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے متعلق ان نظریات کو چھوڑ دو جو تمہیں وراثت میں ملے ہیں اور جو عقل و نقل اور ذوق سلیم کے مخالف ہیں، اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی محبت اور مدح و ثناء میں وہ طرز عمل اختیار کرو جو پروردگار عالم، اس کے رسول مکرم اور تمام مومنین کا ہے۔ اس سے تمہارا رب، حضور سید المرسلین اور اہل بیت کرام راضی ہوں گے۔ اس ذات کی قسم جس کے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں کہ اہل بیت نبوت صرف اسی طرز عمل سے راضی ہوں گے۔ یہ بھی یاد رکھو کہ جو کوئی سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے بغض و عداوت رکھے گا یا دریدہ دہنی سے کام لے گا، وہ ہلاکت میں پڑے گا۔ بھلا اہل بیت نبوت اپنے جد امجد کی عزت و حرمت اور آپ کی محبوب و معزز زوجہ کی گستاخی اور توہین پر کیوں کر خوش ہوں گے؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حضور ﷺ کی عزت ہیں۔ اس لئے ان کی مدح ہو یا مذمت، وہ حضور کی طرف راجع ہے۔ اہل بیت نبوت کا مقام و مرتبہ تو بہت بلند ہے، امت محمدیہ کا کوئی فرد بھی اس توہین کو برداشت نہیں کر سکتا۔ اس لئے اہل بیت عظام کی اقتداء کرو، بالخصوص حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی جن کی محبت میں تم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بغض رکھتے ہو، وہ تم سے زیادہ حقیقت شناس اور خدا ترس تھے اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مکرم ﷺ کی رضا سے زیادہ واقف تھے، انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حد درجہ عزت و تکریم کی اور جنگ جمل کی خطاء اور غلط فہمی سے چشم پوشی فرمائی، اگر تم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت کا لحاظ نہیں کر

سکتے تو کم از کم نبی اکرم ﷺ کی عزت و حرمت ہی کا خیال کرلو۔

اے اہل عقل وانصاف!

تم پہ مخفی نہ رہے کہ ہم حضرت علی رضی اللہ عنہ دیگر اہل بیت عظام رضی اللہ عنہم اور تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مکرم ﷺ کی رضا کی خاطر محبت کرتے ہیں۔ اس لئے ان سے ہماری محبت ایک درجہ کی نہیں، بلکہ بارگاہ الٰہی اور بارگاہِ رسالت میں ان کے مقامات ومراتب کے لحاظ سے ہے۔ یہی انداز ائمہ اسلام سے مروی ہے اور ساری امت نے سلف سے خلف تک اسی طرز عمل کو آگے منتقل کیا ہے۔ ہم تفضیل ومحبت میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو مقدم کرتے ہیں، پھر حضرت عمر کو ان کے بعد حضرت عثمان کو پھر حضرت علی رضی اللہ عنہم کو اور ان کے بعد باقی عشرہ مبشرہ بالجنۃ کو جن میں حضرت زبیر اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہما بھی شامل ہیں اور یہ دونوں حضرات حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بعد خلافت کی اہلیت رکھتے ہیں اور دونوں سابقین اسلام مہاجرین میں سے ہیں ان کے بعد اہل بدر کا مقام ہے، حضرت زبیر اور طلحہ رضی اللہ عنہما اس گروہ میں بھی شامل ہیں۔ پھر بالترتیب اہل احد، اہل بیعت رضوان اور مومنین قبل فتح مکہ ہیں۔ حضرت عمرو بن العاص کا شمار بھی فتح مکہ سے پہلے ایمان لانے والوں میں ہوتا ہے جبکہ حضرت طلحہ و زبیر مذکورہ بالا طبقات میں بہت بلند مقام رکھتے ہیں۔ ان کے بعد فتح مکہ کے بعد اسلام قبول کرنے والوں کا درجہ ہے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اسی گروہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے درجات میں تفاوت کا ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے۔

لَا یَسْتَوِی مِنْکُمْ مَنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَ قَاتَلَ اُولٰئِکَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِیْنَ اَنْفَقُوا مِنْ بَعْدُ وَ قَاتَلُوا وَ کُلًّا و عَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰی (الحدید: ۱۰)

تم میں برابر نہیں وہ جنہوں نے فتح مکہ سے قبل خرچ اور جہاد کیا وہ مرتبہ میں ان سے بڑے ہیں جنہوں نے بعد فتح کے بعد خرچ اور جہاد کیا اور ان سب سے اللہ جنت کا وعدہ فرما چکا۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ انہیں خوش نصیب صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ہیں۔ جنہیں اللہ تعالیٰ نے بھلائی یعنی جنت کا وعدہ دیا ہے اگرچہ وہ دوسرے طبقے (یعنی بعد فتح ایمان لانے والوں سے) تعلق رکھتے ہیں۔ مگر بعد کے اہل ایمان افراد سے افضل ہیں، کیونکہ ان کی فضیلت کی جہت شرف صحابیت ہے جب تم اس جہت سے دیکھو گے تو تمہیں ان کا مرتبہ اتنا بلند نظر آئے گا جس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا، تم یہ بھی جانتے ہو کہ صحابۂ کرام کے بعد امت محمدیہ میں بڑے بڑے ائمہ کرام، علماء اور اولیائے عظام ہوئے جن کے فضائل ومناقب کا احاطہ نہیں ہو سکتا۔ اس لحاظ سے حضرت معاویہ بزرگ صحابۂ کرام سے فضیلت میں کم ہونے کے باوجود تابعین اور دیگر مسلمانوں سے افضل ہیں، کیونکہ وہ ذاتی فضائل وکمالات سے متصف ہونے کے علاوہ صحابیت کتابت وحی، اہل شرک وطغیان سے جہاد اور دینی خدمات سرانجام دینے کے شرف سے مشرف ہیں، انہوں نے خلفائے ثلاثہ کے عہد خلافت میں راہ خدا میں جہاد کیا۔ پھر خود مستقل حکمران بنے اور تقریباً اڑتالیس سال شام میں رہے، چھ سال تک اپنے بھائی یزید کی قیادت میں رہے، پھر بائیس سال تک شام اور حدود روم کے مجاہد اور گورنر رہے، بعدازاں بیس سال تک شام وحدود روم کے خود مختار حاکم رہے، ان کے ہاتھ پر بکثرت فتوحات ہوئیں، ان کا لشکر، جس میں حضرت ابوایوب انصاری بھی تھے، قسطنطنیہ تک پہنچ گیا، حضرت ابوایوب انصاری کا وصال قسطنطنیہ ہی میں ہوا اور وہیں مدفون ہوئے اور آج بھی ان کی قبر زیارت گاہِ خاص وعام ہے، ان تمام فضائل وکمالات کے باوجود (جن میں کوئی غیر صحابی ان کا مماثل نہیں) حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ وہی نسبت ہے جو چاندی کے درہم کو سونے کے ڈھیر بلکہ بیش قیمت جواہرات کے ساتھ ہوتی ہے، میں نے اپنے قصیدے **سعادة المعاد فی موازنة بانت سعاد فی مدح سید العباد** میں یہ شعر کہا۔

کالشمس فی الافق الاعلی ابوحسن و من معاویة فی الارض قندیل

''علی رضی اللہ عنہ افق اعلیٰ پر سورج کی مانند ہیں جبکہ معاویہ رضی اللہ عنہ زمین پر قندیل کی طرح ہیں''

واضح رہے کہ یہ بات مبالغہ آرائی نہیں، نہ شاعرانہ تخیل ہے بلکہ دونوں حضرات کے درمیان درجات کا اتنا ہی فرق ہے بلکہ اس سے زیادہ، جیسا کہ سورۂ حدید کی اس آیت کریمہ میں ہے۔

لایستوی منکم من انفق من قبل الفتح و قاتل (الی اخر الایة) — تم میں برابر نہیں وہ جنہوں نے فتح مکہ سے قبل خرچ اور جہاد کیا۔

دیکھئے! حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ فتح مکہ سے پہلے ایمان لائے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بعد میں، پھر جب حضرت خالد رضی اللہ عنہ کا حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے ساتھ اختلاف ہوا تو حضور ﷺ نے حضرت سلمان سے فرمایا:

دَعُوا اِلیٰ اَصْحَابِیْ فَوَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ لَوْاَنَّ اَحَدَکُمْ اَنْفَقَ مِثْلَ اُحُدٍ ذَھَبًا مَا بَلَغَ مُدَّاَحَدِھِمْ وَلاَ نَصِیْفَہٗ — میرے اصحاب کو چھوڑو، اللہ کی قسم! اگر تم احد پہاڑ کے برابر بھی سونا راہ خدا میں خرچ کرو تو ان کے ایک مد یا نصف مد جو کے برابر نہیں ہوسکتا۔

قرآن حکیم کی مذکورہ بالا آیت میں تصریح ہے کہ حضرت خالد اور ان جیسے دیگر صحابۂ کرام جو فتح مکہ سے قبل ایمان لائے وہ حضرت معاویہ اور بعد فتح مکہ ایمان لانے والے صحابہ سے بڑا درجہ رکھتے ہیں مگر اس درجہ کی بڑائی صرف اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کیونکہ یہ ایسا درجہ ہے جس کا مقابلہ زندگی بھر کے نیک اعمال سے نہیں ہوسکتا۔

رسول اللہ ﷺ نے بقسم تصریح فرمائی ہے کہ حضرت خالد جیسے صحابہ کرام جو سابقین اسلام کے بعد ایمان لائے اگر احد پہاڑ کے برابر بھی سونا راہ خدا میں خرچ کریں تو سابقین اسلام کے مد یا نصف مد کے برابر نہیں ہوسکتا، پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت سلمان پر بہت زیادہ ایمانی سبقت حاصل ہے کیونکہ آپ سابقین اولین میں شامل ہیں، جبکہ حضرت

سلمان ہجرت کے بعد ایمان لائے، یہاں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دیگر فضائل کا تذکرہ نہیں جن کی وجہ سے آپ دیگر صحابہ پر فضیلت رکھتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے درمیان فضیلت کا کتنا بڑا تفاوت ہے؟ ہم اپنی ناقص عقلوں سے تصور نہیں کر سکتے۔

اس حقیقت کو سمجھانے کے لئے ایک اور دلیل پیش خدمت ہے۔ غزوۂ حنین میں جب نبی اکرم ﷺ نے تقسیم غنیمت سے پہلے بعض مولفہ قلوب جن میں ابوسفیان اور ان کے دونوں بیٹے (یزید اور معاویہ) بھی شامل تھے۔ غنیمت کا بڑا حصہ عطا فرمایا تو کسی صحابی نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ نے عیینہ بن حصن اور اقرع بن حابس کو سوسو (اونٹ یا دیگر جانور) دیئے، جعیل بن سراقہ ضمری کو کچھ نہیں دیا، حالانکہ وہ نادار اور شدید محتاج ہیں، اور اہل صفہ میں سے ہیں، فرمایا:

اَمَا وَالَّذِیْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِیَدِهٖ لَجَعِیْلُ بْنُ سُرَاقَةَ خَیْرٌ مِّنْ طِلَاعِ الْاَرْضِ کُلِّهِمْ مِثْلُ عُیَیْنَةَ ابْنِ حِصْنٍ وَالْاَقْرَعِ بْنِ حَابِسٍ وَلٰکِنِّیْ تَاَلَّفْتُهُمَا لِیُسْلِمَا وَوَکَّلْتُ جَعِیْلَ بْنَ سُرَاقَةَ لِاِسْلَامِهٖ

اس ذات کی قسم جس کے دست قدرت میں محمد ﷺ کی جان پاک ہے جعیل بن سراقہ عیینہ اور اقرع جیسے زمین بھر کے لوگوں سے افضل ہیں، لیکن میں نے دونوں کی دلجوئی اور تالیف قلب کی ہے تاکہ مخلص مسلمان بن جائیں اور جعیل کو ان کے اخلاص اسلام کی وجہ سے نظر انداز کر دیا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور معاویہ رضی اللہ عنہ کے درمیان فضیلت کا تفاوت عیینہ اور جعیل کے درمیان فرق سے کم نہیں، بلکہ بہت زیادہ ہے۔

☆☆☆☆☆

فصل

حضور امت کے روحانی باپ

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِہِمْ   نبی مومنوں سے ان کی جانوں سے زیادہ قریب ہیں۔

بیضاوی اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

''ایک قرأت میں وَھُوَ اَبٌ لَّھُمْ بھی ہے، جس کا مطلب ہے کہ حضور امت کے دینی اور روحانی باپ ہیں، کیونکہ ہر نبی اپنی امت کے لئے حیات ابدی کا سبب ہونے کی وجہ سے اس کا روحانی باپ ہوتا ہے اور اسی بناء پر اہل ایمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔''

مَاکَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِکُمْ وَلٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰہِ

(یعنی محمد تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں، بلکہ آپ اللہ کے رسول ہیں) کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔

''حضور حقیقی باپ نہیں تا کہ آپ کی امتیوں کے ساتھ وہ حرمت ثابت نہ ہو جو باپ اور بیٹے کے درمیان رشتہ کی وجہ سے ہوتی ہے۔ اور ہر رسول شفقت اور خیر خواہی کی جہت سے اپنی امت کا باپ ہوتا ہے، اسی وجہ سے اس کی عزت وتوقیر اور اطاعت لازم ہوتی ہے۔

اس حقیقت کو سمجھ لینے کے بعد تم آسانی سمجھ لو گے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کے خلاف خروج کرنے والے صحابۂ کرام اور دیگر اہل ایمان حضور کی روحانی اولاد ہیں (اور آپ سب پر شفقت فرمائیں گے) مگر یہ بات بھی پیش نظر ہے کہ اگر حضور ﷺ کی ظاہری زندگی میں ان کا اختلاف ہوتا اور مقدمہ حضور کی بارگاہ میں پیش ہوتا تو آپ اس کا فیصلہ حضرت علی

رضی اللہ عنہ کے حق میں کرتے اور ان سے اختلاف کرنے والوں سے ناگواری کا اظہار فرماتے مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ آپ حضرت علی کے مخالفین سے قطع تعلقی نہ کرتے، کیونکہ آپ کی شفقت حقیقی والدین سے بڑھ کر تھی، بلکہ بحکم آیت مذکورہ آپ ان کے نفسوں سے بھی زیادہ ان کے حق میں شفیق اور مہربان تھے۔ اس کے ساتھ یہ بھی یقین ہے کہ آپ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اختلاف کرنے والوں پر فوقیت دیتے جس کے اسباب حسب ذیل ہیں۔

۱۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ علم، شجاعت اور سبقت اسلام میں اپنے مخالفین پر فضیلت رکھتے تھے۔

۲۔ آپ حضور کے سگے چچا ابوطالب کے بیٹے ہیں جنہوں نے حضور ﷺ کی پرورش کی اور مشکلات میں آپ کی مدد کی۔

۳۔ حضور ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بچپن میں پرورش کی، اس لحاظ سے وہ آپ کے بمنزلہ بیٹے کے تھے۔

۴۔ حضور ﷺ نے اپنے جگر پارہ سیدہ فاطمۃ الزہراء کا عقد نکاح حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ کیا۔

۵۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کے نواسوں حسنین کریمین کے ابا اور آپ کی ذریت طاہرہ کے جدامجد ہیں۔

۶۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ خلافت کے معاملہ میں حق پر تھے اور مخالفین باغی تھے۔

۷۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مخالفین و محاربین نے آپ کو اور ساری امت کو عمل جہاد سے باز رکھ کر خانہ جنگی میں مصروف رکھا جس کی وجہ سے وہ دوطرفہ ہزاروں افراد کے قتل کا سبب بنے، مگر اس کے باوجود وہ اہل ایمان تھے اور حضور کی روحانی اولاد، اور اس میں بھی شک نہیں کہ جو کچھ ان سے وقوع پذیر ہوا، حضور اس سے خوش نہیں۔

ہر منصف مزاج شخص جب اپنی اولاد کے ساتھ اپنے معاملے اور تعلق کا تصور کرے گا جو

باہم (دست و گریباں ہوں تو اسے یقین آ جائے گا) کہ حضور اگر چہ مخالفین علی رضی اللہ عنہ کے اس طرز عمل سے ناخوش ہیں مگر آپ ان کی ہلاکت اور بربادی کے خواہش مند نہیں، بلکہ ان کی بخشش و رحمت کے طلبگار ہیں اور یہ ایسی بات ہے جس میں شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔

کیونکہ آپ نے تو اپنے ان دشمنوں کو بھی معاف کر دیا تھا جنہوں نے آپ سے معرکہ آرائیاں کیں اور آغاز بعثت سے فتح مکہ تک آپ کے خلاف ریشہ دوانیاں کیں اور آپ کو تکلیفیں دیں اور یہ بات ہمارے دعویٰ کی زبردست دلیل ہے، پھر جب وہ لوگ ایمان لے آئے تو آپ نے لطف و کرم اور مال و منال سے ان کی دلجوئی فرمائی، یہاں تک کہ ان کے اسلام میں حسن پیدا ہو گیا۔

دیکھئے! ہجرت سے پہلے اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف فرشتہ بھیجا اور کفار کو حالت کفر میں ہلاک کر دینے کا اختیار دیا مگر آپ نے یہ کہتے ہوئے انکار کر دیا۔

عَسٰی اَنْ یَّخْرُجَ اللّٰہُ مِنْ اَصْلَابِھِمْ مَنْ یُّوَحِّدُہٗ	عنقریب اللہ تعالیٰ ان کی پشتوں میں سے ایسے لوگ پیدا فرمائے گا جو اس کی توحید کا اقرار کریں گے۔

یہ تو تھا کافروں کے ساتھ حضور کا حسن معاملہ پھر اندازہ لگائیے کہ آپ کا اپنے اہل ایمان احباب اور روحانی اولاد سے کس طرح کا حسن سلوک ہو گا، اگر چہ انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ جنگ کر کے خطاء کی۔ بلاشبہ یہ لوگ عفو و کرم کے سزاوار ہیں۔ اور کسی ذی انصاف عقل مند کے دل میں اس نکتۂ نگاہ کے علاوہ کوئی خیال نہیں گزر سکتا۔

☆☆☆☆☆

فصل

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں صحیح نکتہ نگاہ

ہم اہل سنت کے نزدیک حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مانند ہیں جنہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف خروج کیا اور یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنے اس طرز عمل میں مجتہد تھے، ہمارا نکتۂ نگاہ یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اس معاملہ میں مصیب اور ان کے مخالفین مخطی تھے، اور مجتہد کو ہر فعل اجتہاد پر ثواب ملتا ہے، خطاء پر گناہ نہیں ہوتا۔ مصیب مجتہد کو دس نیکیاں ملتی ہیں جبکہ مخطی کو ایک نیکی، (ہم کہتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف خروج کرنے والوں کی نیتیں صحیح اور صاف تھیں۔ کیونکہ وہ قاتلین عثمان سے قصاص (بدلہ) لینے کا قصد رکھتے تھے۔ ان کی نظر میں یہ فعل شرع شریف اور مصلحت امت کے موافق تھا تاکہ فاسق و فاجر لوگوں کو نیک حکمرانوں کے خلاف اقدام کی جرأت نہ ہو۔ یہی وجہ ہے کہ اس خروج و بغاوت سے ان کی عدالت اور خدا خوفی میں خلل نہ پڑا، نہ ان سے دینی روایات لینے میں حرج واقع ہوا۔

فرض کرو کہ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مثلاً حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے (جیسا کہ شیعہ اور بعض غلط کار لوگ جھوٹی تاریخی روایات کے مطالعہ کی بناء پر کہتے ہیں کہ) حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نفسانی اغراض اور دنیاوی خواہشات کی وجہ سے جنگ کی تو ہم اس کے جواب میں بطور جدل و مناظرہ تسلیم کرتے ہوئے کہتے ہیں، کہ ہاں ایسا ممکن ہے کیونکہ وہ معصوم نہیں انسان ہیں، (اور انسان سے خطاء کا امکان رہتا ہے) مگر اتنی بات سے وہ کافر نہیں ہو جاتے صرف خطا کار قرار پاتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ بخش دینے والا مہربان ہے۔

دوسری طرف خدمت دین میں ان کی نیکیاں بے حد و حساب ہیں۔ ان کو شرف صحابیت کا اعزاز حاصل ہے، انہوں نے حضور کی معیت و رفاقت میں جہاد کیا، خلفائے راشدین کے عہد

خلافت میں بلاد شام کی حفاظت وحراست فرمائی، پھر جب مستقل حکمران بنے تو جنگوں اور جہادی کاموں میں مشغول رہے اور بہت سے علاقے فتح کیے تا آنکہ ان کی فوجیں قسطنطنیہ کے دروازے پر دستک دینے لگیں۔

تمہارا کیا خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے کرم وعدل کے باوجود ان کی ایک خطاء پر ان کی تمام نیکیاں ضائع کر دے گا اور ان کی قدر دانی نہ فرمائے گا۔ حالانکہ اس کا ارشاد پاک ہے۔

اِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ　　　بے شک نیکیاں بدیوں کو مٹا دیتی ہیں

اور نبی اکرم ﷺ کا فرمان عالی شان ہے۔

اَتْبِعِ السَّيِّئَةَ الْحَسَنَةَ تَمْحُهَا　　　بدی کے پیچھے نیکی کر، یہ اسے مٹا دے گی۔

اس لئے ہر مسلمان پر لازم ہے کہ انصاف سے کام لیتے ہوئے اس بات کا اعتقاد رکھے کہ اگر چہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جنگ کر کے خطاء کے مرتکب ہوئے مگر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مکرم پر ایمان لا کر، شرف صحابیت سے مشرف ہو کر اور نبی اکرم ﷺ اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کی معیت میں جہاد کر کے بہت بڑی نیکی سے سرفراز ہوئے۔

فرض کریں ان کے حصول مقصد (قاتلان عثمان سے انتقام) کا طریقۂ کار غلط تھا تو اس سے ان کی نیکیاں بدیوں میں تبدیل نہ ہو جائیں گی، کیونکہ بدی فی نفسہا بدی ہے اور نیکی نیکی، اور اللہ تعالیٰ کے لطف وکرم کا تقاضا ہے کہ بدیوں کو معاف فرمائے اور نیکیوں کا بہترین صلہ دے۔ مان لیا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو شدید اذیت دی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ان کے خلاف بہت بڑا حق ہے اور عدل الٰہی کا تقاضا ہے کہ روز قیامت خطاء کار کی نیکیاں لے کر مظلوم کو دے دی جائیں گی اور جب اس کی نیکیاں ختم ہو جائیں گی تو مظلوم کی بدیاں لے کر اس پر ڈال دی جائیں گی اور اسے جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔

جہاں تک بدیوں کا معاملہ ہے، ہم نہیں مانتے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی کوئی ایسی بدی ہو جو غیر مغفور ہو، کیونکہ آپ اکابر اہل بدر میں سے تھے اور نبی اکرم ﷺ نے اہل بدر پر نگاہ لطف و کرم ڈال کر فرمایا۔

اِعْمَلُوْا مَاشِئْتُمْ فَقَدْ غَفَرْتُ لَكُمْ تم جو چاہو کرو میں نے تم کو بخش دیا ہے۔

اور جہاں تک نیکیوں کا تعلق ہے حضرت علی المرتضیٰ کو روز قیامت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی نیکیوں کی ضرورت نہ ہوگی کہ ان کی نیکیوں میں سے کچھ لینی پڑیں۔ کیونکہ ان کا مقام و مرتبہ بہت بلند ہے، اگر یہ حقیقت بے حجاب ہو جائے تو معلوم ہو جائے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اپنی جلالت شان کے باوجود حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مقابلے میں ایک نادار سپاہی ہیں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ ایک بادشاہ ذی جاہ، کیا کوئی صاحب عظمت و جلال بادشاہ کبھی پسند کرتا ہے کہ اس کے لئے کسی نادار سپاہی سے انتقام لیا جائے، اور اس کی خطا کی وجہ سے اس کا سارا سرمایہ چھین لیا جائے نہیں ہرگز نہیں، کوئی عاقل اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔

اس کے ساتھ یہ بھی قابل لحاظ ہے کہ جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا بعد کے اہل ایمان جو شرف صحبت سے محروم ہوں، کے ساتھ موازنہ کیا جائے تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ان کے مقابلے میں بادشاہ عظیم ہیں اور شرف صحبت سے محروم، نادار سپاہیوں کی مانند، یاد رکھیے کہ فضل صحبت کے ساتھ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی بے شمار نیکیاں ہیں، ان میں سے ایک راہِ خدا میں جہاد ہے، بالفعل جسمانی بھی اور اپنے لشکر کے ذریعے بھی، جس کی وجہ سے بہت سے علاقے فتح ہو کر دار کفر سے دار اسلام میں تبدیل ہو گئے اور لاکھوں لوگ دائرہ اسلام میں آئے، اور قیامت تک ان کی اولادیں دامن اسلام سے وابستہ رہیں گی، اس طرح ان سب کی نیکیوں کے برابر ثواب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو بھی ملے گا۔ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

مَنْ سَنَّ فِي الْاِسْلَامِ سُنَّةً حَسَنَةً فَلَهٗ اَجْرُهَا وَ اَجْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ جس نے کوئی اچھا طریقہ جاری کیا تو اسے اس کا اجر ملے گا اور ان لوگوں کے اجر کی مثل بھی

جو قیامت تک اس پر عمل پیرا رہیں گے۔

ہاں! اس بات کا ذکر بھی ضروری ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ روزِ قیامت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی اس خطاء کو معاف کر دیں گے، کیونکہ اس روز اہل ایمان کے دلوں سے کینہ نکل جائے گا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَنَزَعْنَا مَا فِي صُدُوْرِهِمْ مِنْ غِلٍّ اِخْوَانًا

عَلٰی سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِيْن

حضرت سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا مقام و مرتبہ بہت بلند ہے، آپ سے یہ روایت بصحت مروی ہے کہ آپ نے فرمایا:

وَاللّٰهِ اِنِّيْ لَاَرْجُوْ اَنْ اَكُوْنَ اَنَا وَالزبير و لطحة مِمَّنْ قَالَ اللّٰهُ فِيْهِمْ (ونزعنا ما في صُدُوْرهم مّن غلٍّ الى اخره)

بخدا! مجھے امید ہے کہ روز قیامت زبیر، طلحہ اور میں آیت وَ نَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ کا مصداق ہوں گے (یعنی اللہ تعالیٰ ہمارے دلوں سے کینہ نکال دے گا)

سیدی عبدالوہاب الشعرانی رحمۃ اللہ علیہ سنن الکبریٰ میں فرماتے ہیں۔

''روز قیامت اظہار مردانگی کے لئے میں اپنے دوستوں سے پہلے اپنے دشمنوں کی شفاعت کروں گا۔''

ایسا ہی بیان حضرت سیدی محی الدین ابن عربی سے منقول ہے۔ پھر سوچئے کیا یہ دونوں بزرگ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے زیادہ مردانگی رکھتے ہیں؟ ہرگز نہیں! ہرگز نہیں! حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کے درمیان مراتب کی کیا نسبت ہے؟ اور یہ حقیقت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا حضرت امیر معاویہ اور ان کے گروہ کی اجتہادی خطاء سے صرف نظر کرنا نبی اکرم ﷺ کے لئے مسرت کا باعث ہو گا کیونکہ یہ سارے لوگ آپ ﷺ کی روحانی اولاد ہیں۔ اگر ان لوگوں کے دیگر فضائل نہ ہوتے تو یہی نسبت معافی کے لئے کافی تھی۔

عزیزان من! جب تم تاریخ کا مطالعہ کرتے ہو تو تمہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شان میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے گروہ کی طرف منسوب ناگوار باتیں نظر آتی ہیں جس سے تم طیش میں آجاتے ہو اور خیال کرتے ہو کہ اگر کوئی تمہارے ساتھ ایسا سلوک کرے تو تم اسے کبھی معاف نہ کرو۔ چنانچہ تم اس معاملہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ذات پاک کو اپنے اوپر قیاس کرنے لگتے ہو۔ اور سمجھتے ہو کہ وہ بھی معاف کرنے پر تیار نہ ہوں گے مگر یہ تمہاری بھول ہے تمہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کیا نسبت ہے؟

ع چہ نسبت خاک را بعالم پاک

اگر زمین بھر کے لوگ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرح ہوں اور سارے مل کر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ساتھ بُرا طرز عمل اختیار کریں، تب بھی آپ کے بحر کرم کی وسعتوں کے ذریعے انہیں عفو و درگزر سے سیراب کرنا ایک معمولی بات ہے اور آپ کی شان کریم سے بعید ہے کہ آپ دشمن سے انتقام لینے کے لئے اپنے مقام رفیع سے نیچے آئیں، خصوصاً جبکہ آپ کا مخالف آپ کا ہم پایہ نہ ہو، بلکہ اللہ کی قسم! میرا عقیدہ ہے کہ جہاں بھر کے لوگ بھی آپ سے بُرا سلوک کریں تو آپ ان کو معاف فرما دیں گے۔ کیونکہ معاف کر دینا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مکرم ﷺ کو بہت پسند ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَاَنْ تَعْفُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی اور اگر معاف کر دو تو وہ تقویٰ کے زیادہ قریب ہے۔

☆☆☆☆☆

فصل

حضرت عمرو بن العاص کے بارے میں صحیح نکتۂ نگاہ

جہاں تک حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کا تعلق ہے وہ تمام معاملات میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی مثل ہیں، بلکہ ان سے افضل ہیں کیونکہ وہ فتح مکہ سے قبل ایمان لائے۔ اور حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے ہمراہ ہجرت کر کے حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ نبی اکرم ﷺ نے ان کا بھرپور استقبال کیا اور انہیں اس فوج کا کمانڈر مقرر فرمایا جس میں ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما بھی شامل تھے۔ عہد رسالت میں ان کا شمار جلیل القدر صحابہ اور دانشوروں میں ہوتا تھا جن کی طرف مسائل کے حل میں نظریں اٹھتی تھیں، پس جو نکتہ نگاہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں بیان ہو چکا ہے اور بعد کے لوگوں پر ان کی فضیلت ثابت ہو چکی ہے، وہی ہم حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے بارے میں ثابت کرتے ہیں۔ بلکہ ان کے حق میں زیادہ فضیلت کے قائل ہیں کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

لَا یَسْتَوِیْ مِنْکُمْ مَنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَ قَاتَلَ اُولٰٓئِکَ اَعْظَمُ دَرَجَۃً مِّنَ الَّذِیْنَ اَنْفَقُوْا مِنْ بَعْدُ وَ قَاتَلُوْا وَکُلًّا وَّعَدَ اللّٰہُ الْحُسْنٰی (الحدید: ۱۰)	تم میں برابر نہیں وہ جنہوں نے فتح مکہ سے قبل خرچ اور جہاد کیا، وہ مرتبہ میں ان سے بڑے ہیں جنہوں نے بعد فتح کے خرچ اور جہاد کیا اور ان سب سے اللہ جنت کا وعدہ فرما چکا۔

وکلا وعد اللّٰہ الحسنٰی میں غور فرمایئے، تم بھلائی کے اس خدائی وعدہ میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ان کے والد حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ، ان کے بھائی یزید رضی اللہ عنہ اور بعد فتح ایمان لانے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو شامل دیکھو گے۔ جبکہ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ اور دیگر بکثرت اموی، جنہوں نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا ساتھ دیا، فتح

مکہ سے پہلے ایمان لانے کی وجہ سے زیادہ فضیلت کے حامل ہیں، سابقین اسلام اور جنت کی بشارت یافتہ افراد مثلاً حضرت عائشہ، طلحہ، زبیر اور خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کی شان تو کہیں زیادہ بلند ہے، وہ سب اس وعدہ الٰہی کے حق دار اور سزاوار ہیں اور یہ بات بھی شک وشبہ سے پاک ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا، اس کا ارشاد پاک ہے۔

لَا یُخْلِفُ اللّٰہُ الْمِیْعَاد — اللہ تعالیٰ اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا۔

وَ مَنْ اَوْفٰی بِعَھْدِہٖ مِنَ اللّٰہِ — اللہ سے بڑھ کر کون وعدہ پورا کرنے والا ہے۔

ایک سوال

کیا حضرت علی رضی اللہ عنہ سے محبت کرنے والوں کو ثواب ملے گا اور آپ کے مخالفین و محاربین سے دشمنی اور نفرت کا اظہار کرنے والوں کی گرفت ہوگی؟ ۱

جواب

ہاں! حضرت علی رضی اللہ عنہ کی محبت پر ثواب ملے گا اور آپ کے مخالفین سے ناگواری اور عداوت پر سخت مواخذہ ہوگا مگر ان کی خطائے اجتہادی بغاوت اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے معرکہ آرائی کا تذکرہ مستثنیٰ ہے، جس طرح کوئی شخص اپنے باپ بیٹے یا محبوب شخص سے ارتکاب خطا کو اچھا نہیں سمجھتا مگر اس کے باجود وہ اس کی ذات سے نفرت نہیں کرتا۔ یونہی مخالفین علی رضی اللہ عنہ کے خروج و بغاوت پر ناگواری درست ہے مگر ان سے دشمنی رکھنا جائز نہیں کیونکہ ان کی خطائے اجتہادی واضح اور ظاہر ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مثلاً حضرت زبیر رضی اللہ عنہ وغیرہ نے ظہور خطاء پر جنگ سے کنارہ کشی کر لی، اور اپنی خطاء پر اصرار نہ کیا۔ مگر ہم متاخرین امت کے لئے جائز نہیں کہ وہ ناگواری کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ذاتوں تک لے جائیں، بلکہ ان سے اس طرح محبت کریں جس طرح اپنے آباؤ اجداد اور اپنے بیٹوں سے محبت کرتے ہیں بلکہ ان کے انگنت اوصاف جمیلہ کی وجہ سے زیادہ محبت کریں، ان اوصاف جمیلہ میں چند حسب ذیل ملاحظہ فرمائیے۔

۱۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مکرم ﷺ پر ایمان لانا۔

۲۔ شرف صحبت رسالت سے مشرف ہونا۔

۳۔ راہ خدا میں جہاد کرنا۔

۴۔ اللہ تعالیٰ کے دین کی تائید وحمایت اور نبی اکرم ﷺ کی ہر حال میں نصرت و اعانت کرنا۔

۵۔ مخالفین اسلام اور دشمنان مصطفیٰ ﷺ سے نفرت وعداوت رکھنا خواہ وہ قریبی رشتہ دار، والدین یا بیٹے ہوں۔

یہ ایسے اوصاف جمیلہ ہیں کہ اگر ہم ان اوصاف سے متصف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے محبت نہ کریں تو ہم سچے مسلمان نہیں اور جب ان اوصاف کی وجہ سے ان کو محبوب رکھیں تو اللہ تعالیٰ اس کے رسول مقبول ﷺ اور تمام اہل ایمان کو خوش کریں گے جن میں اہل ایمان کے سردار سیّدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ بھی شامل ہیں اور اہل بیت کرام۔

یہ بات بھی مخفی نہ رہے کہ انبیائے کرام کی عصمت پر تمام اسلامی فرقے متفق نہیں بعض خارجی اور معتزلی تو مطلقاً عدم عصمت کے قائل ہیں، البتہ وہ تبلیغ رسالت میں خیانت اور تحریف

نوٹ نمبرا: اس اختلاف کا پس منظر بیان کرتے ہوئے سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

كَانَ بَدْءُ اَمْرِنَا اَنَّا اِلْتَقَيْنَا وَالْقَوْمُ مِنْ اَهْلِ الشَّامِ وَالظَّاهِرُ اَنَّ رَبَّنَا وَاحِدٌ وَ نَبِيَّنَا وَاحِدٌ وَ دَعْوَتُنَا وَاحِدَةٌ وَلَا فِى الْاِسْلَامِ نَسْتَزِيْدُهُمْ فِى الْاِيْمَانِ بِاللّٰهِ وَالتَّصْدِيْقِ بِرَسُوْلِهٖ وَلَا يَسْتَزِيْدُوْنَنَا وَالْاَمْرُ وَاحِدٌ اِلَّا مَا اخْتَلَفْنَا فِيْهِ مِنْ دَمِ عُثْمَانَ وَ نَحْنُ مِنْهُ بُرَاءٌ (نہج البلاغہ خط نمبر ۵۸)

اہل شام کے ساتھ ہمارے اختلاف کا نکتۂ آغاز (دینی اختلاف نہ تھا) بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ہمارا رب ایک ہے، ہمارا رسول ایک ہے، دعوت اسلام ایک ہے، ہم خدا پر ایمان لانے اس کے رسول کی تصدیق کرنے میں ان پر کسی فضیلت کے خواہاں نہیں، نہ وہ ہم پر فضل و زیادتی کے طلبگار ہیں ہمارے اختلاف کی بنیاد خون عثمان ہے (وہ ہم پر الزام رکھتے ہیں) حالانکہ ہم اس سے بری ہیں۔

کا عقیدہ نہیں رکھتے کیونکہ وہ ان دونوں عیبوں سے بالا جماع معصوم ہیں، اور آیات واحادیث کے ظاہری پہلوؤں کا یہی مفاد ہے، جبکہ محققین ائمہ اہل سنت، نیز علمائے شیعہ انبیا علیہم السلام کو قبل نبوت اور بعد اظہار نبوت معصوم جانتے ہیں۔ اس لئے وہ انبیاء کی طرف منسوب گناہوں اور خطاؤں کے ارتکاب کی آیات کی تاویل کرتے ہیں۔ اور یہ بات محقق ہے کہ صحابہ کرام انبیائے عظام سے زیادہ مقام و مرتبہ نہیں رکھتے۔ اس لئے اگر ان سے ایسی خطائیں سرزد ہو جائیں تو ان کا جواز و امکان ہے، پس حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف بغاوت و خروج کا جرم جتنا بھی بڑا ہو اللہ تعالیٰ کی وسعت عفو و کرم سے بڑا نہیں، نہ ہی دامان رحمت ان سے تنگ ہے نہ کوئی صاحب عقل دانش مسلمان ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ان گنت فضائل و محاسن کا انکار کر سکتا ہے۔ وہ (صحابہ کرام) یا ان کے محبین شرف صحابیت کی وجہ سے ان کے لئے جتنے بلند مقام و مرتبہ کا دعویٰ کریں ہر منصف مومن کے نزدیک یہ دعویٰ سچا ہو گا جس کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔ کیا کوئی سلیم القلب دیندار مسلمان یہ کہہ سکتا ہے کہ یہ بے شمار محاسن اور فضائل ایک خطاء کے ازالہ کی طاقت نہیں رکھتے، حاشا وکلا!

واذا الحبیب اتی بذنب واحد جب محبوب سے ایک خطا سرزد ہو گی تو اس
جاء ت محاسنہ بالف شفیع کے محاسن ہزاروں سفارش کرنے والے لے
آئیں گے۔

برادران من! میں نے تمہارے لئے بات کو بہت طول دیا ہے اور طرح طرح سے تم کو مطمئن کرنے کی کوشش کی ہے تا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے حامیوں کے بارے میں امت محمدیہ کے لئے نقصان دہ تاریخی واقعات کے مطالعہ سے تمہارے سینے میں جو غیظ وغضب بھڑکتا ہے، وہ ٹھنڈا ہو جائے۔

میرے بھائیو! اس غیظ و غضب کو جانے دو، اپنے اوپر شیطان کو مسلط ہونے کا موقع نہ دو۔ اور ان لوگوں کا ادب و احترام کرو جو تم سے لاکھوں درجے افضل اعلیٰ اور خدا ترس تھے، ان

واقعات کے مطالعہ، ذکر و بیان اور ان میں غور و خوض سے اجتناب کرو۔ جن سے شان صحابہ میں گستاخی کا راستہ کھلتا ہے کیونکہ ایسا کرنا حرام ہے یاد رکھو! کہ تاریخ کے اکثر واقعات جھوٹے بے بنیاد اور من گھڑت ہیں۔

میرے دینی بھائیو! ان آداب الٰہی کو اختیار کرو جو اللہ تعالیٰ نے ہمیں اپنی کتاب کریم میں سکھائے ہیں، اس نے فرمایا: یہ دعا مانگو:

رَبَّنَا اغْفِرْلَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِیْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِیْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِیْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَا اِنَّکَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ

اے ہمارے پروردگار! ہم کو بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو جو ہم سے ایمان میں بازی لے گئے اور ہمارے دلوں میں اہل ایمان کے لئے کینہ نہ رکھ، اے ہمارے رب! بے شک تو رؤف اور رحیم ہے۔

☆☆☆☆☆

خلافت عمر رضی اللہ عنہ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اسلام سے پہلے بھی بڑے معزز اور قریش کے سردار تھے۔ ان کے اسی مقام و منصب کے پیش نظر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ وہ عمر بن خطاب یا عمرو بن ہشام کے ذریعے اسلام کو قوت دے، اور آپ کی یہ دعا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حق میں قبول ہوگئی۔ جب انہوں نے اسلام قبول کیا تو اس سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل ایمان کو بڑی خوشی ہوئی۔ اس وقت ان کی تعداد قلیل تھی اور وہ مشرکوں کی اذیت کے باعث چھپے چھپے رہتے اور عقیدے کا اظہار نہ کر سکتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے قریش کی مجلسوں میں اپنے اسلام کا برملا اظہار کیا۔ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اس کی ترغیب دی۔ تو حضور نے بھی اپنے ساتھیوں سمیت اس کا کھلم کھلا اظہار کیا۔ یہ پہلا دن تھا جس میں اللہ تعالیٰ نے اسلام کو اعزاز بخشا اور اسی وجہ سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو "فاروق" کے لقب سے نوازا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے ذریعے حق و باطل کے درمیان فرق واضح کر دیا۔ اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال تک نرمی سختی کے تمام حالات اور سفر حضر میں آپ کے ساتھ رہے اور کسی غزوہ میں حضور سے الگ نہ ہوئے۔ تمام صحابہ کرام میں آپ کو بلند مقام حاصل تھا اور بارگاہ رسالت میں سوائے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے کسی کو اتنی فضیلت حاصل نہ تھی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ وزیر اوّل کا منصب رکھتے تھے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ وزیر دوم کا، عام صحابہ کرام کے نزدیک بھی یہ مرتبہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو حاصل تھا نہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اور نہ کسی اور کو، اس کی دلیل یہ ہے کہ جب ابوسفیان رضی اللہ عنہ فتح مکہ سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عہد صلح کی تجدید کے لئے آیا تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس گیا پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس گیا کہ آپ حضور کی بارگاہ میں تجدید صلح کی

سفارش کریں۔ انہوں نے حامی نہ بھری تو حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کے پاس آیا مگر انہوں نے بھی سفارش نہ کی۔ اسی طرح جب حضور نے بعض وجوہات کی بناء پر کعب بن زہیر کا خون مباح ٹھہرایا تو وہ سفارش کے لئے پہلے حضرت ابو بکر پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے پاس پہنچا۔ انہوں نے بات نہ مانی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قصد کیا تو انہوں نے بچنے کی تدبیر بتائی۔ اس سے معلوم ہوا کہ مشرکین بھی بارگاہ رسالت میں حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی تمام صحابہ پر فضیلت سمجھتے تھے۔ اور یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں۔ جس سے وہی شخص جاہل رہ سکتا ہے جسے سیرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ حضور کے تعلقات اور تاریخی واقعات و احوال کی خبر نہ ہو۔ کیونکہ حدیث سیر اور تاریخ کی کتابیں علی الاطلاق اس بات پر متفق ہیں کہ حضور کی بارگاہ میں شیخین کریمین کو دیگر اصحاب پر تقدیم و فضیلت حاصل تھی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تمام اہم امور میں دوسرے صحابہ سے پہلے شیخین رضی اللہ عنہما سے مشورہ فرمایا کرتے تھے۔ اور زیادہ تر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے ہی درست ثابت ہوتی۔ بدر کے قیدیوں کے بارے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے مشورہ فرمایا تو انہوں نے کہا ان قیدیوں کو قتل کر دیا جائے اور ان سے فدیہ قبول نہ کیا جائے۔ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! یہ پہلا معرکہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے اسلام کو فتح عطا فرمائی۔ اس لئے قیدیوں سے فدیہ قبول نہ کیا جائے اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ مشرکوں کے دلوں میں مسلمانوں کی دھاک بیٹھ جائے گی۔ ہم میں سے ہر ایک کو اس کا قریبی رشتہ دار دیجئے جسے وہ اپنے ہاتھ سے قتل کرے۔" لیکن اس کے برعکس حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان سے فدیہ قبول کر کے رہا کرنے کا مشورہ دیا اور عرض کیا یا رسول اللہ! یہ قبیلے کے لوگ ہیں (ان سے درگزر بہتر ہے) اور ان کے فدیہ سے مسلمانوں کو جہاد فی سبیل اللہ میں بڑی تقویت حاصل ہوگی۔"

چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی فطرتی رحمت و شفقت کے باعث حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی رائے پر عمل کیا۔ اس پر یہ آیہ کریمہ نازل ہوئی۔

مَاكَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِى الْاَرْضِ ؕ تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا ۖ وَاللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝ لَوْ لَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ لَمَسَّكُمْ فِيْمَآ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝ فَكُلُوْا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلًا طَيِّبًا ۖ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ (سورة الانفال ۶۷ تا ۶۹)

نہیں مناسب نبی کے لئے کہ ہوں اس کے پاس جنگی قیدی، یہاں تک کہ غلبہ حاصل کرلے زمین میں، تم چاہتے ہو دنیا کا سامان اور اللہ تعالیٰ چاہتا ہے (تمہارے لئے) آخرت اور اللہ تعالیٰ بڑا غالب اور دانا ہے۔ اگر نہ ہوتا حکم الٰہی پہلے سے (کہ خطاء اجتہادی معاف ہے) تو ضرور پہنچتی تمہیں بوجہ اس کے جو تم نے لیا ہے۔ بڑی سزا۔ سو کھاؤ جو تم نے غنیمت حاصل کی ہے۔ حلال اور پاکیزہ اور ڈرتے رہو اللہ تعالیٰ سے، یقیناً اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہمیشہ حضور کی بارگاہ میں آپ کے وصال تک اس بلند منصب پر فائز رہے اور آپ کے بعد حضرت ابوبکر صدیق کے وزیر اعظم بنے جو کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کا بارگاہ رسالت میں مقام و مرتبہ تھا۔ اس لئے خلافت صدیقی کے دوران امت محمدیہ کو جتنی بھلائی ہاتھ آئی اس میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے لئے بھی ثواب عظیم ہے۔ کیونکہ تمام دینی اور دنیوی اہم امور میں آپ حضرت ابوبکر صدیق کے قابل اعتماد ساتھی اور خلافت کے رکن رکین تھے۔ اسی لئے حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے آپ کو اپنے بعد اس منصب خلافت کے لئے اہل سمجھا۔ اس بارے میں کسی صحابی نے اختلاف نہیں کیا۔ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ حضرت ابوبکر کے بعد حضور کی بارگاہ میں آپ کا درجہ سب سے بلند تھا۔ آپ عقل فضیات حسن تدبیر سیاست عامہ اور شجاعت تامہ کے لحاظ سے خلافت کی ذمہ داریاں اٹھانے پر زیادہ قدرت رکھتے تھے۔ آپ ایسے مضبوط نفس کے مالک تھے جو باطل کو کسی صورت گوارا نہ کرتا اور جسے اللہ کے بارے میں کسی ملامت گر کی ملامت کا خوف نہ ہوتا۔ یہ ایسی صفات کمال ہیں جو منصب خلافت کے لئے ضروری ہیں اور جو کسی اور میں اس طرح جمع نہیں ہوئیں جس طرح آپ کی ذات میں جمع ہو گئی تھیں۔

بعض لوگوں کو آپ کی سخت گیری کا اندیشہ تھا کیونکہ دین خداوندی کے بارے میں آپ کی

سخت گیری اور عدم مدارات مشہور تھی۔ مگر بار خلافت اٹھانے کے بعد معاملہ برعکس نظر آیا۔
آپ امت محمدیہ کے لئے انتہائی رحیم وشفیق ثابت ہوئے۔ حزم واحتیاط، تدبیر وحسن انتظام
رعیت، دینی دنیوی سیاست اور مختلف طبقات کے درمیان عدل و انصاف، عام مومنین پر
رحمت، قانون شکنوں پر شدت اہتمام افواج، جہاد فی سبیل اللہ اور کثرت فتوحات آپ کے وہ
کارنامے ہیں جو باتفاق موخین تاریخ انسانیت میں کسی اور شخص کے نامۂ عمل میں جمع نہ ہو
سکے۔ آپ نے اس وقت کی عظیم عالمی طاقتوں کو پاش پاش کر دیا، شام اور ملحقہ علاقوں میں
سلطنت روم ایران وعراق میں سلطنت ایران اور مصر میں دولت قبط کا نام ونشان مٹ گیا اور
آپ نے اتنے قلیل عرصے میں ان ملکوں اور ان کے پایۂ تختوں پر قبضہ کیا کہ اگر اللہ تعالیٰ کی
قدرت ونصرت شامل حال نہ ہوتی تو کچھ علاقوں کو فتح کرنا بھی ممکن نہ تھا۔ ارادۂ الٰہی میں یہ تھا
کہ آپ کے ہاتھوں دین اسلام تیزی سے پھیلے اور سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی
عالمگیر رسالت کا اثبات ہو۔ جب سے آپ نے عنانِ خلافت سنبھالی۔ اسلام متواتر عظمتوں
اور رفعتوں کی طرف گامزن رہا۔ اس کی اشاعت میں وسعت آ گئی اور بحر کرم کا فیضان بسیطۂ
عالم پر محیط ہو گیا اس کی حکومت نے اقوام وامم کو اپنے دامن میں لے لیا یہاں تک کہ عرب وعجم
نے بخوشی یا ناخوشی آپ کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا۔ اور اسلام کے دائرے میں وہ عظیم وسعت
پیدا ہوئی جو آئندہ کی تمام اسلامی فتوحات کا پیش خیمہ اور اساس بن گئی۔

ان تمام تر کامیابیوں اور فتوحات کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خلافت کی باگ ڈور
اپنے بیٹے حضرت عبد اللہ کے ہاتھ میں نہ دی، حالانکہ وہ اس کی بھرپور صلاحیت اور اہلیت رکھتے
تھے۔ اور بزرگ صحابہ اور اکابر علماء میں شمار ہوتے تھے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی طرح ان کے
لئے بعد میں ہونے والے خلیفہ کے بارے میں ٹھیک رائے قائم نہ ہو سکی اگر آپ کسی شخص کے
بارے میں صحیح رائے قائم کر لیتے تو یہ ذمہ داری اس کو سونپ دیتے۔ مگر شدت ورع، دقت نظر اور
شفقت امت کی وجہ سے آپ کے لئے یہ معاملہ مشکل ہو گیا کیونکہ آپ قوتِ دین کی انتہا اور کمال
کو پہنچے ہوئے تھے جس طرح کمال عقل کی بلندیوں کو چھو رہے تھے۔ اور یہ بات معلوم ومشہور ہے

کہ اس وقت تمام صحابہ میں کسی شخص کے اندر ایسے اوصاف جمع نہ تھے جو خلافت کی گرانباریوں کو اٹھا سکتا اور تمام امت کو اپنی اطاعت اور فرمانبرداری کے لئے تیار کر لیتا جس طرح وہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی فرمانبرداری پر جمع ہو گئی تھی۔ ایسا کامل الصفات شخص مل جاتا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ معاملات خلافت اس کے سپرد کر دیتے۔ یہ درست ہے کہ مسلمانوں میں خلافت کے اہل ایسے لوگ ضرور ہوتے ہیں جن میں بعض ایسی خصوصیات ہوتی ہیں جو دوسروں میں نہیں ہوتیں۔ تو یہ ہیں سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ اور یہ ہے آپ کی سیرت و خلافت کا نقشہ۔

میرے شیعہ دوست! اب بتا تیری کیا رائے ہے؟ کیا خلافت عمر رضی اللہ عنہ نے دین مبین کو فائدہ دیا یا اسلام اور مسلمانوں کو نقصان پہنچایا؟

سبحان اللہ عجیب صورت حال ہے۔ ہم کافروں کو دیکھتے ہیں وہ اپنی کتابوں میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شخصیت خلافت کثرتِ عدل اور حسن سیرت پر ناز کرتے ہیں آپ کی بے نظیر سیاست اور راست روی کی شہادت دیتے ہیں اور آپ کی تعریف وثناء میں اس حد تک ترانہ سنج ہیں کہ اس بے مثال خلاف کی وجہ سے آپ کو دنیا کے تمام حکمرانوں پر فوقیت دیتے ہیں۔ مگر ہم بعض اہل شیعہ بالخصوص اہل فارس (ایران) کا معاملہ الٹ دیکھتے ہیں (کہ وہ خلافت فاروق اعظم پر تنقید کرتے ہیں حالانکہ) اگر وہ شجرہائے نسب کو یاد رکھتے تو معلوم کر لیتے کہ ان کے پہلے آباؤ اجداد جو مجوسیت کے علم بردار تھے۔

عساکر عمر رضی اللہ عنہ جنہوں نے سرزمین ایران کو فتح کیا، کے واسطہ سے دین اسلام میں داخل ہوئے اور راہِ ہدایت پر آئے یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اہل ایران اور ان کی نسلوں پر قیامت تک بہت بڑا احسان ہے۔ مگر یہ لوگ اپنے آباؤ اجداد اور اپنے اوپر خصوصاً اور امت محمدیہ پر عموماً حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے احسانات کو فراموش کر چکے ہیں۔

اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحم فرمائے جو اس کی ذات سے خوف رکھے۔ خواہشات کو چھوڑ دے اور اہل حق کا حق پہچان کر ادا کرے۔ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ۔

☆☆☆☆☆

خلافت وسیرت عثمان رضی اللہ عنہ

ایام جاہلیت میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا شمار قریش کے عظیم سرداروں میں ہوتا تھا۔ آپ سابقین اسلام میں سے تھے، دو دفعہ ہجرت کی، دونوں قبلوں کی طرف نماز پڑھی اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دو صاحبزادیوں سے نکاح کا شرف حاصل کیا اسی وجہ سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ذوالنورین کے لقب سے نوازا، آپ شروع اسلام سے لے کر وصال نبوی تک بارگاہ رسالت کے بزرگ اور آپ کے بڑے محب اور محبوب رہے یہاں تک کہ جمہور صحابہ کرام کے نظر میں شیخین رضی اللہ عنہما کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں سب سے زیادہ فضیلت رکھتے تھے، جیسا کہ صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ جو کہ صحابہ کرام میں علم وفضل اور ورع وتقویٰ میں بلند مقام رکھتے ہیں، سے صحیح حدیث مروی ہے۔ وہ فرماتے ہیں،

كُنَّا نُفَضِّلُ بَيْنَ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلَّى اللّٰهُ عليه وسلم فَنُفَضِّلُ اَبَابَكْرٍ ثُمَّ عُمَرَ ثُمَّ عُثْمَانَ.

ہم اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مراتب کے درمیان موازنہ کرتے تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو سب پر فضیلت دیتے پھر عمر کو پھر عثمان کو،

حالانکہ حضرت عبداللہ بن عمر کی حضرت ابوبکر یا حضرت عثمان کے ساتھ زیادہ قرابت داری نہ تھی، اگر محبت کی وجہ سے جانبداری کرتے تو اپنے باپ حضرت عمر کو حضرت ابوبکر صدیق پر فضیلت دیتے، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے رشتہ داری کی بناء پر حضرت علی کو مقدم کرتے۔

حضرت عثمان جاہلیت میں سردار قریش تھے۔ آپ کے اہل قوم بنو امیہ کثرت تعداد اور سرداری کی وجہ سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے شدید ترین دشمن تھے، مگر حضرت عثمان نے

اپنی قوم کی مخالفت کر کے آغاز بعثت ہی میں اسلام قبول کر لیا، اس وقت اسلام نیا نیا آیا تھا اور انتہائی کمزور اور پوشیدہ تھا جبکہ شرک بہت طاقتور اور غالب تھا،

آپ نے حبشہ پھر مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی، اکثر غزوات و مشاہد میں حضور کے ہم کاب رہے، حیات رسول میں اسلام پر بڑے احسانات کئے اس معاملے میں کوئی آپ کا ہم پایہ نہ تھا، آپ نے غزوہ تبوک میں بے سروسامان لشکر کو مسلح کیا، حدیبیہ کے روز حضور نے سفیر بنا کر آپ کو مکہ المکرمہ بھیجا تا کہ وہاں کے کمزور مسلمانوں کی ڈھارس بندھے، اس سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر کو حکم دیا مگر انہوں نے قریش کی شدید دشمنی اور اپنے قبیلے کی قلت کا عذر پیش کیا اور ساتھ ہی حضرت عثمان کا نام تجویز کیا کیونکہ مکہ مکرمہ میں حضرت عثمان کی قوم کی کثرت اور نسلی عصبیت تھی۔ چنانچہ آپ نے جا کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مشن کو کما حقہ پورا کیا، مگر بیت اللہ شریف کا اس لئے طواف نہ کیا کہ ابھی حضور نے اس کا طواف نہ کیا تھا۔ (آپ شرم وحیاء کے پیکر تھے یہاں تک کہ) حضور آپ سے حیاء فرماتے تھے۔ اور جب اس کی وجہ پوچھی گئی تو حضور نے جواب دیا۔

''میں اس سے حیاء کیوں نہ کروں جس سے آسمان کے فرشتے بھی حیاء کرتے ہیں؟''

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بارگاہ رسالت میں برابر یہی بلند مقام، قرب خاص، محبت عظمٰی اور عنایت کبریٰ حاصل رہی۔ یہاں تک کہ حضور کا وصال ہوا اس وقت حضور آپ سے ہر لحاظ سے راضی اور خوش تھے، پھر حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے دور خلافت میں آپ کو یہی مقام و مرتبہ حاصل رہا، پھر جب مسند آرائے خلافت ہوئے تو عادلانہ حکومت اور جہاد فی سبیل اللہ میں حضرت شیخین کے نقش قدم پر چلے یہاں تک کہ سارے کا سارا مغرب اقصیٰ اور افریقہ کے اکثر ممالک فتح ہوئے آرمینیہ خراسان اور آس پاس کے علاقے حدود چین تک اسلامی قلمرو میں شامل ہوئے، فارس کے بقیہ علاقے قبضہ میں آئے اور شہنشاہ ایران کسریٰ آپ کے عہد خلافت میں ہلاک ہوا ادھر قبرص اور روڈس کے جزیرے فتح ہوئے یہ ایسی بکثرت فتوحات ہیں جو فتوحات فاروقی سے لگا کھاتی ہیں، آپ کے عہد خلافت میں اسلام کو

اقطار ارض میں عظیم وسعت ملی، لوگ مسلسل آپ کے انداز حکمرانی سے خوش رہے اور اس پر رشک کرتے رہے تا آنکہ سرداران بنوامیہ کی حکومت مناصب میں اکثریت ہوئی تو مصر اور عراق کے شرپسندوں کو یہ بات پسند نہ آئی انہوں نے بیعت و طاعت کا جوا گلے سے اتار پھینکا اور مدینہ شریف پر چڑھائی کر کے آپ کا محاصرہ کر لیا اور آپ کو ظلم کے ساتھ شہید کر دیا رضی اللہ عنہ

امت محمدیہ کا سواد اعظم (اہل سنت و جماعت) عہد صحابہ سے لے کر آج تک اس مسئلے پر متفق ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ حضرت علی سے افضل ہیں، یہ ایسا اتفاق و اجماع ہے جو مجرد خواہش نفس سے ممکن نہیں کیونکہ ساری امت کا حضرت عثمان کے ساتھ کوئی مخصوص خونی رشتہ نہیں، جیسا کہ اس کی حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ رشتہ داری نہیں اس کے باوجود امت نے انہیں دیگر صحابہ پر اسباب تفضیل کی وجہ سے فضیلت دی اسی طرح امت نے حضرت عثمان کو حضرت علی پر تقدیم دی اگر شیخین کی تفضیل کے اسباب حضرت عثمان کی تفضیل سے زیادہ ظاہر اور واضح ہیں، اس سلسلہ میں ہم پر سلف صالح کی اتباع لازم ہے کیونکہ ہمیں ان کی دینی قوت، علمی کثرت، شدت ورع اور عظیم معرفت اور غیر جانبداری کا کامل یقین ہے اگر وہ جانبداری سے کام لیتے تو حضرت علی کی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رشتہ داری اور قربت کی وجہ سے ان کو ترجیح دیتے۔

صحابہ کرام حضرت عثمان اور حضرت علی کے فضائل و مناقب اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان اقدس سے ان کے حق میں تعریفی کلمات سے بخوبی واقف تھے وہ بارگاہ رسالت میں ان کے قرب کے گواہ تھے، اس آگاہی کے بعد جمہور صحابہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی افضلیت پر اتفاق کیا، یہی جمہور صحابہ کرام تابعین اور آئمہ مجتہدین اور ان کے پیروؤں کا مذہب ہے اور سوائے امام ثوری اور امام مالک کے کسی نے اختلاف نہ کیا امام مالک شروع شروع میں حضرت علی کی حضرت عثمان پر فضیلت کے قائل تھے بعد میں حضرت عثمان کی فضیلت کا تحقق ہوا تو پہلے نقطہ نگاہ سے رجوع کر لیا۔ اور جمہور صحابہ و تابعین کے مذہب سے

اتفاق کرلیا۔ پھر یہ اتفاق اہل مذاہب اربعہ نسل درنسل یہی عقیدہ رہا اور پہلے پچھلوں کو اسی بات کی تلقین وروایت کرتے رہے کتابوں میں اسی عقیدے کی اشاعت ہوتی رہی، محراب و منبر سے اسی نظریے پر وعظ ہوتے رہے، اور محافل ومجالس میں بانگیر اسی بات کا اعلان ہوتا رہا، اور یہ سلسلہ آج تک جاری ہے۔

اے دین حق کے متلاشی اور ائمہ ہدایت کے پیروکار مسلمان جب تو اس حقیقت سے آگاہ ہو گیا۔ تو تیرے دل کو کیسے گوارا ہوگا؟ کہ تو اس عظیم امت کے صحابہ کرام، تابعین عظام، اولیائے امت القیائے ملت مجتہدین دین، علمائے شرع مبین اور دینی و دنیاوی امور کے ماہر سرداروں اور عقلمندوں کے اجماعی عقیدے کو خطاء قرار دے گا۔ کیا تیرے خیال میں اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہوگا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے خوش ہوں گے یا ائمہ اعلام، سادات اہل بیت کرام اس طرز عمل کو پسند فرمائیں گے؟ حاشا وکلا

جہاں تک خلافت کا تعلق ہے حضرت علی اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما اس کے لئے دو برابر کے امیدوار تھے، مگر حضرت عثمان سبقت لے گئے اور حضرت علی پیچھے رہ گئے، اگر حضرت علی سبقت لے جاتے تو حضرت عثمان ان کی پیروی کرتے، ان دونوں کے فضیلت میں باہم قریب ہونے اور دونوں کی خلافت کے لئے اہلیت کی دلیل یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کسی کو مخصوص نہیں کیا اگر وہ کسی کی افضیلت جانتے جس طرح حضرت ابو بکر اپنے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی افضلیت جانتے تھے تو ضرور اسے خلافت کی ذمہ داری سونپتے، مگر انہوں نے کسی کی تخصیص نہ فرمائی اگر جانبداری جائز ہوتی تو حضرت عمر، حضرت علی، کو ترجیح دیتے کیونکہ وہ اپنی زوجہ ام کلثوم کے باپ اور آپ کے بیٹوں کے نانا ابا تھے، حضور سے رشتہ داری کا معاملہ تو الگ ہے، حضرت سیدہ فاطمہ حضرت علی کی زوجہ محترمہ اور اہل بیت نبوت کی والدہ ہیں۔

اگر تم یہ سوال کرو کہ حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کے ساتھ کچھ اور لوگوں کے نام بھی منصب خلافت کے لیے تجویز ہوئے اس لئے دونوں حضرات پر اہلیت خلافت منحصر نہ رہی۔

ہم اس کے جواب میں کہیں گے کہ ہاں حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس کے متعلق بخوبی جانتے تھے کہ خلافت ان دونوں کے درمیان منحصر ہے مگر یہ بھی جانتے تھے کہ بنو ہاشم اور بنو امیہ کے درمیان شدید سیاسی کشمکش ہے اس لئے انہیں اندیشہ ہوا کہ کسی ایک کا نام تجویز کرنے سے کہیں دونوں قبیلوں کے درمیان فتنہ نہ پیدا ہو جائے چنانچہ ان کے ساتھ دوسرے اہل لوگوں کو شامل کر دیا تا کہ ایک مجلس شوریٰ وجود میں آ جائے اور وہ جس پر اتفاق کرے تو امت اس سے راضی ہو جائے پھر ایسا ہی ہوا، الحمد للہ ساری امت نے خلافت عثمان کو پسند کر لیا، حضرت علی اور دیگر اہل بیت کرام نے بھی ان کی بیعت کر لی، اور ہمیشہ ہر معاملے میں ان کی کامل اتباع اور مدد کی، یہاں تک کہ مصر اور عراق میں خارجیوں اور شر پسندوں کا ظہور ہوا اور انہوں نے آپ کو شہید کر دیا، اس ظالمانہ فعل میں صحابہ اور اہل بیت میں سے کسی نے قاتلین کا ساتھ نہ دیا بلکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا دفاع کرتے رہے تا آنکہ حضرت عثمان کی شہادت اور قاتلین عثمان کی سقاوت کا خدائی فیصلہ پورا ہوا حضرت عثمان کی شہادت کے بعد حضرت علی کے دست مبارک پر خلافت کی بیعت کی گئی کیونکہ خلافت اب انہی کے لئے مخصوص ہو چکی تھی۔ اس وقت حضرت طلحہ حضرت زبیر اور حضرت سعد بن ابی وقاص (ممبران شوریٰ) ابھی موجود تھے مگر کسی کے دل میں نہ آئی کہ حضرت علی کی موجودگی میں ان کے ہاتھ پر بیعت کریں، اس سے اس دانشمندانہ فیصلے کی صحت کا علم ہوا جس میں حضرت عمر حضرت عثمان و علی کے ساتھ دوسرے اصحاب کو بھی شامل کیا، اور میرے خیال میں کسی مورخ نے اس دلیل کا ذکر نہیں کیا۔

میں نے ایک خواب دیکھا جس میں حضرت عثمان کی حضرت علی پر فضیلت کی طرف اشارہ تھا میں نے اس خاتمہ کتاب میں ذکر کیا اور یہ تیسویں حکایت ہے اس کی طرف رجوع کرو، اللہ تعالیٰ میری اور تمہاری ہدایت کا مالک ہے۔

☆☆☆☆☆

خلافت علیؓ اور حضرت علیؓ کے خلاف صف آراء ہونے والے صحابہ کرامؓ

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی مظلومانہ شہادت کے بعد صحابہ کرام اور تابعین میں سے ارباب بست وکشاد جمع ہو کر حضرت علی مرتضٰی کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور خلافت کے لیے بیعت کی، کیونکہ خلافت آپ کی ذات اقدس میں منحصر ہو چکی تھی اور آپ کے بے شمار فضائل کی وجہ سے آپ کی موجودگی میں اب کوئی اور اس کا حقدار نہ تھا۔ آپ سابقین اسلام میں سے تھے، کبھی بتوں کی پوجا نہیں کی، آپ ان دس صحابہ کرام میں شامل تھے جنہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت کی بشارت دی۔ حضور کے چچازاد بھائی اور داماد تھے۔ حسنین کے پدر گرامی آل طہارت کے جد امجد ربانی عالم نامور شجاع، قابل تعریف زاہد اور مشہور ومعروف خطیب تھے آپ کا شمار ان لوگوں میں ہوتا ہے جنہوں نے قرآن حکیم جمع کیا اور اسے حضور کے سامنے پڑھا۔

جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ کی ہجرت فرمائی تو آپ کی چند دن مکہ مکرمہ میں ٹھہرنے کا حکم دیا تاکہ آپ اہل مکہ کی امانتیں (جو کہ حضور کے پاس پڑی تھیں) مالکان کو لوٹا دیں اور پیچھے سے آ ملیں، چنانچہ آپ نے ایسا ہی کیا۔ آپ ہجرت کی رات، جبکہ مشرکین مکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کے لیے گھات میں بیٹھے تھے، حضور بستر ناز پر سو گئے اور اپنے آپ کو جاںنثاری کے لئے پیش کر دیا، آپ سوائے غزوہ تبوک کے تمام غزوات میں حضور کے ہم قدم رہے غزوہ تبوک میں حضور نے آپ کو مدینہ کا حاکم بنایا اور فرمایا

''تم مجھ سے وہی نسبت رکھتے ہو جو حضرت ہارون علیہ السلام کو حضرت موسیٰ علیہ اسلام سے تھی''

موسیٰ علیہ اسلام جناب خدا سے مناجات وملاقات کے لئے گئے تو ہارون علیہ السلام کو اپنی قوم میں نائب بنا کر گئے، آپ نے تمام غزوات میں بہادری کے جوہر دکھائے۔ غزوہ بدر

میں سب سے پہلے مشرکوں کو للکارا اور سامنے آنے والے کو ڈھیر کر دیا غزوہ احد میں سولہ زخم کھائے اور غزوہ خندق میں عرب کے مشہور بہادر عمرو بن ود کو چیلنج دیا اور اسے تہہ تیغ کیا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی مقامات پر بالخصوص خیبر کے روز حضرت علی کو علم عطا فرمایا اور پیش گوئی فرمائی کہ فتح علی کے ہاتھ پر ہوگی، نیز آپ کے بارے میں توصیفی کلمات فرمائے تو علی اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے اور اللہ اور اس کا رسول علی سے محبت کرتے ہیں جیسا کہ صحیحین کی حدیث ہے۔ پھر سب کچھ حضور کے ارشاد کے مطابق ہوا، آپ نے خیبر کا دروازہ اکھاڑ کر پھینک دیا اور مسلمانوں نے قلعہ میں داخل ہو کر اسے فتح کر ڈالا بعد میں چالیس آدمی اس دروازے کو نہ اٹھا سکے۔ ایک اور روایت ہے کہ آپ درِ خیبر کو ڈھال بنا کر لڑتے رہے تا آنکہ اللہ تعالیٰ نے فتح عطا فرمائی پھر آپ نے دروازہ اٹھا کر پھینک دیا جسے بعد میں آٹھ آدمی کوشش کے باوجود نہ اٹھا سکے یہ آپ کے ایسے فضائل و کمالات اور قابلِ فخر کارنامے ہیں جن کے احاطہ سے زبانِ قلم عاجز اور دامانِ کتاب تنگ ہے۔

مگر ان فضائل و مناقب کے باوصف آپ کا عہد خلافت بے سکونی کا شکار رہا، اور ہر طرف سے پریشانیوں اور مصیبتوں نے آپ کو گھیرے رکھا۔ اگر تقدیر الٰہی میں آپ کے لئے امن وسکون ہوتا اور امت پہلے خلفاء کی طرح آپ پر کامل اتفاق کرتی تو آپ خلافت کے معاملات سنوارنے، فتوحات کا دائرہ وسیع کرنے اور اسلام کو دور دراز علاقوں تک پھیلانے میں اپنے پیش رووں سے ہرگز پیچھے نہ رہتے، مگر جس وقت آپ نے زمامِ خلافت تھامی، اس وقت امت کی یک جہتی میں رخنہ پڑ چکا تھا شہادت عثمان رضی اللہ عنہ کے باعث شیرازۂ امت بکھر چکا تھا اور لوگ اختلاف آراء و اغراض کی وجہ سے مختلف گروہوں میں تقسیم ہو چکے تھے۔ آپ فتنہ کا سوراخ ایک طرف سے بند کرتے تو دوسری طرف سے کھل جاتا۔ یہاں تک کہ آپ کے انتہائی قابل اعتماد ساتھی بھی آپ کے مدمقابل آ گئے مثلاً حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی معیت میں ایک لشکر جرار کے ساتھ صف آراء ہوئے۔ جس کا نتیجہ جنگ جمل کی صورت میں ظاہر ہوا۔ یہ لوگ قاتلین عثمان سے انتقام لینے کا

مطالبہ کر رہے تھے جبکہ قاتلین آپ کے لشکر میں روپوش ہو چکے تھے۔ اور آپ اس خوف سے انہیں حوالہ کرنے پر آمادہ نہ ہوئے کہ کہیں فتنہ بڑھ نہ جائے۔ اس جنگ میں فریقین کی بہت بڑی تعداد کام آئی جس میں حضرت زبیر اور حضرت طلحہ بھی شامل تھے۔ جنگ کے بعد آپ نے سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو عزت واحترام کے ساتھ مدینہ منورہ واپس کیا۔ اور یہ واضح ہے کہ یہی لوگ آپ کی نصرت وحمایت کے زیادہ سزاوار تھے۔ مگر قضائے الٰہی کے سامنے عقل فائدہ دیتی ہے نہ نظر۔ جب قضاء آتی ہے آنکھ اندھی ہو جاتی ہے۔ جنگ صفین میں جنگ کا پانسہ آپ کے حق میں پلٹنے ہی والا تھا کہ نیزوں پر قرآن لہرانے اور کتاب اللہ سے فیصلہ کرانے کی تدبیر نے کھیل بگاڑ دیا اور دونوں فریق اپنے اپنے ٹھکانوں کی طرف لوٹے۔ فیصلہ تحکیم سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لشکر میں پھوٹ پڑ گئی۔ لشکریوں نے فیصلہ تحکیم ماننے سے انکار کر دیا اور وہ آمادۂ بغاوت ہو گئے۔ اس لئے آپ کو اپنے ہی لشکر سے بغاوت کرنے والے گروہ کے خلاف نبرد آزما ہونا پڑا۔ ادھر شام میں شامی فوجیں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی زیر قیادت خون عثمان کے انتقام کے مطالبے پر متحد ومتفق تھیں۔ اس طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ کا دور حکومت وخلافت بدامنی کا شکار رہا۔ اور معاملات سدھر نہ سکے۔ یہاں تک کہ بہ تقدیر الٰہی آپ ایک بدبخت خارجی عبدالرحمٰن بن ملجم کے ہاتھوں شہید ہوئے۔ ان عجیب و غریب احوال کی حکمت پوشیدہ ہے۔ جبکہ ظاہری سبب وہ ہے جو میری کوتاہ فکر پر ظاہر ہوا اور میں نے حوالۂ قلم کر دیا۔

☆☆☆☆☆

علوی خلافت میں بدنظمی کی حکمت

امیر المومنین حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں بدنظمی کی باطنی حکمت، واللہ اعلم یہ ہے کہ ایک گروہ آپ کی محبت میں انتہائی غالی اور آپ کے ''الٰہ'' ہونے کا عقیدہ رکھنے والا تھا۔ جیسا کہ فرقہ نصیریہ ہے۔ اس گروہ کے افراد اب تک موجود ہیں اور آپ کی الوہیت کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ اس عقیدے کا سنگِ بنیاد آپ کے دور خلافت میں پڑ چکا تھا۔ آپ کو علم ہوا تو انہیں بارگاہِ خلافت میں طلب کر کے توبہ کا حکم دیا اور جنہوں نے انکار کیا انہیں آگ میں پھینکوا دیا۔ اس سزا پر کہنے لگے۔ اب تو حقیقت میں ہمارا عقیدہ پختہ ہو گیا ہے کہ آپ خدا ہیں۔ کیونکہ آگ کی سزا دینا تو صرف خدا کی شان ہے۔

ان بدبختوں نے محبت علی رضی اللہ عنہ میں مبالغہ سے کام لیا اور آپ کی طرف ایسے ایسے اوصاف منسوب کیے جو انبیائے کرام کے ساتھ خاص ہیں یا اللہ تعالیٰ کی ذات پاک کا خاصہ ہیں ان کا ایک شاعر ابن معتوق کہتا ہے۔

سَیِّدُ الْاَوْصِیَاءِ مَوْلَی الْبَرَایَا	غُرَّةُ الدِّیْنِ صَفْوَةُ الْخَلَاقِ
حضرت علی اوصیاء کے سردار، مخلوق کے آقا	دین کی گرہ اور خالق کا انتخاب ہیں
مَهْبِطُ الْوَحْیِ مَعْدِنُ الْعِلْمِ وَالْاٰفَ	سِضَالِ مُقَدِّرُ الْاَرْزَاقِ
آپ وحی کے مرکز و مہبط، علم و فضل کی کان	اور مخلوق کے رزق مقدر ٹھہرانے والے
عَالِمُ الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ لَایَعْ	زُبُ عَنْهُ حِسَابُ ذُرْدِقَاقِ
آپ غیب و شہادۃ کے عالم ہیں	آپ سے باریک سے باریک چیز بھی پوشیدہ نہیں

ان اشعار میں اگرچہ تاویل ممکن ہے تاہم ظاہری پہلو دعوئ الوہیت کا آئینہ دار ہے یہ بات اللہ تعالیٰ علم ازلی میں تھی کہ کچھ لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں اس قسم کے غلط عقیدے رکھیں گے۔ اس لئے امورِ خلافت میں آپ کی ناتوانی، بے بسی اور عجز کا اظہار

فرمایا تا کہ معلوم ہو جائے کہ اگر آپ کے پاس خدائی قوتیں ہوتیں، جیسا کہ ان گمراہوں کا عقیدہ ہے۔ تو آپ مزاحمت کرنے والے اور امور خلافت کو درہم برہم کرنے والے مخالفوں کو تباہ و برباد کر دیتے اور ان مشکل لمحات میں اپنی خدائی قوتوں کا ضرور استعمال کرتے، کیونکہ ایسے مواقع پر قوت وطاقت ہونے کے باوجود استعمال نہ کرنا محال بات ہے۔

آپ اپنی رعایا کو منظم کرنے اور امور خلافت میں پڑے رخنوں کو بھرنے سے عاجز رہے۔ جبکہ مخالفین کی تعداد وقوت میں اضافہ ہوا۔ اور وہ آپ کے خلاف صف آراء رہے آپ نے اگرچہ ایک گروہ کو شکست دی اور دوسرے کو زیر کرنے ہی والے تھے مگر کامیابی کا مرحلہ نہ آیا۔ تقدیر الٰہی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر مہربان ہوگئی اور ان کے لئے سریر آرائے سلطنت ہونے کے اسباب آسان کر دیئے۔ یہاں تک کہ قریش اور عرب کے دیگر بڑے قبائل ان کی قیادت میں جمع ہو گئے۔ اور ان کے معاملات مضبوط و مستحکم ہوتے چلے گئے جبکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت میں ضعف اور پراگندگی میں اضافہ ہوتا چلا گیا تا آنکہ آپ نے جامِ شہادت نوش کر لیا یہی وجہ ہے کہ جب آپ اپنے لشکر کی مخالفت اور نافرمانی مشاہدہ فرماتے اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے لشکر کی اطاعت و فرمانبرداری دیکھتے تو افسوس سے کہتے۔

''سبحان اللہ! میرا حکم نہیں مانا جاتا۔ جبکہ امیر معاویہ کی فرمانبرداری کی جاتی ہے۔''

آپ کی چوتھی خلافت ہونے کی ایک باطنی حکمت یہ بھی ہے کہ اگر آپ کو اپنی باری سے پہلے خلافت مل جاتی تو کوئی آپ کو اصل مقام پر نہ سمجھتا (بلکہ مافوق الفطرت انسان یا خدائی صفات کا حامل خیال کرتا) کیونکہ پہلی تین خلافتوں اور آپ کی چوتھی خلافت کے (امن و امان) کے حالات میں زمین آسمان کا فرق ہے۔

ایک اور بات قابل توجہ ہے کہ اگر خلافت صرف احق لوگوں کے ساتھ مخصوص ہوتی اس طرح کہ ان کے سوا کوئی اس منصب پر فائز نہ ہو سکتا۔ تو اس زمانہ میں ہزاروں اہل بدر واحد اور اہل بیعت رضوان ایسے موجود تھے۔ جن کی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر فضیلت

ثابت تھی۔ اس طرح فاضل کی موجودگی میں مفضول کی خلافت و امامت جائز نہ ہوتی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ تو بالاتفاق سب کے سردار اور اس وقت سب سے افضل تھے۔ اس کے باوجود حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو اسباب مہیا ہو گئے اور وہ کامیاب حکمران ثابت ہوئے جب کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ افضل ہوتے ہوئے بھی مقہور و مجبور شہید ہوئے۔ حیرانی ہے کہ اس عاجزی و ناتوانی کے باوجود بہت سے لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خدا مانتے ہیں۔ جیسے شام میں نصیری ہیں اور بلادِ عجم میں دوسرے گروہ ہیں۔

اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کی طرح اقتدار ملتا، تمام رعیت منظم ہوتی اور ان جیسی فتوحات حاصل ہوتیں تو اندیشہ تھا کثیر تعداد میں لوگ آپ کو ''خدا'' مان کر گمراہ ہوتے کیونکہ آپ کی ذات مقدسہ میں بے کراں علم، ظاہر انوار روشن اسرار اور بے مثال فصاحت جمع تھی جس سے عقلیں متحیر اور دہشت زدہ ہو جاتی ہیں۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ ان کمالات کا فردِ واحد میں جمع ہونا ممکن نہیں۔ اسی لئے بعض کم عقل آپ کے بارے میں گمراہی کا شکار ہوئے (اور آپ کو خدا سمجھ بیٹھے) یہ ہے امام کبیر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عجز کی حکمت اور آپ سے کم رتبہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی قوت کا راز، یہ اللہ تعالیٰ کی شان ہے، وہ اپنی مخلوق میں جو چاہتا ہے کرتا ہے اور اصل حقائق کا اسی کو علم ہے۔

خلافتِ مرتضوی میں عدم استحکام کا ظاہری سبب

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خلافت کے غیر مستحکم ہونے کا ظاہری سبب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت ہے اور اس پر مرتب ہونے والے مفاسد ہیں۔ جس کا نتیجہ صاف ظاہر ہے۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بنو امیہ کے سردار تھے اور ایام جاہلیت میں بنو امیہ کا بنو ہاشم کے ساتھ سیاسی اختلاف تھا۔ انہیں بنی ہاشم کے مقابلہ میں زیادہ گروہی حمایت حاصل تھی بنو ہاشم کم عصبیت کے حامل تھے۔ پھر بنو ہاشم میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی تو انہیں اس عظیم فضیلت و عظمت پر حسد ہوا کیونکہ اس منصب کا حصول ان کے

اختیار میں نہ تھا۔اسی وجہ سے ان میں سے اکثر لوگ عرصہ دراز تک اسلام سے دور رہے اور حق کی مخالفت کرتے رہے۔انہوں نے بدر، احد اور خندق میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جنگ کی اور فتح مکہ تک بنو قریش کے ساتھ شرک وعناد پر اصرار کیا۔ جب مکہ فتح ہوا تو انہوں نے مغلوب ومقہور ہو کر سیاسی اور دینی قیادت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے کر دی۔اس وقت ان کا ترکش تیروں سے خالی ہو چکا تھا اور وہ مقابلے کی تاب نہ رکھتے تھے۔حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ صلہ رحمی اور عزت کا سلوک کیا۔ان کے قیدی رہا کر دیئے اور ان کے اموال لوٹا دیئے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جاؤ تم آزاد ہو، تم سے کوئی انتقام نہیں لیا جائے گا۔''

حضور اگر چاہتے تو غلامی کی ذلت ان پر مسلط کر دیتے اور وہ غلام بن جاتے اور اپنے اموال سمیت لشکر اسلام میں بطور غنیمت تقسیم ہوتے۔مگر آپ نے ان کو معاف کر دیا اس وجہ سے وہ مجبوراً اسلام لے آئے لیکن ان کا اسلام لانا برضا ورغبت نہ تھا، پھر وہ غزوہ حنین تک حضور کی پیروی کرتے رہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی قلبی تالیف کے لئے بہت سا مال غنیمت انہیں عطا فرمایا۔تاکہ ان کے دلوں میں اسلام راسخ ہو جائے۔

ابو سفیان اور اس کے دونوں بیٹے یزید اور معاویہ بنو امیہ کے سردار تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں سے ہر ایک کو سو سو اونٹ اور چالیس اوقیہ چاندی عطا فرمائی جبکہ سابقین اسلام کے مالدار و نادار افراد کو اتنا مال عطا نہیں فرمایا۔آپ نے بعض سرداران قریش کو اتنا مال غنیمت عطا فرمایا اور اس قدر لطف وکرم کیا کہ ان کے ایمان قوی ہو گئے اور ان کے اسلام میں حسن پیدا ہو گیا۔جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انہوں نے راہ خدا میں جہاد کا حق ادا کیا اور اپنا سب کچھ حضور کی ذات پہ نچھاور کیا۔

اس سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی دلجوئی فرمائی تاکہ وہ راہ ہدایت پر آ جائیں اور اسلام کی عظمت ان کے دلوں میں راسخ ہو جائے۔اس لطف وکرم کی ایک اور وجہ یہ تھی کہ وہ آپ کے قریبی رشتہ دار اور قبیلے کے سردار تھے اور ان کی ہدایت وفرمانبرداری سے

بہت سے لوگ ہدایت یاب ہو سکتے تھے جو ایام جاہلیت میں ان کے فرمانبردار، رشتہ دار اور تعلق دار تھے۔ پھر بحمدہ تعالیٰ ان کے اسلام میں کمال پیدا ہو گیا انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کی معیت میں جہاد فی سبیل اللہ کا حق ادا کیا اور حضور کی حیات ظاہری اور اس کے بعد اسلام اور مسلمانوں کے لئے زبردست کارنامے سرانجام دیئے۔
حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح ان کی عزت افزائی کرتے اور دلجوئی فرماتے، اور ان میں سے فوجوں کے سپہ سالار مقرر کرتے تھے۔ آپ نے ہی یزید بن ابوسفیان کو شام کے محاذ پر رومیوں کے خلاف سپہ سالار بنای۔ جو خلافت فاروق اعظم تک اس منصب پر فائز رہے۔ یزید کے وصال کے بعد ان کے بھائی معاویہ سالار مقرر ہوئے جو خلافت عمر رضی اللہ عنہ کے اواخر سے لے کر خلافت عثانی تک بیس سال امیر شام رہے۔
یہ سرداران بنو امیہ شیخین کی خلافت میں مطیع اور فرمانبردار رہے اور راہِ خدا میں جہاد کا حق ادا کرتے رہے۔ خلافت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ میں تو اور بھی وفاداری اور فرمانبرداری کا مظاہرہ کیا کیونکہ ان سے رشتہ داری کا تعلق تھا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے انہیں حکومت کے اعلیٰ مناصب دیئے اور سپہ سالاری کا عہدہ سونپا۔ جس کا حق ادا کرتے ہوئے انہوں نے بہت سی فتوحات کیں۔ اور امت محمدیہ کے لئے قابل قدر خدمات سرانجام دیں۔
یہ صحیح ہے کہ ان سے بعض لغزشیں بھی ہوئیں۔ مگر اللہ تعالیٰ کی بخشش اور رحمت کا دامن بہت وسیع ہے۔ ان لغزشوں کے باعث لوگوں کے دلوں میں ان سے نفرت پیدا ہو گئی اور وہ ان کے خلاف زبانِ طعن کھولنے لگے اور ان کی عظیم نیکیوں۔ عام منافع بخش باتوں۔ ایشیاء افریقہ اور جزائر البحار کی گراں قدر فتوحات کو نظر انداز کرنے لگے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو ان پر تنقید پسند نہ تھی۔ کیونکہ ان کے خیال میں اسلام کی زبردست اشاعت اور عظیم فتوحات کا سہرہ ان کے سر تھا۔ صرف رشتہ داری ہی کا تعلق اِن کے پیش نظر نہ تھا۔ اس وجہ سے معترضین و ناقدین کی نفرت و کراہت کا سلسلہ حضرت عثمان تک پھیل گیا اور وہ مصر و عراق سے باغیوں کے دستے اکٹھے کر لائے پھر حضرت عثمان بہ تقدیر الٰہی ان باغیوں خارجیوں اور فاسقوں

فاجروں کے ہاتھوں درجۂ شہادت پُر فائز ہوئے۔ آپ کی شہادت سے امت محمدیہ کو نا قابل تلافی نقصان پہنچا۔ اور فتنوں اور گروہ بندیوں کا دروازہ کھل گیا۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی بیعتِ خلافت کا انعقاد ان دہشت ناک حالات اور فتنوں کے طوفان میں ہوا۔ ہر طرف اختلاف کی آگ بھڑکنے لگی اور ایسی جنگوں کا سلسلہ شروع ہوا جن سے اسلام اور اہل اسلام کو شدید نقصان پہنچا۔ جس کی تلافی قیامت تک نہیں ہو سکتی۔ اور سب سے بڑا نقصان وحدت اسلامی کا پارہ پارہ ہونا اور مذہبوں اور فرقوں کا وجود میں آنا ہے۔ یہ نقصان قیامت تک ہوتا رہے گا۔ کیونکہ ہر گروہ دوسرے سے نفرت کرتا ہے اور اس کی تضلیل و تفسیق کرتا ہے کچھ لوگ تو حقیقتاً دائرہ اسلام سے نکل گئے ہیں۔ جیسے نصیری ہیں، اور کچھ بزرگ صحابہ کرام مثلاً حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت طلحہ، حضرت زبیر اور ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ (رضی اللہ عنہم وعنہا) سے بغض و عداوت کی وجہ سے صریح گمراہی میں مبتلا ہو گئے ہیں۔

جہاں تک فرقۂ مفضلہ کا تعلق ہے یہ لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر فضیلت کے قائل ہیں مگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر زبان طعن دراز نہیں کرتے۔ نہ ان کی تکفیر کرتے ہیں۔ ان کا معاملہ آسان ہے اور ظاہری طور پر ان کے لئے عذر کی گنجائش بھی ہے کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دینی فضائل ذاتی اور دنیوی کمالات ایسے ہیں جن کے تصور ہی سے عقلیں ورطۂ حیرت میں پڑ جاتی ہیں۔ ان کا احاطہ اور شمار ممکن نہیں۔ مگر اس کے باوجود حضرت علی رضی اللہ عنہ چوتھے خلیفہ ہیں جو آدمی آپ کو خلفائے ثلاثہ پر تقدیم و فضیلت دے وہ جمہور امت کے نزدیک بدعتی ہے۔ مگر اس کی یہ بدعت خفیف بدعت ہے جس کی وجہ سے وہ اسلام سے خارج نہیں ہوتا۔ اس کے بدعتی ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہ سے لے کر آج تک جمہور سلف و خلف کے نظریات کی مخالفت کی ہے۔ حالانکہ سلف صالح کو زیادہ علم تھا کہ بارگاہ رسالت میں کس کا قرب زیادہ تھا اور اہم معاملات میں کس پر زیادہ اعتماد فرمایا کرتے تھے۔ وہ وجوہِ فضیلت کو خوب سمجھتے تھے اور جانتے تھے کہ زیادہ

پرہیز گاراور خداترس کون ہے؟ بالخصوص مہاجرین وانصار میں سے؟ کیونکہ حالت امن و جنگ میں وہ بارگاہِ رسالت کے حاضر باش تھے۔ بعد کے زمانے کا اگر کوئی شخص دعویٰ کرے کہ وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے زیادہ احوال رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے آگاہ ہے اور وہ ان سے زیادہ مقامات فضیلت کو جانتا ہے یا اپنے آپ کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے زیادہ متقی اور خدا ترس سمجھتا ہے۔تو ایسا شخص فاس العقل اور بیہودہ ہے۔

☆☆☆☆☆

خاتمہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی فضیلت وعظمت اور دشمنان صحابہ کے بُرے انجام پر دلالت کرنے والی حکایات ومنامات

میں نے ان حکایتوں اور خوابوں کو اپنی کتاب ''سعادۃ الدارین'' اور دیگر قابل اعتماد کتابوں سے نقل کیا ہے۔ مثلاً امام شعرانی رحمہ اللہ تعالیٰ اور امام ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ کی کتابوں سے جو حکایت کسی کتاب کی طرف منسوب نہیں ہے۔ سمجھ لیجئے کہ وہ امام ابوعبداللہ محمد بن نعمان تلمسانی رحمہ اللہ تعالیٰ کی کتاب ''مصباح الظلام فی المستغیثین بخیر الانام'' سے ماخوذ ہے۔ میں نے اپنی کتاب سعادۃ الدارین میں اس کتاب سے بہت استفادہ کیا ہے۔ کیونکہ اس کے مصنف بہت بڑے امام ہیں جن کی جلالتِ قدر اور کثرتِ فضل کے باعث ان کی صحتِ نقل پر اعتماد کیا جاتا ہے۔

آغازِ کلام میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے کچھ خواب نقل کئے جاتے ہیں۔ یہ خواب صحیح احادیث میں آئے ہیں اور خلفائے راشدین کی فضیلت اور ترتیب خلافت پر دلالت کرتے ہیں۔

۱۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ

''میں محو استراحت تھا کہ میرے پاس دودھ کا پیالہ لایا گیا جسے میں نے سیر ہو کر پیا۔ یہاں تک کہ سیرابی کا اثر ناخنوں سے ظاہر ہونے لگا۔ پھر جو بچ رہا وہ میں نے عمر رضی اللہ عنہ بن خطاب کو عطا کر دیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم آپ نے اس کی کیا تعبیر فرمائی ہے۔ فرمایا اس سے مراد علم ہے (بخاری)''

۲۔ ایک اور خواب میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بدن پر لمبی قمیض دیکھی جو زمین پر گھسٹ رہی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تعبیر ''کمال

دین'' سے کی۔

۳۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''میں خوابِ ناز میں تھا۔ دیکھا کہ لوگ مجھ پر پیش کئے جارہے ہیں اور ان کے جسموں پر قمیصیں ہیں جن میں سے کچھ سینوں تک پہنچتی ہیں اور کچھ ان سے کم، عمر رضی اللہ عنہ بن خطاب گزرے تو ان کی قمیض درازی کی وجہ سے گھسٹ رہی تھی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس کی تعبیر پوچھی تو فرمایا: اس سے مراد ہے ''قبائے دین''۔

۴۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''میں نے حالتِ خواب میں اپنے آپ کو ایک کنوئیں پر دیکھا۔ اس پر ایک ڈول تھا جس کے ذریعے میں نے جتنا اللہ نے چاہا۔ پانی کھینچا۔ پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس ڈول کو پکڑ کر ایک یا دو ڈول کھینچے۔ مگر کھینچنے میں کچھ کمزوری تھی۔ اللہ تعالیٰ ابوبکر رضی اللہ عنہ کی مغفرت فرمائے۔ پھر وہ ڈول بڑھ کر بڑا ہو گیا۔ اسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تھام کر پانی نکالنا شروع کیا تو اتنے زور سے نکالا کہ کوئی شخص ان کی طرح عبقری اور طاقتور نظر نہیں آتا تھا۔ ان کے کھینچے ہوئے پانی سے لوگوں نے جی بھر کر پیا یہاں تک کہ اونٹوں کے لئے حوض بھی بھر لئے (بخاری مسلم)

اس حدیث میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ڈول کھینچنے میں کمزوری سے مراد ان کے عرصۂ خلافت میں کمی اور منکرین و مرتدین کے ساتھ محاذ آرائی کی مصروفیت ہے حضور کے ارشاد ''اللہ ابوبکر کی مغفرت فرمائے'' میں نقص شان نہیں نہ اس میں اشارہ ہے کہ آپ سے کوئی گناہ صادر ہوا۔ بلکہ اہل عرب ایسے کلمات بول چال میں استعمال کرتے رہتے ہیں۔ مثلاً کہتے ہیں۔

تربت یمینه قاتلہ اللہ — اس کا دایاں ہاتھ خاک آلود ہو۔ اللہ اسے مارے۔

علمائے کرام فرماتے ہیں:

یہ خواب ان عظیم واقعات و حوادث کی تصویر ہے جو دونوں خلیفوں کے لئے ظاہر ہوئے اور لوگوں نے ان سے فائدہ اٹھایا۔ یہ سب حضور کا فیضان ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم

صاحب امر (نبوت ورسالت) ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کارِ نبوت کو بطریق احسن پایۂ تکمیل تک پہنچایا اور دین کے اصول مقرر فرمائے۔ توفیق الٰہی آپ کے دست اقدس پر بلادِ کفر فتح ہوئے جن میں مکہ مکرمہ، خیبر، مدینہ منورہ، بحرین، جزیرہ العرب اور سرزمین یمن کے دیگر علاقے ہیں۔ آپ نے ہجر کے مجوسیوں اور اطراف شام کے نصرانیوں سے جزیہ وصول کیا۔ ہرقل، مقوقس، شاہانِ عمان اور شاہ حبشہ نجاشی نے آپ کی خدمت میں تحائف بھیجے۔ اصحمہ نجاشی تو دولت ایمان سے بھی مشرف ہوا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ زینت آرائے خلاف ہوئے تو انہوں نے مرتدین اور منکرین کے خلاف جہاد کیا اور ان کا قلع قمع کیا۔ جب ان سے فارغ ہوئے تو بیرونی کفار کے خلاف صف آرائی کی۔ اس طرح ان کے ہاتھ پر بصریٰ، دمشق، حوران اور آس پاس کے علاقے فتح ہو کر اسلامی قلمرو میں شامل ہوئے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مسندِ خلافت کو عزت بخشی۔ ان کے عہد ہمایوں میں اسلام کی حدود دور دور تک پھیل گئیں۔ پورا ملک شام، مصر، عراق اور سلطنت فارس کا بڑا حصہ فتح ہوا۔ شہنشاہ ایران (کسریٰ) کی شان وشوکت مٹ گئی اور وہ اپنی سلطنت کے دور دراز علاقوں کی طرف بھاگا یونہی ہرقل حدود شام سے نکل کر قسطنطنیہ کی جانب فرار ہوا۔ اس طرح عہد عمر رضی اللہ عنہ میں کثرت فتوحات، شہروں کی آبادکاری اور حکومتی اداروں کی تنظیم واصلاح سے قوتِ اسلام میں اضافہ ہوا۔

۵۔ امام احمد اور ابوداؤد روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے بارگاہ رسالت میں عرض کیا۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں نے خواب میں دیکھا، گویا ایک ڈول ہے جو آسانی سے نیچے لٹکایا گیا، اسی اثناء میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تشریف لائے تو انہوں نے ڈول کے منہ کی دونوں دستیاں پکڑ کر پانی پیا۔ مگر پینے میں ضعف تھا۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ آئے تو انہوں نے خوب سیراب ہو کر پیا۔ پھر عثمان رضی اللہ عنہ آئے تو انہوں نے بھی جی بھر کر پیاس بجھائی بعد ازاں حضرت علی رضی اللہ عنہ آئے تو ڈول کی رسی کھینچ لی گئی

اور پانی ان پر الٹ پڑا۔

یہ حدیث حضرت ابن عمر اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہے مگر اس میں خواب دیکھنے والے خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

حدیث کے آخری الفاظ ان فتنوں اور جھگڑوں کی نشاندہی کر رہے ہیں جو دور مرتضیٰ میں وقوع پذیر ہوئے اور جن کی وجہ آپ کا دور بدامنی کا شکار رہا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ آپ نماز صبح سے فارغ ہونے کے بعد رخِ انور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف کرتے اور فرماتے۔

''آج کسی نے خواب دیکھا ہو تو بیان کرے۔ میں اس کی تعبیر بتاؤں گا'' چنانچہ لوگ اپنے خواب سناتے اور حضور ان کی تعبیر بیان کرتے تھے۔ جیسا کہ بخاری اور ترمذی میں حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

ترمذی اور ابوداؤد میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اچھے خواب پسند تھے۔ اس لئے لوگوں سے پوچھتے تھے۔ ایک دن دریافت فرمایا تو ایک شخص نے عرض کیا۔ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں نے خواب دیکھا ہے۔ میں نے دیکھا گویا ایک ترازو آسمان سے اتری ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ وزن کیا گیا تو آپ گرانبار نکلے پھر ابوبکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ کا وزن کیا گیا جس میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کا پلڑا بھاری ہوا پھر عمر رضی اللہ عنہ اور عثمان رضی اللہ عنہ کو تولا گیا تو عمر رضی اللہ عنہ کا وزن زیادہ نکلا۔ بعد ازاں ترازو اٹھالی گئی۔''

اس خواب کے بعد ہم نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ انور پر ناگواری کے اثرات دیکھے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا بیان ہے کہ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی سے خواب کا نہیں پوچھا۔

بعض علماء کہتے ہیں کہ اس ناگواری کا سبب یہ تھا کہ آپ آئندہ رونما ہونے والے واقعات کے نتائج اور مراتب خلافت کو پوشیدہ رکھنے کو ترجیح دیتے تھے۔ اور جب اس خواب

کے ذریعے مراتب فضیلت کی تعیین ہوگئی تو اندیشہ ہوا کہ کہیں زیادہ تفصیل و وضاحت کے یہ معاملات کھل نہ جائیں۔ کیونکہ پردہ داری اور اخفاء اللہ تعالیٰ کی بلیغ حکمت و مشیت ہے۔

پہلی حکایت: ایک عجیب وغریب تعبیر

یمن کے قبیلے نخع کا ایک وفد محرم دس ہجری میں بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوا اس وفد کی قیادت زرارہ بن عمرو نخعی کر رہے تھے۔ زرارہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں نے دوران سفر ایک عجیب وغریب اور ہولناک خواب دیکھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا۔ تم نے کیا دیکھا؟ عرض کیا میں نے ایک گدھی دیکھی جسے میں پیچھے قبیلے میں چھوڑ آیا۔ اس گدھی نے بکری کا بچہ جنم دیا جو سرخی مائل سیاہ ہے۔ حضور نے پوچھا کیا تم پیچھے کوئی حاملہ عورت چھوڑ آئے ہو۔ عرض کیا ہاں ایک لونڈی چھوڑ آیا ہوں۔ میرا خیال ہے وہ حاملہ ہے فرمایا اس نے بچہ جنم دیا ہے اور وہ تمہارا بیٹا ہے زرارہ بولا، پھر اس کا رنگ سرخی مائل کیوں ہے؟

فرمایا: قریب آؤ۔ وہ قریب آیا تو پوچھا تمہارے جسم پر برص کا داغ ہے جسے تم چھپاتے ہو۔ اس نے عرض کیا ہاں یا رسول اللہ! اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا۔ اس داغ کو کسی نے نہیں دیکھا۔ نہ کسی کو اس کا علم ہے فرمایا اس بچے کا رنگ اسی داغ کا مظہر ہے۔

زرارہ نے عرض کیا۔ میں نے اس خواب میں نعمان بن منذر شاہِ حیرا کو دیکھا اس کے جسم پر دو پوشاکیں، دو بازو بند اور دو مندرے ہیں۔ فرمایا: وہ عرب کا بادشاہ ہے بہترین لباس اور زیب و زینت اختیار کرے گا۔

اس نے عرض کیا میں نے خواب میں ایک سفید و سیاہ بالوں والی بوڑھی دیکھی جو زمین سے برآمد ہوئی۔ فرمایا وہ دنیا کی بقیہ عمر ہے۔

اس نے کہا میں نے ایک آگ دیکھی جو زمین سے نکل کر میرے بیٹے اور میرے درمیان حائل ہوگئی۔ اور پکار کر کہتی تھی۔

لَظٰی لَظٰی بَصِیْرٌ وَ اَعْمٰی اَکِلُلُتُمَ اَکِلَلُتُمْ اَھْلَکُتُمْ وَ مَالَکُمْ میں بھڑکتی آگ ہوں، دیکھتی ہوں اور اندھی ہو جاتی ہوں میں تمہارے اہل و مال کو نگل جاؤں گی۔

حضور نے فرمایا یہ ایک فتنہ ہے جو آخری زمانے میں ظاہر ہو گا۔ پوچھا کونسا فتنہ؟ فرمایا لوگ اپنے برحق امام کو ناحق قتل کریں گے اور باہم گتھ جائیں گے یعنی قتل و غارت کریں (پھر حضور نے گتھنے کی وضاحت کرتے ہوئے انگلیوں میں انگلیاں ڈال کر دکھایا) اس فتنہ میں گناہگار اپنے آپ کو نیکوکار خیال کرے گا۔ اور مومن کا خون دوسرے کے نزدیک ٹھنڈے پانی سے زیادہ شیریں ہو گا۔ اگر تمہارا بیٹا تم سے پہلے فوت ہوا تو تم اس فتنے کو دیکھو گے اور اگر تمہارا انتقال ہوا تو تمہارا بیٹا اس فتنے کو پائے گا۔ اس نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! دعا فرمایئے میں اس فتنے کا منہ نہ دیکھوں اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھا دیئے اور دعا مانگی۔ ''اے اللہ! زرارہ اس فتنے کا زمانہ نہ پائے''۔ چنانچہ زرارہ فوت ہو گیا اور اس کا بیٹا زندہ رہا تا آنکہ ان لوگوں میں شامل ہوا جنہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف بغاوت و شورش کی اور قلادۂ بیعت گلے سے اتار پھینکا۔

۶۔ امام بخاری حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا اور عرض کیا۔ یا رسول اللہ! میں نے خواب میں ایک سائبان دیکھا۔ جس سے مکھن اور شہد ٹپک رہا تھا اور لوگ ان کے حصول کے لئے ہاتھ ان کی جانب پھیلا رہے تھے۔ جو کسی کے حصے میں زیادہ آ رہا تھا اور کسی کے کم، پھر میں نے دیکھا ایک رسی ہے جو زمین سے آسمان تک واصل ہے۔ آپ اس رسی کو تھام کر اوپر چڑھ گئے ہیں۔ پھر ایک اور شخص نے تھامی اور وہ بھی اس کے توسط سے اوپر چڑھ گیا، بعد ازاں تیسرے شخص نے پکڑی اور وہ بھی اوپر چلا گیا۔ اس کے بعد چوتھے شخص نے پکڑی تو رسی ٹوٹ گئی مگر پھر جڑ گئی۔

یہ خواب سن کر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! اجازت ہو تو اس کی تعبیر عرض کروں۔ فرمایا ہاں بیان کرو۔ کہا سائبان سے مراد اسلام ہے اور ٹپکنے والا مکھن اور

شہد قرآن ہے جس کی مٹھاس اور حلاوت ٹپک ٹپک کر آ رہی ہے جہاں تک آسمان تک واصل رسی کا تعلق ہے وہ حق ہے جس کے ساتھ آپ وابستہ ہیں اور اس سے آپ سرفراز ہیں۔ آپ کے بعد ایک اور شخص اس حق سے وابستہ رہ کر سربلند ہوگا پھر تیسرا شخص رفعت آشنا ہوگا پھر چوتھا شخص اس رشتہ حق کو تھامے گا تو روکاوٹوں سے دوچار ہوگا پھر یہ سلسلہ منقطع ہو کر جڑ جائے گا۔ یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان! فرمائیے میں نے صحیح تعبیر بیان کی ہے یا کہیں غلطی ہوئی ہے؟ فرمایا صحیح ہے مگر کچھ غلطی بھی ہے۔ عرض کیا یا رسول اللہ! اللہ کا واسطہ دے کر کہتا ہوں۔ میری اس غلطی کی نشان دہی فرما دیجئے۔ فرمایا: ''قسم نہ کھائیے۔''

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فتح الباری میں اس حدیث کی شرح میں طویل کلام کیا ہے۔ تفصیل درکار ہو تو اس کی طرف مراجعت کی جائے۔ (دیکھئے فتح الباری جلد بارہ ص ۴۳۱ تا ۴۳۸)

یہاں تک کہ اپنے طرزِ عمل پر نظر ثانی کرے۔ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی محبت میں ڈوب جائے۔ اور دل ان کے بغض سے خالی کر لے، یہی سلف صالح کا عقیدہ ہے اور علمائے ربانی ہمیشہ اس پر عمل پیرا رہے ہیں، اھ

دوسری حکایت

امام ابو عبداللہ بن نعمان کہتے ہیں کہ رضوان السمان نے بیان کیا۔ ''میرا ایک ہمسایہ تھا، جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو سب و شتم کرتا تھا۔ اس وجہ سے اس کے ساتھ میری تو تکار ہوگئی ایک دن اس نے میرے سامنے شیخین رضی اللہ عنہما کو گالی دی۔ تو ہماری تلخ کلامی ہوگئی میں غمگین گھر لوٹا۔ اور اپنے آپ کو ملامت کرنے لگا۔ اس غم میں میری نماز عشاء رہ گئی اور پریشانی میں میری آنکھ لگ گئی۔ خواب میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی، میں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! میرا ہمسایہ میرے اصحاب کو گالی دیتا ہے پوچھا۔ میرے اصحاب سے کیا مراد ہے؟ عرض کیا۔ ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما۔ آپ نے فرمایا۔ یہ چھری لے کر اس کو ذبح کر دو۔ پھر میں نے دیکھا کہ میرے ہاتھ خون آلود ہیں۔

پس میں نے چھری پھینک دی اور جھک کر زمین سے ہاتھ صاف کیے۔ اسی اثناء میں میری آنکھ کھل گئی۔

جب بیدار ہوا تو مجھے شور سا سنائی دیا۔ میں نے کہا جا کر معلوم کرو یہ شور کیسا ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ فلاں شخص اچانک مر گیا ہے۔ صبح دیکھا تو اس کے گلے پر چھری کا نشان تھا۔

تیسری حکایت

امام ابوعبداللہ ابن نعمان لکھتے ہیں:

''ایک دمشقی بزرگ کئی سال تک حجاز مقدس میں مجاور رہے، ان کا بیان ہے کہ قحط سالی کا زمانہ تھا۔ میں بازار کی طرف نکلا تا کہ دکاندار سے آٹا خریدوں۔ دکاندار نے کہا آٹا اس شرط پر دوں گا۔ کہ تم شیخین پر لعنت کرو گے۔ میں نے انکار کیا تو اس نے ہنستے ہوئے اس بات پر اصرار کیا۔ میں نے اسے اس گستاخی پر ڈانٹا اور کہا۔ اس شخص پر لعنت ہو جو شیخین پر لعنت کرے۔'' اس پر وہ طیش میں آ گیا اور میری آنکھ پر تھپڑ دے مارا۔ پس میں اشکبار آنکھوں سے مسجد کی طرف لوٹ آیا۔ میرے ساتھ مدینہ منورہ میں میافارقین کا ایک عبادت گزار رہائش پذیر تھا وہ میرا دوست تھا۔ اس نے میری حالت دیکھ کر پوچھا۔ کیا ہوا؟ میں نے ماجرا سنایا تو میرے ساتھ روضہ اطہر کی طرف چل دیا۔ ہم نے وہاں زاری سے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! ''ہم پر ظلم ہوا ہے۔ ہماری دادرسی فرمائیے۔ ہم اس غرض سے حاضر خدمت ہوئے ہیں۔'' اس کے بعد واپس ہوئے۔ پھر میں سو گیا۔ اگلی صبح آنکھ کھلی تو محسوس ہوا کہ میری آنکھ پہلے سے بھی زیادہ اچھی ہے گویا اسے ضرب نہیں لگی تھی۔ پھر زیادہ دیر نہیں گزری کہ ایک نقاب پوش شخص مسجد میں داخل ہوا۔ اور میرے بارے میں پوچھا۔ لوگوں نے میری طرف اشارہ کیا تو میرے پاس آ کر سلام کیا پھر کہنے لگا۔ میں آپ کو اللہ کا واسطہ دے کر التماس کرتا ہوں کہ مجھے معاف کر دیں۔ میں نے آپ کو تھپڑ مارا تھا۔ میں نے کہا۔ میں معاف نہیں کروں گا جب تک تم سارا قصہ نہیں سناؤ گے۔

بولا۔ میں رات کو سویا تو خواب میں دیکھا کہ حضور تشریف لائے ہیں۔ ساتھ ابوبکر، عمر اور

علی رضی اللہ عنہم بھی ہیں۔ میں نے سلام پیش کیا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ اللہ تم سے راضی نہ ہو اور تمہیں سلامت نہ رکھے۔ کیا میں نے تم کو حکم دیا تھا کہ تم شیخین پر لعن طعن کرو؟ پھر اپنی انگلی میری آنکھ میں گھسیڑ دی، اس سے اس کی بینائی جاتی رہی۔ اس منظر کے بعد میری آنکھ کھل گئی۔ اب میں بارگاہِ الٰہی میں توبہ کرتا ہوں اور عرض پرداز ہوں کہ میرے جرم سے درگزر فرمائیں۔ میں نے اس کا قصہ سن کر کہا جاؤ میں نے تمہیں معاف کیا۔

چوتھی حکایت

امام ابو عبداللہ نعمان حفاظ اور فضلاء کی ایک جماعت سے ایک حیران کن واقعہ نقل کرتے ہیں۔ یہ واقعہ مختلف الفاظ سے آیا ہے مگر سب کا مفہوم ایک ہے۔

ایک شخص نے حج کے لئے رخت سفر باندھا تو امیر مقلد نے اسے بلایا اور پوچھا۔ تم حج پر جا رہے ہو؟ اس نے جواب دیا ہاں۔ کہا۔ ادائے حج کے بعد جب مدینہ منورہ حاضر ہو تو میری طرف سے سلام پیش کر کے عرض کرنا۔ یا رسول اللہ! اگر آپ کے یہ ساتھی (ابوبکر و عمر) روضہ اطہر میں نہ ہوتے تو میں زیارت کے لئے حاضر ہوتا۔ وہ شخص بیان کرتا ہے کہ مناسک حج سے فارغ ہو کر شہر نبی میں آیا۔ مگر احترام رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پیش نظر مقلد کا پیغام نہ پہنچایا۔ رات کو سویا تو خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی۔ آپ نے فرمایا اے شخص تو نے مقلد کا پیغام نہیں پہنچایا۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! بارگاہِ رسالت کا احترام کرتے ہوئے۔ یہ توہین آمیز پیغام نہیں دیا۔ آپ نے سر اقدس اٹھایا اور پاس کھڑے شخص کو حکم دیا۔ یہ استرا لو اور اس شخص کو قتل کر دو۔

پھر حج و زیارت کی سعادت کے بعد عراق آیا تو معلوم ہوا کہ کسی نے امیر مقلد کو بستر پر ذبح کر دیا۔ شہر پہنچ کر اس کی تفصیل پوچھی۔ تو لوگوں نے بتایا کہ اسے بستر ہی پر مذبوح پایا گیا ہے۔ پھر میں نے لوگوں کے سامنے اپنے خواب کا تذکرہ کیا تو اس کا بہت چرچا ہوا اور ہوتے ہوتے بات امیر فرواش بن مسیب تک پہنچی۔ اس نے مجھے بلا کر خواب کی حقیقت پوچھی تو میں نے خواب کا سارا واقعہ بیان کیا۔ اس نے کہا وہ استرا پہچان لو گے میں نے کہا ہاں! پس اس

نے استروں سے بھرا ہوا طباق پیش کرنے کا حکم دیا۔ وہ استرا بھی اس طباق میں موجود تھا۔ اور کہا اس استرے کی نشاندہی کرو۔ میں نے استروں کی چھان پھٹک کی اور پہچان کر مذکورہ استرا اٹھایا۔ اس پر امیر فرواش نے کہا۔ واقعی یہ استرا تمہارے خواب کی صداقت پر گواہ ہے کیونکہ مجھے یہی استرا مقتول کے سر کے پاس سے ملا ہے۔

پانچویں حکایت

ابو محمد عبداللہ بن محمد حنبلی فرماتے ہیں:

''سفر مکہ کے دوران کچھ لوگ ملے۔ ان میں سے ایک بہت عبادت گزار شخص فوت ہو گیا تو انہیں اس کے دفن کی فکر لاحق ہوئی۔ صحرا میں ایک جھونپڑا نظر آیا تو اس کی طرف رخ کیا۔ وہاں جھونپڑے میں ایک بڑھیا موجود تھی جس کے پاس ایک کلہاڑا تھا۔ ان لوگوں نے بڑھیا سے کلہاڑا مانگا تاکہ دفن کا اہتمام کر سکیں۔ بڑھیا نے کہا کیا تم قسمیہ ضمانت دیتے ہو کہ کلہاڑا واپس کرو گے؟ کہا ہم ضمانت دیتے ہیں۔ پھر کلہاڑا لے کر قبر کھودی اور اسے دفن کیا مگر (عجیب اتفاق کہ) کلہاڑا قبر ہی میں بھول گئے۔ پھر جب وعدہ یاد آیا تو قبر کشائی کی ضرورت پیش آئی۔ قبر کھولنے پر دیکھا کہ مردہ زنجیر میں جکڑا پڑا ہے۔ اس لئے فوراً قبر بند کر کے مٹی ڈال دی۔ اس کے بعد بڑھیا کے پاس آئے اور سارا واقعہ کہہ سنایا۔ بڑھیا نے سن کر کہا لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی تو آپ نے حکم دیا۔ اس کلہاڑے کو سنبھال رکھو یہ اس شخص کے لئے زنجیر بنے گا جو ابوبکر و عمر (رضی اللہ عنہما) کو گالیاں دیتا ہے۔''

چھٹی حکایت

ابو محمد خراسانی کہتے ہیں:

''ہمارے ایک خراسانی حاکم کا ایک عبادت گزار خادم حج کے لئے روانہ ہونے لگا تو اپنے آقا سے اجازت طلب کی۔ مگر اس نے اجازت نہ دی۔ خادم نے عرض کی جناب: میں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمانبرداری میں اجازت طلب کی ہے۔ اس نے کہا: ایک شرط پر اجازت دے سکتا ہوں۔ شرط پوری کرو گے تو اجازت مل جائے گی

ورنہ نہیں۔خادم نے کہا۔شرط کیا ہے؟ کہا تمہارے ساتھ کچھ خدمتگار، کچھ اونٹ اور باربرداری کے جانور بھیج رہا ہوں۔روضۂ اطہر پر پہنچ کر کہنا یارسول اللہ! میرے آقا کا پیغام ہے کہ''میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں خوابیدہ دونوں اصحاب سے بیزار ہوں۔'' خادم کا بیان ہے کہ میں نے بوجۂ مجبوری حامی بھرلی۔حالانکہ اللہ تعالیٰ میرے دلی جذبات کو خوب جانتا ہے۔

پھر جب مدینہ منورہ پہنچے تو میں نے پیش قدمی کر کے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور شیخین رضی اللہ عنہم کے حضور سلام پیش کیا۔مگر بُرا پیغام پہنچانے سے شرم اور جھجک محسوس کی۔شب کو مسجد نبوی میں روضہ مقدسہ کے سامنے لیٹ گیا۔اور آنکھ لگ گئی۔پھر خواب میں ایسا نظر آیا گویا قبر اطہر کی دیوار کھل گئی ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سبز پوشاک میں باہر تشریف لائے ہیں اور آپ کے بدن اطہر سے خوشبو پھوٹ رہی ہے۔دائیں طرف حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سبز لباس پہنے ہیں اور بائیں طرف حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی سبز لباس میں ملبوس ہیں۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دریافت کرتے ہیں۔اے سمجھ دار شخص: کیا وجہ ہے تو نے پیغام نہیں پہنچایا؟ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہیبت اور خوف میں کھڑے ہو کر عرض کرتا ہوں۔یارسول اللہ!''مجھے شرم آتی ہے کہ آپ کے اصحاب کے بارے میں بیہودہ پیغام عرض کروں۔''حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے بخوبی علم ہے تو حج کے بعد بخیر و عافیت لوٹے گا ان شاء اللہ۔ وہاں پہنچ کر اپنے آقا سے کہنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواباً یہ پیغام دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ تجھ سے بیزار ہے اور میں محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) بھی۔''پھر فرمایا: بات سمجھ میں آ گئی؟ میں نے عرض کیا۔ہاں! یارسول اللہ! پھر فرمایا: وہ تیرے پہنچنے کے بعد چوتھے روز مر جائے گا۔تو نے سمجھ لیا؟ میں نے عرض کیا جی ہاں یارسول اللہ! اس کے بعد فرمایا یہ بات ذہن نشین کر لے کہ مرنے سے پہلے اس کے چہرے پر پھوڑے ظاہر ہوں گے۔سمجھ گیا نا؟ عرض کیا ہاں یارسول اللہ! اس کے بعد میری آنکھ کھل گئی۔''میں نے بارگاہ خداوندی میں سجدۂ شکر کیا کہ مجھے حضور کی اور شیخین کی زیارت نصیب ہوئی۔نیز پیغام پہنچانے کی قسم بھی نہ ٹوٹی۔حج سے فارغ ہو کر خیر و عافیت کے ساتھ خراسان لوٹا۔ساتھ حاکم کے لئے قیمتی تحفے بھی لے لئے۔دو

دو دن تک تو خاموش رہا۔ تیسرے روز کہنے لگا۔ میرے کام کا کیا بنا؟ میں نے جواب دیا آپ کا کام ہو گیا۔ میں نے پیغام پہنچا دیا تھا۔ کہا پوری تفصیل کیا ہے؟ چنانچہ میں نے پوری تفصیل کے ساتھ واقعہ گوش گزار کیا اور جب حضور کے اس ارشاد پر پہنچا کہ اللہ اور اس کا رسول آپ سے بیزار ہیں۔ تو ہنس کر بولا۔ ''واہ! وہ ہم سے بیزار، ہم ان سے بیزار۔''

میں نے دل ہی دل میں کہا۔ اے دشمن خدا تجھے عنقریب پتہ چل جائے گا پھر میری آمد کے چوتھے روز اس کے چہرے پر پھوڑے نکل آئے۔ اور وہ شدید درد سے دوچار ہوا۔ پھر ہم نے ابھی ظہر کی نماز بھی نہ پڑھی کہ اس کے دفن سے فارغ ہو گئے۔

ساتویں حکایت

ایک عمر رسید بزرگ فرماتے ہیں: اہل مصر کی حکومت کا آخری دور تھا۔ میں اس وقت جامع عمرو بن عاص میں مقیم تھا۔ ایک روز صبح کی نماز کے دوران جامع کے صحن میں شور وغل سنا۔ نماز سے فارغ ہوئے تو لوگ اکٹھے ہو گئے۔ اور دیکھا کہ ایک شخص ذبح ہوا پڑا ہے۔ حاضرین میں سے ایک شخص نے کہا میں نے اسے قتل کیا ہے۔ کیونکہ وہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو گالیاں دیتا تھا۔ چنانچہ اس شخص کو بادشاہ کے دربار میں لایا گیا تو بادشاہ نے اس سے وقوعہ کے بارے میں سوال کیا۔ اس نے جواب دیا۔ میں نے اسے قتل کیا ہے بادشاہ نے حکم دیا اس شخص کو قید کر دیا جائے اور میت کو دفنا دیا جائے۔ چنانچہ لوگوں نے اس کے لئے قبر کھودی تو اس میں ایک اژدھا نظر آیا پھر دوسری جگہ قبر بنائی تو وہاں بھی اژدھا تھا۔ پھر تیسری جگہ کھودی تو اس میں بھی اژدھا تھا پس مجبوراً اسے اس گڑھے میں ڈال کر دفن کر دیا گیا۔

آٹھویں حکایت

قبیلہ عک کے موذن نے بیان کیا۔ میں اور میرا چچا مکران کی طرف روانہ ہوئے۔ ہمارے ساتھ ایک ایسا شخص بھی ہولیا۔ جو حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی شان میں گستاخی کرتا تھا۔ ہم نے اسے منع کیا تو باز نہ آیا۔ پس ہم نے اپنا راستہ الگ کر لیا۔ جب

جانے لگے تو اس نے ہمیں کوسنا شروع کر دیا۔ ہم نے خیال کیا اگر کوفہ واپسی تک ہمارے ساتھ رہے تو کوئی حرج نہیں۔ چنانچہ ہم اس کے غلام سے ملے اور کہا اپنے آقا سے کہیئے ہمارے ساتھ آ جائے۔ اس نے جواب دیا۔ جناب میرے آقا کے ساتھ حیران کن واقعہ پیش آیا ہے۔ اس کے دونوں ہاتھ مسخ ہو کر خنزیر کے سے ہو گئے ہیں۔ ہم اس کے پاس آئے اور کہا ہمارے پاس آ جا۔ اس نے دونوں ہاتھ نکال کر دکھائے اور کہ میرا تو یہ حشر ہوا ہے۔ پھر جب ہم ایک ایسے علاقے میں آئے جہاں خنزیروں کی کثرت تھی۔ وہ انہیں دیکھ کر چلانے لگا اور اس کی ساری شکل خنزیروں جیسی ہو گئی۔ پھر بھاگ کر ہماری نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ اس کے بعد ہم اس کا سامان اور غلام لے کر کوفہ آئے۔

نویں حکایت

ایک اور شخص کا بیان ہے کہ ایک سفر میں ایک شخص ہمارے ساتھ ہو لیا جو حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کی شان میں بکتا تھا۔ ہم نے اسے روکا مگر باز نہ آیا۔ پھر کسی کام کے لئے قافلہ سے الگ ہوا تو شہد کی مکھیوں نے اس پر حملہ کر دیا۔ وہ مدد کے لئے چلایا۔ جب ہم اس کو بچانے کے لئے بڑھے تو مکھیاں ہم پر بھی حملہ آور ہو گئیں۔ یہاں تک کہ ہم اسے چھوڑنے پر مجبور ہو گئے اور وہ اسے متواتر ڈنگ مارتی رہیں۔

دسویں حکایت

شہر بن حوشب کہتے ہیں۔

''میں اپنے معمول کے مطابق قبرستان کی طرف نکلتا اور فوت شدگان کے لئے دعائے بخشش کرتا۔ ایک دن نکلا تو دو صوف پوش آدمیوں کو لڑتے دیکھا۔ ان میں سے ایک نے دوسرے کو زخمی کر دیا تھا۔ میں نے بیچ بچاؤ کرتے ہوئے ان سے کہا تمہارے کپڑے تو نیکو کاروں کے ہیں اور کام بدکاروں جیسے۔ تو زخمی کر دینے والا شخص بولا، چھوڑیئے آپ نہیں جانتے۔ یہ کیا بکتا ہے؟ میں نے پوچھا۔ کیا کہتا ہے؟ کہا یہ بکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ سب سے افضل ہیں اور ابو بکر و عمر (رضی اللہ عنہما) معاذ اللہ

ایمان لانے کے بعد مرتد ہو گئے۔ اور مسلمانوں کے خلاف صف آرا رہے۔ یہ تقدیر کا انکار کرتا ہے اس کا نکتہ نگاہ خارجیوں جیسا ہے اور یہ دین میں نئی نئی باتیں کرتا رہتا ہے۔

میں نے دوسرے سے پوچھا کیا تو واقعی ایسا کہتا ہے؟ اس نے جواب دیا ہاں! پھر میں نے اس سے لڑنے والے سے کہا۔ (اس کا معاملہ خدا پر چھوڑ دو کیونکہ) ''خدا گھات میں ہے اور بخوبی دیکھ رہا ہے۔'' اس نے کہا۔ نہیں میں اس کو نہیں چھوڑوں گا۔ یا پھر آپ ہمارا فیصلہ چکا دیں۔ میں نے کہا میں کیسے فیصلہ چکا سکتا ہوں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو چکا، سلسلۂ وحی رک گیا ہے۔

''اس نے سامنے بھڑکتی آگ کی طرف دیکھ کر کہا۔ ہم اس آگ میں کودتے ہیں۔ جو حق پر ہوگا۔ بچ جائے گا اور جو باطل پر ہوگا بھسم ہو جائے گا۔'' میں نے دوسرے سے کہا۔ تمہارا اس پر اتفاق ہے؟ کہا۔ ہاں! پھر دونوں ایک دوسرے کا گریبان پکڑے بھٹھی کے مالک کے پاس گئے اور کہنے لگے بھٹھی کا دروازہ بند نہ کیجئے ہم اس میں کودیں گے۔ اس نے روکا تو بولے۔ ہمارا آگ میں کودنا ضروری ہے۔ پوچھا کیا مجبوری ہے؟ تو سارا قصہ بیان کیا۔ اس نے کہا میں تمہیں قسم دے کر کہتا ہوں۔ ایسا نہ کرو۔ مگر وہ نہ مانے۔ تو سنی شخص نے بدعتی سے کہا۔ مجھے پہلے داخل ہونا ہے یا تجھے۔ اس نے کہا: پہلے تو داخل ہو چنانچہ سنی اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کہتے ہوئے آگے بڑھا۔ اس وقت اس کی زبان پر یہ کلمات تھے۔

اے اللہ! تو جانتا ہے کہ میرا دین و عقیدہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب لوگوں سے افضل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔ جنہوں نے جان و مال سے تیرے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کی۔ سب سے پہلے ایمان لائے اور حضور کی دعوت کو قوت دینے کا سبب بنے ان کے علاوہ کوئی ثانی اثنین نہیں (اسی طرح اور بھی فضائل بیان کئے)۔

میرا عقیدہ ہے کہ ان کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مقام و مرتبہ ہے جن کے ذریعے تو نے اسلام کو عزت دی اور ان کے دم قدم سے حق و باطل کے درمیان تفریق پیدا کی۔

ان کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا درجہ ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کی دو صاحبزادیوں کے شوہر ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے حق میں فرمایا:

''اے عثمان! اگر میری تیسری بیٹی بھی اس وقت ہوتی تو تیرے نکاح میں دے دیتا۔''

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو یہ فضیلت حاصل ہے کہ انہوں نے جیش عسرت (یعنی تنگی کے لشکر) کے لئے سازوسامان مہیا کیا۔ نیز ہر مشکل گھڑی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بھرپور ساتھ دیا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ ہیں۔ وہ حضور کے چچازاد بھائی اور داماد ہیں۔ حسنین کریمین رضی اللہ عنہما کے والد گرامی ہیں اور مشکل حالات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ دینے والے۔

میں تقدیر کے خیر وشر پر ایمان لاتا ہوں۔ نیز ہر اس چیز پر یقین رکھتا ہوں جس کا حضور نے حکم دیا یا جس سے منع فرمایا۔ میرا عقیدہ خارجیوں جیسا نہیں۔ میں مرنے کے بعد جی اٹھنے اور حساب کتاب کے لئے دوبارہ زندہ ہونے پر ایمان رکھتا ہوں۔ مجھے یقین کامل ہے کہ تو برحق خدا ہے تیری مثال کوئی نہیں۔ تو اہل قبور کو جی اٹھائے گا۔ میں اتباع شریعت کرتا ہوں۔ ابتداع ومخالفت نہیں۔

پھر کہا!

اے میرے اللہ! یہ میرا دین واعتقاد ہے۔ اگر میں حق پر ہوں تو اس آگ کو مجھ پر اس طرح ٹھنڈا کر دے جس طرح تو نے ابراہیم علیہ السلام پر کی۔ مجھ سے اس کی حرارت اس کے شعلے اور اذیت دور کر دے۔ میں یہ اقدام تیرے دین کی حمایت ونصرت اور غیرت کے لئے کر رہا ہوں۔ اس عقیدہ کے اظہار کے بعد وہ آگ میں کود گیا۔

اس کے بعد دوسرا متبدع شخص آگے بڑھا اور سنی کی طرح حمد وثناء بیان کی۔ پھر کہا

''میرا عقیدہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ افضل ہیں۔ پھر آپ کے فضائل بیان کرنے کے بعد کہا میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے علاوہ کسی کو

برحق نہیں مانتا۔ابوبکر نے اسلام لانے کے بعد کفر کیا۔مسلمانوں سے قتال کیا اور دائرہ اسلام سے نکل گیا۔اسی طرح عمر اور عثمان نے بھی دین سے خروج کیا (معاذ اللہ عن ذلک) اس کے بعد اپنے گمراہ کن عقائد ونظریات کا ذکر کیا اور یہ کہتے ہوئے آگ میں داخل ہو گیا کہ یہ میرا دین وعقیدہ ہے۔''

بھٹھی والے نے بھٹھی کو ڈھک دیا۔اور یہ کہہ کر وہاں سے کھسک گیا کہ دونوں جل کر بھسم ہو جائیں گے۔دونوں نے خودکشی کی ہے۔مگر میں صورت حال واضح ہونے کے لئے وہاں کھڑا رہا اور میری آنکھیں بھٹھی سے اٹھنے والے دھوئیں پر جمی رہیں۔یہاں تک کہ سورج ڈھل گیا۔اس وقت بھٹھی کا ڈھکنا اٹھا اور سنی نکل کر میرے پاس آیا۔میں نے اس کا ماتھا چوما اور پوچھا، کیسے ہو؟ اس نے کہا۔خیریت سے ہوں۔مجھے ایسی خوش منظر جگہ لے جایا گیا جہاں طرح طرح کے فرش بچھائے گئے تھے۔جن پر پھول بچھے تھے۔اور خدمت کے لئے خدمتگار موجود تھے۔میں نے وہاں ایک گھڑی آرام کیا۔پھر کسی نے آکر کہا اٹھ، تیرے جانے کا وقت آ گیا ہے۔اٹھ نماز پڑھ۔اس کے بعد میں بھٹھی سے باہر آ گیا۔'' میں نے اس سے کہا ذرا ٹھہرو۔پھر بھٹھی والے کو بلایا وہ لوہے کا ایک ڈنڈا لے آیا۔اور بدعتی کو ڈھونڈنے لگا۔یہاں تک کہ وہ بدعتی سے جا لگا۔پس اس نے اسے آگ سے باہر کھینچ نکالا۔اس کا سارا بدن جل کر کوئلہ ہو چکا تھا۔سوائے چہرہ کے، وہ سفید تھا اور اس پر دو سطریں لکھی تھیں جنہیں ہر کوئی پڑھ سکتا تھا۔وہ سطریں یہ تھیں۔

''یہ سرکش اور باغی شخص ہے جس نے ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کی تکفیر کی، اور یہ رحمت الٰہی سے مایوس ہے۔''

اس حیران واقعہ کے بعد تین دن تک بازار بند رہے تاکہ لوگ اس سنی کا دیدار کریں اور اس کی روداد سنیں۔اس موقعہ پر چار ہزار آدمیوں نے حضرت صدیق اکبر اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہما پر لعن طعن سے توبہ کی (مصباح الظلام)

یہ دس حکایات ہیں جن میں اہل عبرت کے لئے سامان عبرت ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ

عنہم بالخصوص حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما سے دشمنی رکھنے والوں کے بُرے انجام کا تذکرہ ہے۔

گیارہویں حکایت

امام شعرانی کی ''منن الکبریٰ'' میں ہے:

شیخ عبدالغفار قوصی صاحب کتاب الوحید فی علم التوحید'' فرماتے ہیں۔ ہمیں خبر ملی کہ ایک شخص حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما پر لعن طعن کرتا تھا۔ اس کی بیوی اور بچے اسے اس بُری حرکت سے منع کرتے مگر باز نہ آتا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے اس جرم کی پاداش میں خنزیر بنادیا اور اس کے گلے میں زنجیر ڈال دی۔ اس کے بچے اس کے پاس جا کر اس تکلیف دہ منظر کو دیکھتے (اور کڑھتے) پھر کچھ دنوں کے بعد اس کو موت آ گئی اور اس کی اولاد نے اسے گندگی کے ڈھیر پر پھینک دیا۔ شیخ قوصی فرماتے ہیں۔ میں نے اسے بچشم خود دیکھا وہ خنزیروں کی سی آواز نکالتا تھا۔

بعد ازاں شیخ محب الدین طبری نے ایک شخص کے حوالے سے مجھے خبر دی کہ اس کی ممسوخ کے بیٹے سے ملاقات ہوئی تو اس نے تمام واقعہ بیان کیا اور کہا ''میرا باپ مجھے مارتا تھا اور کہتا تھا کہ ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کو گالیاں دو۔ مگر میں اس طرز عمل سے باز رہتا تھا۔''

میں کہتا ہوں۔

ایسا ہی ایک واقعہ حضرت شیخ نے منن کبریٰ کے چودہویں باب میں ذکر کیا ہے وہ فرماتے ہیں۔

''مجھ پر اللہ تعالیٰ کا احسانِ عظیم ہے کہ میں نے بچپن ہی سے کسی کے ساتھ مذاق نہیں کیا۔ یہ ادب الٰہی کی وجہ سے تھا۔ میں نے کسی نمازی بچے، قرآن کے قاری یا ذکر میں مشغول بچے سے کبھی آنکھ یا ہاتھ سے شرارت نہیں کی، ورنہ مدرسہ میں کم ایسے بچے ہوتے ہیں جو ان حرکتوں سے محفوظ رہتے ہیں۔

تاریخ شاہ منصور ابن سلطان میں ہے کہ حاکم حلب کی طرف سے ایک ایلچی ایک خط مصر

لایا۔اس خط میں تحریر تھا کہ جامع مسجد میں ایک امام نماز کی امامت کرا رہا تھا اسی اثناء میں ایک بدکار نے آ کر اس سے بُری حرکت کی۔ جب امام نے سلام پھیرا تو شرارت کرنے والے کا چہرہ مسخ ہو چکا تھا اور وہ خنزیر کی شکل کے ساتھ جنگل کی طرف بھاگ گیا۔لوگ اس واقعہ سے انتہائی حیران ہوئے اور یہ محضر نامہ تیار کیا۔ دراصل یہ غیرتِ الٰہی کا مظہر اور بارگاہِ خداوندی میں بے ادبی کرنے والوں کے لئے جلد سزا کا ایک انداز ہے۔میرے بھائی! اپنی اولاد کو ایسی حرکتوں سے باز رکھنے کی کوشش کر،اھ

بارہویں حکایت

منن کبریٰ ہی میں ہے شیخ عبدالغفار قوصی رحمہ اللہ اپنی کتاب الوحید میں لکھتے ہیں۔

ایک بڑا عالم میرا دوست تھا۔مرنے کے بعد خواب میں ملا تو میں نے اس سے دین اسلام کے بارے میں پوچھا،مگر اس نے جواب میں ٹال مٹول سے کام لیا میں نے سوال کیا، کیا اسلام دین حق نہیں؟ کہا،ہاں دین حق ہے، میں نے اس کے چہرے کی طرف دیکھا تو تارپین کی طرح سیاہ تھا۔حالانکہ زندگی میں اس کا رنگ گورا تھا، پوچھا،تمہارا چہرہ سیاہ کیوں ہے؟ دھیمی آواز میں بولا، میں نفس کی شرارت اور مصیبت کے باعث بعض صحابہ کرام کو بعض پر فضیلت دیتا تھا۔شیخ فرماتے ہیں اس عالم کا تعلق رافضیوں کے ایک شہر سے تھا۔

تیرھویں حکایت

علامہ ابن حجر مکی ''زواجر'' میں خلفائے راشدین کے فضائل ومناقب بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم پر لعن طعن کرنے والوں کو ایسی قبیح باتیں مشاہدہ میں آئی ہیں، جو ان کی باطنی خباثتوں اور شدید سزاؤں کی دلیل ہیں۔

کمال بن عدیم تاریخ حلب میں لکھتے ہیں۔

جب ابن منیر فوت ہوا تو حلب کے کچھ نوجوان اظہار خوشی کے لئے نکلے، وہ کہتے تھے جب کوئی گستاخ شیخین مرتا ہے تو اللہ تعالیٰ قبر میں اس کی شکل مسخ کر کے خنزیر بنا دیتا ہے بلاشبہ

یہ بد بخت بھی گستاخ تھا اس کی قبر پر جانا چاہیئے چنانچہ وہاں جا کر قبر کھولی تو اس کی صورت خزیر کی سی ہو چکی تھی اور اس کا رخ قبلہ سے ہٹا ہوا تھا۔ انہوں نے اسے قبر سے نکال کر باہر رکھا تا کہ لوگ عبرت انگیز منظر دیکھیں پھر جلا کر اس کی خاکستر قبر میں پھینک دی اور اوپر سے مٹی ڈال دی۔

چودھویں حکایت

امام ابن حجر زواجر بحوالہ تاریخ حلب نقل کرتے ہیں کہ ابوالعباس بن عبدالواحد نے صالح بزرگ عمر زغیبی کا واقعہ ان کی زبانی بیان کیا، وہ کہتے ہیں میں مدینہ منورہ میں مجاور تھا، روز عاشورہ قبہ عباس کی طرف نکلا اس قصبہ میں امامیہ مجلس کا انعقاد کرتے تھے، اس وقت وہ وہاں جمع تھے، میں نے قبہ کے دروازہ پر رک کر محبت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے نام پر کچھ مانگا۔ تو ایک بوڑھے شخص نے باہر نکل کر کہا، بابا بیٹھ جایئے، ہم مجلس سے فارغ ہولیں پھر آپ کی خدمت کریں گے، چنانچہ میں بیٹھ گیا (اور انتظار کرنے لگا، مجلس سے فارغ ہونے کے بعد ایک شخص میرے پاس آیا اور میرا ہاتھ تھام کر گھر لے گیا۔ پھر دروازہ بند کر کے دو غلام مجھ پر مسلط کر دیئے۔ انہوں نے مجھے خوب زدوکوب کیا اور اپنے آقا کے حکم پر میری زبان کاٹ دی، ان کے آقا نے کہا اب اسے چھوڑ دو۔ وہ دونوں پیچھے ہٹ گئے تو کہا "جا اس کے پاس جس کی محبت میں سوال کیا تھا کہ تجھے زبان لوٹا دے" میں وہاں سے نکلا اور روضہ اطہر کے پاس آیا، اس وقت شدت الم سے کراہ رہا تھا۔ میں نے دل میں کہا یا رسول اللہ! آپ دیکھ رہے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق کی محبت میں مجھ پر کیا بیتی؟ اگر آپ کے نزدیک وہ برحق ہیں وہ دعا کیجئے کہ میری زبان درست ہو جائے۔ پھر سخت تکلیف کی حالت میں رات روضہ اطہر کے قرب ہی میں گزاری، کچھ دیر کے لئے آنکھ لگی تو خواب میں دیکھا، کہ میری زبان پہلے کی طرح صحیح حالت میں ہوگئی ہے پھر آنکھ کھلی تو فی الواقع زبان درست تھی۔ اس احسان پر میں نے اللہ کا شکر ادا کیا، عمر زغیبی کہتے ہیں۔

اس سے میری محبت صدیق اکبر میں اضافہ ہوا، اگلے سال امامیہ پھر معمول کے مطابق قبہ

عباس میں اکٹھے ہوئے، میں نے حسب سابق دروازے پر محبت صدیق کے نام پر ایک دینار طلب کیا، حاضرین میں سے ایک نوجوان نے کہا بابا بیٹھ جائیے ہم فارغ ہولیں، پھر فارغ ہونے پر وہ نوجوان مجھے اپنے گھر لے گیا اور کھانا پیش کیا، کھانا کھا چکنے کے بعد اس نوجوان نے اٹھ کر اندرونی کمرے کا دروازہ کھولا، پھر زاروقطار رونا شروع کر دیا، میں نے اٹھ کر دیکھا کہ اس رونے کا سبب کیا ہے؟ تو دیکھ کر حیران رہ گیا کہ اندر ایک بندر بندھا ہے۔ میں نے اس کا راز پوچھا تو اس نے اور زیادہ رونا شروع کیا، پھر میری تسلی دینے پر کچھ خاموش ہوا۔ میں نے اسے قسم دے کر کہا کہ مجھے صورت حال سے آگاہ کر، اس نے کہا اگر آپ مجھے یقین دہانی کرائیں کہ اہل مدینہ میں سے کسی کو کچھ نہ بتائیں گے تو سارا واقعہ بتاؤں گا۔ چنانچہ میں نے قسم دی کہ اہل مدینہ میں کسی کے سامنے یہ راز نہ کھولوں گا تو اس نے سارا واقعہ بیان کیا کہ گذشتہ سال روز عاشورہ ایک شخص قبہ عباس کے دروازے پر آیا اور محبت صدیق میں کچھ مانگا، میرا باپ، جو کہ بڑا امامی تھا، اسے گھر لے آیا اور اپنے غلاموں کے ذریعے زدوکوب کروا کے اس کی زبان کاٹ ڈالی، رات کے وقت سوئے تو میرے باپ نے سخت چیخ ماری، ہم اس شور سے جاگ اٹھے دیکھا کہ اس کی صورت مسخ ہو کر بندر بن چکی ہے، ہم خوفزدہ ہو گئے اور اسے اس کمرے میں باندھ کر مشہور کر دیا کہ وہ فوت ہو گیا ہے۔ اب اس وجہ سے میں صبح و شام روتا ہوں۔

میں نے پوچھا کیا تم اس زبان بریدہ کو پہچان لو گے؟ اس نے کہا نہیں میں نے کہا اللہ کی قسم وہ میں ہی ہوں جس کی زبان تمہارے باپ نے کٹوائی تھی۔ پھر سارا قصہ بیان کیا تو اس نے اٹھ کر میرے سر اور ہاتھوں کو بوسہ دیا پھر ایک جوڑا اور دینار دے کر رخصت کیا۔

پندرھویں حکایت

امام شہاب الدین ابو العباس احمد شرحی زبیدی صاحب مختصر البخاری (م ۸۹۳ھ) اپنی کتاب طبقات الخواص اہل الصدق والاختصاص من اولیاء یمن میں مشہور فقیہ عالم صاحب کرامت بزرگ حضرت ابوالخطاب عمر بن مبارک نخعی کے تذکرہ میں لکھتے ہیں۔

ایک سال وہ حج بیت اللہ شریف اور زیارت روضہ اطہر سے مشرف ہوئے پھر روضہ اطہر کے سامنے کھڑے ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور شیخین کی بارگاہ میں مدحیہ قصیدہ پڑھا۔ جب پڑھ چکے تو ایک رافضی عزت افزائی کے لئے انہیں گھر لے گیا پھر گھر کے دروازے بند کر کے تلوار نکال لی، اور بولا۔ اب دو باتوں میں سے جو چاہے اختیار کر، یا تو شیخین کی مدح کرنے والی زبان باہر نکال تاکہ اسے قطع کروں، یا سر قلم کرانے کے لئے تیار ہو جا۔

انہوں نے زبان باہر نکال لی تو اس ظالم نے اسے کاٹ کر ان کے ہاتھ پر رکھ دیا اور کہا یہ تیری قصیدہ گوئی کا انعام ہے اس کے بعد فقیہ مذکور اپنی بریدہ زبان لے کر روضہ اطہر پر حاضر ہوئے اور اپنا مقدمہ بارگاہ رسالت میں پیش کیا، پھر وہیں لیٹ رہے، اسی رات خواب میں حضور کی زیارت ہوئی، حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما بھی ساتھ تھے، حضور نے فرمایا ابوبکر اس کی زبان لوٹا دو، چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق نے کٹا ہوا ٹکڑا ہاتھ میں لے کر زبان کے ساتھ جوڑا اور فرمایا اے زبان! اللہ کی قوت و اعانت سے جڑ جا، پس وہ اس طرح ہو گئی جس طرح کٹنے سے پہلے تھی، پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دست اقدس میرے سر اور جسم پر پھیرا، پھر شیخین نے بھی ایسا ہی کیا اور میرے حق میں دعا فرمائی، اس کے بعد جب آنکھ کھلی تو ایسا معلوم ہوا گویا کچھ ہوا ہی نہیں تھا، پھر فقیہ مذکور یمن لوٹ آئے اور ان کی یہ کرامت لوگوں میں بہت مشہور ہے۔

اگلے سال جب حج و زیارت کا شرف حاصل ہوا اور قصیدہ پڑھ کر فارغ ہوئے تو ایک خوبصورت نوجوان نے عرض کیا۔ جناب میری خواہش ہے کہ رات میرے ساتھ چلیں ہم آپ سے برکت حاصل کرنا چاہتے ہیں، حضرت ابوالخطاب فرماتے ہیں۔

میں اس کے ساتھ ہو لیا تا آنکہ ایک گھر پہنچے جو مانوس سا نظر آتا تھا، مجھے کچھ تردد سا ہوا، پھر ذات الٰہی پر بھروسہ کرتے ہوئے اندر داخل ہو گیا، اندر ایک بندر بندھا تھا مجھے دیکھتے ہی بھڑک اٹھا اور حملہ کر دینا چاہتا تھا، نوجوان نے اس کو جھڑک کر بٹھایا اور مجھے اس سے دور بٹھایا۔ پھر کھانا لے آیا اور ہم نے مل کر کھانا بعد ازاں کہنے لگا اے بزرگ فقیہ! آپ اس گھر کو

پہنچانتے ہیں؟ میں نے کہاہاں پوچھا اس بندر کی بھی شناخت ہے؟ میں نے جواب دیا نہیں، کہنے لگا یہ وہی بوڑھا شخص ہے جس نے آپ کی زبان کاٹی تھی، اور میں اس کا بیٹا ہوں۔
ہوا یہ کہ آپ کی زبان قطع کرنے کے بعد رات کو سویا، پھر بندروں کی طرح چلاتے ہوئے اٹھ بیٹھا، ہم نے چراغ جلا کر دیکھا تو اس کی صورت بگڑ چکی تھی۔ اور بندر بن چکا تھا۔ پس ہم نے اسے باندھ دیا۔ اب ہم سب اس کے مذہب سے توبہ کر چکے ہیں اور شیخین سے محبت کرتے ہیں،
حضرت شیخ فرماتے ہیں مجھے اس واقعہ سے انتہائی حیرانی ہوئی۔ پھر وہاں سے رخصت ہوا۔

سولھویں حکایت

امام یافعیؒ اپنی کتاب ''نشر المحاسن'' میں صحیح سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں اور یہ واقعہ شہرہ آفاق بھی ہے کہ شیخ کبیر عارف باللہ حضرت ابن زغب رضی اللہ عنہ کا معمول تھا کہ حج و زیارت کے لئے پیدل سفر کرتے تھے، اور مدینہ شریف پہنچ کر روضہ اطہر کے سامنے بارگاہ رسالت اور شان شیخین میں مدحیہ قصیدہ پڑھتے تھے، ایک دفعہ قصیدہ سے فارغ ہوئے تو ایک رافضی نے گھر چلنے کی درخواست کی، تاکہ ضیافت کرے، آپ نے اس کی دعوت قبول کر لی اور ساتھ چل پڑے، جب گھر میں داخل ہوئے تو اس نے اپنے دو غلام آپ پر مسلط کر دیئے جنہوں نے زدوکوب کرنے کے بعد آپ کی زبان کاٹ ڈالی، پھر بریدہ زبان حوالے کر کے کہا، جاؤ ان دونوں کے پاس جن کی تم نے تعریف کی، کہ وہ تمہیں زبان لوٹا دیں، آپ اپنی کٹی زبان لے کر بارگاہ رسالت میں آئے اور روضہ اطہر کے قریب کھڑے ہو کر شکایت کی، جب رات آئی، خواب میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی صاحبین (ابوبکر و عمر) رضی اللہ عنہما بھی بارگاہ رسالت میں موجود تھے۔ اور بہت افسردہ تھے۔ حضور نے زبان کاٹنے والے بدبختوں کی مذمت فرمائی اور شیخ ابن زغب کو قریب کر کے ان کی زبان جوڑ دی، جب آنکھ کھلی تو دیکھا کہ زبان صحیح و سالم ہے، پھر حج و زیارت کے بعد اپنے علاقے کو روانہ ہو گئے شیخ مذکور آئندہ برس حسب معمول پھر حج کے لئے آئے اور روضہ اطہر پر حاضری کے وقت قصیدہ پڑھا،

جب فارغ ہوئے تو ایک شخص نے ساتھ چلنے کی التماس کی، آپ ساتھ ہو لیئے، جب اس کے گھر کے قریب آئے تو محسوس ہوا کہ جگہ جانی پہچانی ہے پھر ذات خداوندی پر بھروسہ کرتے ہوئے اندر داخل ہوئے، اس شخص نے خوب آؤ بھگت کی جب کھانے سے فارغ ہوئے تو وہ آپ گھر کے اندرونی حصے میں لے گیا جہاں ایک بندر بندھا تھا، پوچھا، آپ اس کو پہچانتے ہیں، فرمایا نہیں، کہا یہ وہی ہے جس نے آپ کی زبان کاٹی تھی، اللہ تعالیٰ نے اس کی شکل مسخ کر دی اور میں اس کا بیٹا ہوں، انتہی،

امام یافعیؒ اس کے بعد لکھتے ہیں،

وہ گھر جہاں حضرت ابن زغب کی زبان قطع کی گئی، دار قاشانی کے نام سے مشہور ہے۔

مجھے بھی اس گھر کے پہلو میں ایک چبوترے پر رات گزارنے کا اتفاق ہوا، میں لوگوں کی نظروں سے بچنے اور آمد و رفت کی جگہ سے دور رہنے کی خاطر وہاں رہا، مجھے اس مکان پر بے رونقی اور ویرانی سی نظر آئی، اور خوف سا محسوس ہوا، حالانکہ ویران جگہوں سے مجھے انس ہے، رات کو مشعل بردار لوگ میرے پاس آئے اور کہنے لگے ہم اس علاقے کے رئیس ہیں، اور جان پہچان کے بغیر یہاں کسی کو رہنے نہیں دیتے۔ تم اپنا تعارف کراؤ۔ میں نے کہا میں ایک نادار پردیسی ہوں۔ کہنے لگا اچھا امن و سکون کے ساتھ سو جاؤ، مگر میں اٹھ کر ایک اور مکان کی طرف چلا گیا جہاں میں نے رات بسر کی، بعد ازاں مجھے بتایا گیا کہ یہ وہی گھر ہے جہاں ابن زغب کی زبان کاٹی گئی تھی، میں اسے پہچانتا نہ تھا، نہ اس وقت وہاں مدینہ منورہ کا کوئی امیر وہاں رہتا تھا۔

سترھویں حکایت

امام یافعیؒ اپنی کتاب نشر المحاسن ہی میں تحریر فرماتے ہیں کہ صحیح سند کے ساتھ ثابت ہے کہ رافضیوں کا ایک گروہ قطب الاقطاب شیخ الشیوخ محی الدین عبد القادر رضی اللہ عنہ کی مجلس میں دو بند ٹوکریاں لایا اس وقت آپ کرسی پر جلوہ گر تھے اور لوگوں سے محو گفتگو تھے۔ رافضیوں نے کہا، بتایئے ان ٹوکریوں میں کیا ہے؟ یہ سن کر آپ نیچے تشریف لائے اور ایک ٹوکری پر ہاتھ

رکھا پھر فرمایا اس میں ایک اپاہج بچہ ہے پھر اسے کھولنے کا حکم دیا۔ تو اس ٹوکری میں واقعی ایک اپاہج بچہ تھا۔ بعدازاں دوسری ٹوکری پر ہاتھ رکھ کر فرمایا اس میں ایسا بچہ ہے جو بیماری سے پاک ہے، پھر حکم دیا اسے کھولیئے، جب ٹوکری کو کھولا گیا تو اس میں صحیح وسالم بچہ تھا، وہ بچہ اٹھ کر چلنے لگا، آپ نے اس کی پیشانی پکڑ کر فرمایا اپاہج ہو جا تو وہ جھٹ اپاہج ہو گیا، اس منظر کو دیکھ کر رافضی گروہ نے عقیدہ رفض سے توبہ کر لی۔

اٹھارویں حکایت

امام ابن حجرؒ زواجر میں لکھتے ہیں،

ایک صالح بزرگ کا بیان ہے کہ میں ایک گروہ کے ساتھ قبر علی المرتضی رضی اللہ عنہ کی زیارت کے لئے نکلا، ہم ایک علوی سردار کے ہاں ٹھہرے، اس کا خادم یہودی تھا جو گھر بار کے کام کاج کا ذمہ دار تھا، ایک ہاشمی دوست نے اس کے ساتھ ہماری جان پہنچان کرائی تھی اس لئے علوی مذکور نے خوب عزت کی، میرے ہاشمی دوست نے اس سے کہا، اے سردار آپ کے کام اچھے ہیں، شرف ومروت اور اکرام وعزت آپ کو حاصل ہے مگر ایک بات کھٹکتی ہے کہ آپ نے ایک یہودی کو خدمت پر لگا رکھا ہے حالانکہ یہ آپ کے دین اور آپ کے جد امجد کے دین کا مخالف ہے، کہا میں نے کئی غلام اور کنیزیں خریدے ہیں مگر کسی کو اپنے مزاج کے مطابق نہیں دیکھا نہ کسی کو اس کی طرح دیانتدار اور اخلاص مند پایا، یہ درون خانہ اور بیرون خانہ سب کام سرانجام دیتا ہے امانتدار بھی ہے اور باصلاحیت بھی، حاضرین میں سے ایک شخص نے کہا، جناب اگر یہ انہی خوبیوں کا مالک ہے تو اس پر اسلام پیش کیجئے، شاید اللہ تعالیٰ اسے توفیق ہدایت دے۔

چنانچہ علوی نے اسے بلایا اور اس نے آتے ہی کہا بخدا جانتا ہوں کہ آپ نے مجھے کیوں بلایا ہے؟ ہمارے ساتھیوں میں سے ایک نے کہا اے یہودی! تو اس علوی سردار، جس کا تو خدمتگار ہے، کی فضیلت، سرداری اور شان سے بخوبی آگاہ ہے یہ تجھ سے محبت کرتا ہے اور تیری امانتداری اور کام کی نگرانی کی تعریف کرتا ہے، یہودی نے کہا میں بھی اس سے محبت کرتا

ہوں، پوچھا پھر اس کے دین کے معاملے میں اس کی پیروی کیوں نہیں کرتا؟ اس نے کہا لوگو! میرا عقیدہ ہے کہ حضرت عزیز علیہ السلام کریم نبی تھے، حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی ایک معزز نبی تھے، اگر میں جانتا کہ یہودیوں میں کوئی ایسا ہے جو نبی کی بیوی پر بہتان باندھتا ہے یا اس کے والد کو گالیاں دیتا ہے اور نبی کے اصحاب پر زبان طعن کھولتا ہے تو میں ہرگز دین یہودیت اختیار نہ کرتا، بتاؤ اگر اسلام قبول کرلوں تو کس کی پیروی کروں گا؟ ہم نے اس کو کہا اس علوی کی، جس کا خدمتگار ہے۔ کہا، میں اس چیز کو اپنے لئے پسند نہیں کرتا، پوچھا کیوں؟ کہا یہ اپنے نبی کی زوجہ عائشہ پر بہتان باندھتے ہیں، اس کے والد ابوبکر کو گالیاں دیتے ہیں، اسی طرح عمر پر لعن طعن کرتے ہیں، میں پسند نہیں کرتا کہ دین محمد قبول کرکے پھر آپ کی ازواج پر بہتان طرازی کروں۔ اور آپ کے اصحاب کو گالیاں دوں، اس لحاظ سے سمجھتا ہوں کہ میرا دین بہتر ہے بہ نسبت اس دین کے جس پر میرا آقا ہے۔ یہ سن کر اس علوی نے شرمندگی سے سر جھکا لیا اور جان لیا کہ یہودی کی بات سچی ہے پھر کچھ دیر تک سر جھکائے زمین کی طرف تکتا رہا، بعد ازاں کہنے لگا، اے یہودی تو نے سچ کہا، ہاتھ بڑھا۔ میں توحید و رسالت کی گواہی دیتا ہوں اور اپنے پہلے عقیدے اور طعن تشنیع سے توبہ کرتا ہوں، یہ سن کر یہودی نے کہا میں بھی توحید و رسالت محمدیہ کی گواہی دیتا ہوں اور اس بات کی بھی کہ دین اسلام سچا دین ہے اور اس کے سوا ہر دین باطل ہے، اس کے بعد وہ مخلص مسلمان ہو گیا اور اللہ تعالیٰ کی توفیق و ہدایت سے علوی کی توبہ بھی سچی توبہ ہوئی۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی رضا سے ہم آہنگ ہونے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نقوش سیرت پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے، بے شک وہ بڑا داتا، کرم نواز اور مہربان ہے۔

استدراک:

یہ بات قابل توجہ ہے کہ مذکور الصدر علوی نے نہ صرف توبہ کی بلکہ نئے سرے سے اسلام قبول کیا کیونکہ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا پر بہتان طرازی، تکذیب قرآن ہے اور ان کی برأت کی نفی ہے۔ اور یہ بالاجماع کفر ہے، یونہی ان کے والد گرامی حضرت ابوبکر

صدیق رضی اللہ عنہ کے شرف صحابیت کا انکار تکذیب قرآن ہونے کی وجہ سے کفر ہے۔
ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

اِذْیَقُوْلُ لِصَاحِبِہٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا	یاد کرو جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صاحب (یعنی ساتھی) سے فرما رہے تھے، غم نہ کر اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے)

بہت سے فقہاء نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر سب وشتم کرنے والے کے قتل کو فتویٰ دیا ہے اسی لئے حضرت عبداللہ ہمدانی فرماتے ہیں۔

''میں ایک بار طبرستان میں حضرت حسن بن یزید داعی کی خدمت میں حاضر تھا، وہ گوڈری پوش بزرگ تھے، نیکی کا حکم دیتے اور برائی سے منع کرتے تھے۔ اور سالانہ بیس ہزار دینار صحابہ کرام کی اولاد پر خرچ کرنے کے لئے بغداد بھیجتے تھے، ایک شخص ان کے پاس آیا اور حضرت عائشہ کی شان میں بکنے لگا، حضرت حسن نے اپنے غلام کو حکم دیا کہ اس کی گردن مار دے'' اس حکم سے علویوں کا قبیلہ بھڑک اٹھا، وہ کہنے لگے کہ یہ تو ہمارے قبیلے کا آدمی ہے فرمایا (معاذ اللہ)

اس نے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر طعن کیا ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے

اَلْخَبِیْثَاتُ لِلْخَبِیْثِیْنَ وَالْخَبِیْثُوْنَ لِلْخَبِیْثَاتِ وَالطَّیِّبَاتُ لِطَّیِّبِیْنَ وَالطَّیِّبُوْنَ لِطَّیِّبَاتِ اُولٰٓئِکَ مُبَرَّءُوْنَ مِمَّا یَقُوْلُوْنَ۔	خبیث عورتیں خبیث مردوں کے لئے ہیں اور خبیث مرد خبیث عورتوں کے لئے اور پاکیزہ عورتیں پاک مردوں کے لئے ہیں اور پاک مرد پاک عورتوں کے لئے ہیں، وہ ان (بکواسیوں) کے الزامات سے بری اور پاک ہیں،

اگر معاذ اللہ معاذ اللہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پاک وطاہر نہ ہوں تو معاذ اللہ ان کے پاک شوہر کے متعلق بھی یہی کہنا پڑے گا، اور یہ کفر ہے کیونکہ حضور طیب وطاہر ہیں بلکہ ساری مخلوق سے زیادہ پاک اور معزز ہیں۔ اس لئے حضرت عائشہ بھی پاک ہیں اور ہر قسم کی

طعن وتشنیع سے مبرا ہیں، اے غلام اٹھ اور اس کافر کی گردن اڑا دے، پس اس نے تعمیل حکم کرتے ہوئے اسے قتل کر دیا۔

ع خرکم جہاں پاک

انیسویں حکایت

شیخ شرف الدین شعبان قرشی مصری اپنی کتاب شفاء الاسقام فی فضل الصلاۃ علی خیر الانام صلی اللہ علیہ وسلم میں ابوعلی قطان رحمہ اللہ کا بیان نقل کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں۔

میں نے خواب میں دیکھا گویا کرخ کی جامع شرقیہ میں ہوں، وہاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں اور آپ کے ساتھ دو اور آدمی بھی ہیں جنہیں میں پہچانتا نہیں۔ میں نے آگے بڑھ کر سلام عرض کیا، مگر حضور نے جواب نہ دیا میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں تو شب و روز آپ کی ذات گرامی پر درود وسلام پڑھتا ہوں، جواب سلام سے محرومی کی کیا وجہ ہے؟ فرمایا تم مجھ پر تو درود پڑھتے ہو مگر میرے اصحاب کو گالیاں دیتے ہو، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں آپ کے دست مبارک پر توبہ کرتا ہوں اور وعدہ کرتا ہوں کہ آئندہ ایسا نہیں کروں گا۔ پھر حضور نے فرمایا وعلیک السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

بیسویں حکایت

امام سمہودی خلاصۃ الوفا فی اخبار دار المصطفی میں امام محب الدین طبری کی کتاب الریاض النظرہ کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ ثقہ وصدوق اور خیر وصلاح میں مشہور بزرگ شیخ عمر بن زغب کے صاحبزادے ہارون اپنے والد گرامی سے نقل کرتے ہیں۔

ایک پارسا شخص، اور بارگاہ رسالت کے خدمتگاروں کے سردار شیخ شمس الدین صواب اللمطی نے مجھ سے کہا، آپ کو حیران کن واقعہ سناتا ہوں میرا ایک دوست امیر کی مجلس میں بیٹھتا تھا اور وہاں کی اہم خبریں مجھے لا کر دیتا تھا، ایک دن میرے پاس آ کر کہنے لگا، آج ایک بہت بڑا واقعہ پیش آیا ہے۔ حلب کے کچھ لوگ آئے، انہوں نے بہت سا مال امیر کی خدمت میں اس غرض سے پیش کیا کہ حجرہ مقدسہ کھول کر روضہ اطہر سے حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر

رضی اللہ عنہ کے اجساد نکالنے کا موقع مہیا کرے، امیر نے ان کا مطالبہ تسلیم کرلیا، پھر زیادہ دیر نہ گزری کہ امیر کا ایلچی میرے پاس مجھے بلانے کے لئے آیا میں حاضر ہوا تو امیر نے کہا صواب! آج رات کچھ لوگ مسجد کا دروازہ کھٹکھٹائیں گے، ان کے لئے دروازہ کھول دینا اور انہیں حسب منشاء کام کرنے سے منع نہ کرنا میں نے کہا، جناب حکم پر عمل ہوگا، پھر حجرہ شریف کے پیچھے آ کر رونے لگا، جب عشاء کی نماز ہو چکی اور سب دروازے بند ہو گئے تو تھوڑی دیر کے بعد باب السلام کی جانب سے دروازے پر دستک ہوئی۔ میں نے امیر کے حکم کے مطابق دروازہ کھول دیا تو میرے اندازے کے مطابق چالیس آدمی پھاوڑے، کدالیں شمعیں، گرانے اور کھودنے کے آلات لے کر اندر داخل ہوئے اور حجرہ اقدس کو کھودنے کا قصد کیا، اللہ کی قسم ابھی منبر شریف کے قریب تک نہ پہنچے کہ ان سب کو اسباب و آلات سمیت زمین نے نگل لیا، پھر جب امیر کو کافی انتظار کے بعد بھی خبر نہ ملی تو مجھے بلا کر پوچھا، صواب! وہ لوگ نہیں آئے تھے؟ میں نے کہا، آئے تھے، مگر ان کا یہ حشر ہوا ہے، اور جو کچھ دیکھا تھا صاف صاف بتادیا اس نے کہا سوچ لو، کیا کہہ رہے ہو؟ میں نے کہا جناب! ایسا واقعہ پیش آیا ہے آپ تشریف لے چلیں اور خود مشاہدہ کرلیں، وہاں ان کا نام ونشان تک باقی نہیں، امیر نے کہا اگر تمہاری غلط بیانی ثابت ہوئی تو گردن اڑادوں گا

محب طبری کہتے ہیں میں نے اس واقعے کا تذکرہ ایک ثقہ شخص سے کیا تو اس نے بتایا کہ ایک دن میں شیخ ابوعبداللہ قرطبی کی خدمت میں حاضر تھا اس وقت شیخ صواب مذکور ان کو یہ واقعہ سنا رہے تھے میں نے خود یہ واقعہ ان کی زبان سے سنا اھ۔

اس واقعہ کو ابو محمد عبداللہ بن ابی عبداللہ ابن ابی محمد مرجانی نے اختصار کے ساتھ تاریخ مدینہ میں نقل کیا ہے، وہ کہتے ہیں میں نے اسے اپنے والد گرامی امام جلیل ابوعبداللہ مرجانی سے سنا اور انہوں نے خادم حجرہ شریف سے سن کر بیان کیا پھر میں نے بھی بالمشافہ خادم حجرہ سے اس کی سماعت کی،

اس کو امام شعرانی نے اپنی کتاب منن کبریٰ کے بارہویں باب میں مختصراً نقل کیا ہے اور امام

طبری کے حوالے سے یہ اضافہ کیا ہے کہ حرم کے جس افسر نے اس کی اجازت دی تھی وہ کوڑھ کے مرض میں مبتلا ہوا اس کے اعضاء کٹ کر گرنے لگے اور بہت بری حالت میں فوت ہوا۔

امام شعرانیؒ فرماتے ہیں

''جب رافضیوں کو ان کے زمین میں گڑنے کی خبر ملی تو بھیس بدل کر مدینہ شریف آئے، اور حیلہ سازی کر کے خادم کو ایک ویران جگہ پر لے گئے اور اس کی زبان کاٹ دی، اس کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم (خواب میں) خادم مسجد کے پاس تشریف لائے اور اس کے بدن اور منہ پر دست اقدس پھیرا تو اس کی زبان بحال ہوگئی، ان بدبختوں نے خادم کے ساتھ دوسری اور تیسری بار بھی یہی سلوک کیا تو حضور نے کرم نوازی کر کے اس کی تکالیف زائل فرما دی اور وہ صحیح وسالم ہو گیا

نوٹ: اس واقعہ کو حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی اپنی کتاب جذب القلوب میں ریاض نضرہ کے حوالے سے نقل کیا ہے۔

اکیسویں حکایت

امام غزالی احیاء العلوم شریف میں فرماتے ہیں۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا خواب میں دیدار کیا، شیخین رضی اللہ عنہما بھی بارگاہ رسالت میں حاضر تھے۔ اسی اثناء میں حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کو لایا گیا اور ایک مکان میں داخل کر کے دروازہ بند کر دیا گیا، اور یہ سب کچھ میری آنکھوں کے سامنے ہوا، تھوڑی ہی دیر میں حضرت علی یہ کہتے ہوئے باہر تشریف لائے رب کعبہ کی قسم! میرے حق میں فیصلہ ہو گیا، تھوڑی دیر کے حضرت معاویہ نکلے اور وہ کہہ رہے تھے رب کعبہ کی قسم مجھے بخش دیا گیا،

شارح احیاء سید مرتضیٰ فرماتے ہیں۔

اس خواب کو ابن ابی الدنیا نے ''کتاب المنامات'' میں روایت کیا،

بائیسویں حکایت

حافظ سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ شرح الصدور میں، نیز سیّد مرتضیٰ رحمہ اللہ تعالیٰ شرح احیاء میں تحریر فرماتے ہیں۔

ابن سعد نے طبقات میں ابومرہ عمرو بن شرحبیل سے روایت کیا، کہ میں نے خواب میں دیکھا، گویا مجھے جنت میں داخل کیا گیا، کیا دیکھتا ہوں کچھ خیمے نصب ہیں، میں نے پوچھا یہ کس کے لئے ہیں، بتایا گیا کہ ذی کلاع اور حوشب کے لئے، یہ دونوں شخص جنگ صفین میں حضرت معاویہ کی طرف سے شریک ہو کر قتل ہوئے۔ میں نے پوچھا، یہ جنت میں ہیں تو عمار اور اس کے ساتھی کہاں ہیں، کہا، تمہارے سامنے میں نے کہا یہ تو آپس میں لڑے تھے، جواب ملا، یہ بارگاہ الٰہی میں حاضر ہوئے تو اللہ تعالیٰ کو بہت بخشش کرنے والا پایا۔ میں نے پوچھا اہل نہروان کے ساتھ کیا بیتی؟ کہا گیا، سخت عذاب میں گرفتار ہوئے۔

تیئسویں حکایت

حافظ سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ شرح الصدور میں نیز سید مرتضیٰ رحمہ اللہ تعالیٰ شرح احیاء میں بحوالہ ابوبکر صیرفی لکھتے ہیں، ابن ابی الدنیا کی کتاب المنامات میں ہے، کہ ایک شخص فوت ہوا، وہ حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو گالیاں دیا کرتا تھا اور جہمیہ کا عقیدہ رکھتا تھا۔ اس شخص نے اسے خواب میں اس حالت میں دیکھا کہ اس کا بدن ننگا تھا۔ صرف سر اور شرم گاہ پر سیاہ کپڑے کے چیتھڑے تھے۔ اس نے پوچھا، اللہ تعالیٰ نے تیرے ساتھ کیا سلوک کیا؟ جواب دیا مجھے اللہ تعالیٰ نے بکر القس اور عون بن السیر کے ساتھ ملحق کر دیا، واضح رہے کہ وہ دونوں عیسائی تھے۔

چوبیسویں حکایت

شرح الصدور نیز شرح الاحیاء میں بحوالہ کتاب المنامات منقول ہے۔ ایک بزرگ نے ذکر کیا میرا ایک ہمسایہ فوت ہو گیا وہ شان صحابہ میں بکتا رہتا تھا، میں نے خواب میں اسے دیکھا

تو یک چشم گل (کانا) تھا پوچھا اے فلاں یہ تیری کیا حالت ہے؟ تو اپنی کانی آنکھ پر ہاتھ رکھ کر بولا میں شان صحابہ میں گستاخی کرتا تھا، اللہ تعالیٰ نے مجھے اس کی یہ سزا دی ہے۔

پچیسویں حکایت

یہ حکایت بہت اہم کثیر الفائدہ ہے، امام تاج الدین عبد الوہاب سبکی رحمہ اللہ تعالیٰ طبقات شافعیہ میں حجۃ الاسلام امام غزالی کے حالات زندگی میں لکھتے ہیں، حافظ ابو القاسم ابن عساکر نے کتاب التبیین میں تحریر فرمایا، میں نے امام ابو القاسم سعد بن علی ابو القاسم ابو ہریرہ اسفرائینی شافعی کو دمشق میں سنا وہ فرمارہے تھے، میں نے شیخ امام یکتائے زمانہ زین القراء جمال حرم عامر بن نجا بن عامر ساوی کی زبان سے مکہ مکرمہ سے یہ حکایت سنی میں چودہ شوال ۵۴۵ھ اتوار کے دن ظہر اور عصر کے درمیان حرم شریف میں داخل ہوا۔ میرے سر میں شدید درد تھا اور شدت تکلیف کے باعث کھڑا نہیں ہوسکتا تھا نہ بیٹھ سکتا تھا۔ مجھے ایسی جگہ کی تلاش تھی جہاں تھوڑی دیر کے لئے آرام کرلوں، باب الخرورۃ کے پاس بیت الجماعہ کا دروازہ کھلا نظر آیا تو اندر آ گیا اور کعبہ شریف کے سامنے دائیں پہلو پر لیٹ گیا اور ہاتھ رخسار کے نیچے رکھ لیا ارادہ یہ تھا کہ نیند نہ آئے اور وضو نہ ٹوٹے، ایسی اثنا میں ایک مشہور بدعتی اندر آیا اور بیت الجماعہ کے دروازے پر مصلا بچھا کر کھڑا ہو گیا اس نے جیب سے چھوٹی سی تختی نکالی، میرا خیال ہے کہ پتھر کی تھی۔ اور اس پر کچھ لکھا تھا اس نے چوم کر اس تختی کو سامنے رکھا، اور ہاتھ چھوڑ کر طویل نماز پڑھی۔ وہ ہر بار اس تختی پر سجدہ کرتا تھا۔ جب نماز سے فارغ ہوا تو تختی پر طویل سجدہ کیا اور دونوں رخساروں پر رگڑ کر خوب زاری سے دعا کی پھر سر اٹھایا اسے چوم کر آنکھوں سے لگایا پھر چوم کر اسے جیب میں ڈال لیا۔

یہ دیکھ کر مجھے سخت وحشت اور ناگواری سی ہوئی میں نے دل ہی دل میں کہا میں نے دل میں کہا اگر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم موجود ہوتے تو ہم ان لوگوں کی غلط کاریوں اور بدعات کی شکایت کرتے، اس پریشانی میں کوشش کر رہا تھا کہ نیند نہ آئے تاکہ وضو نہ ٹوٹے، مگر نیند غالب آ گئی، پھر نیم خوابی کے عالم میں دیکھا کہ ایک کھلا میدان ہے جہاں لوگوں کی بہت بڑی تعداد

جمع ہے اور ہر ایک کے ہاتھ میں ایک مجلد کتاب ہے اور سب نے ایک شخص کے گرد حلقہ بنا رکھا ہے۔ میں نے حلقہ کے شخص اور دیگر لوگوں کے بارے میں دریافت کیا تو بتایا گیا کہ وسط حلقہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں جبکہ آس پاس مختلف مذاہب کے لوگ ہیں جو اپنے اپنے مذہب واعتقاد کو تصحیح کے لئے بارگاہ رسالت میں پیش کرنا چاہتے ہیں۔

اسی اثناء میں ایک شخص آگے بڑھا اس کے ہاتھ میں ایک کتاب تھی معلوم ہوا کہ امام شافعی ہیں، وہ حلقہ کے وسط میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب آئے۔ میں نے دیکھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حسن پورے جوبن پر ہے آپ سفید دھلا لباس زیب تن کئے ہیں عمامہ اور قمیض اہل تصوف کی طرح نہایت پاکیزہ اور اجلی ہے، آپ نے امام شافعی کو مرحبا کہا، امام شافعی نے اپنے مذہب کی کتاب آپ کے حضور پڑھی، بعدازاں ایک اور صاحب آئے، بتایا گیا کہ امام ابوحنیفہ ہیں۔ان کے ہاتھ میں بھی ایک کتاب تھی۔

پس انہوں نے سلام کیا پھر کتاب پڑھنے کے بعد امام شافعی کے پاس جا بیٹھے، بعدازاں ہر مذہب کے امام نے اپنی اپنی کتاب پڑھی اور جا کر صف آئمہ میں بیٹھ گئے، اور بجز چند افراد کے کوئی باقی نہ رہا، پھر ایک رافضی آیا اس کے ہاتھ میں کچھ غیر مجلد اوراجزاء تھے، جن میں اہل رفض کے باطل عقائد کا بیان تھا۔اس نے حلقہ میں گھسنے اور بارگاہ رسالت میں ان اجزاء کو پڑھنے کی کوشش کی، تو حضور کے ایک ساتھی نے اسے ڈانٹا اور اجزائے کتاب لے کر پھینک دیئے اور اسے حقارت کے ساتھ دھتکار دیا پھر جب دیکھا کہ سب لوگ پڑھنے سے فارغ ہو چکے تو میں کچھ آگے بڑھا! میرے ہاتھ میں ایک مجلد کتاب تھی، میں نے بلند آواز میں عرض کیا یارسول اللہ! یہ اہل سنت و جماعت کی اور میرے عقیدے کی کتاب ہے، اجازت ہو تو پڑھوں، فرمایا، کون سی کتاب ہے؟ میں نے عرض کیا امام غزالی کی تصنیف قواعد العقائد، ہے چنانچہ حضور نے مجھے پڑھنے کی اجازت مرحمت فرمائی اور میں نے اسے پڑھنا شروع کیا۔

☆☆☆☆☆

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ٥

کتاب قواعد العقائد چار فصلوں پر مشتمل ہے

فصل اوّل

عقائد اہل سنت اور کلمات شہادت

ہم بتوفیق الٰہی کہتے ہیں۔

سزاوار حمد وثناء ہے ذات الٰہی، جو مالک ہے (سلسلہ وجود کے) آغاز وانجام کی، اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے کرتا ہے، وہ عرش مجید کا مالک ہے، سخت پکڑ والا ہے، اپنے چیدہ بندوں کو راہ راست اور طریق ہدایت پر گامزن رکھتا ہے اور توحید کی گواہی کے بعد ان کے عقائد کو شکوک و شبہات کی تاریکیوں سے محفوظ فرما کر انہیں اپنے لطف وکرم سے نوازتا ہے نیز ان خوش نصیبوں کو اپنی تائید ونصرت کے ساتھ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی پیروی کی توفیق دیتا ہے اور ان کے لئے اپنی ذات اقدس اور افعال کے ایسے محاسن ظاہر فرماتا ہے جن کا ادراک صرف وہی شخص کرسکتا ہے جو حضور قلب کے ساتھ توجہ کرے۔

اللہ تعالیٰ ان بندوں کو اس بات کی پہچان کراتا ہے کہ وہ اپنی ذات میں یکتا ہے لاشریک، منفرد اور بے مثال ہے، وہ صمد ہے، وہ ضد اور قد سے پاک ہے، وہ ایسا واحد قدیم ہے جس کا اوّل نہیں۔ وہ ازلی ہے جس کا آغاز نہیں۔ وہ مستمر الوجود ہے اس کی انتہا نہیں۔ وہ ابدی ہے اس کی نہایت نہیں۔ وہ قیوم ہے اس کا انقطاع نہیں۔ وہ دائم ہے اس کا اختتام نہیں۔ وہ ہمیشہ سے جلالی صفات سے متصف ہے اور ہمیشہ متصف رہے گا۔ زمانوں کا گزرنا اور مدتوں کا ختم ہونا اس پر اثر انداز نہیں ہوتا۔ وہ اوّل ہے، آخر ہے، ظاہر ہے، باطن ہے اور ہر چیز اس کے دائرہ علم میں ہے۔

تنزیھہ باری تعالیٰ

اللہ تعالیٰ جسم مصور نہیں، نہ جوہر محدود ہے وہ اندازے میں اجسام کے مماثل نہیں، وہ تقسیم قبول نہیں کرتا، وہ جوہر نہیں کہ اس میں جواہر حلول کریں وہ عرض نہیں کہ اس میں اعراض سما جائیں، کوئی شے اس کے مماثل نہیں نہ وہ کسی شے کے مماثل ہے، وہ ایسی ذات ہے کہ کوئی مقدار اس کی حد بندی نہیں کرتی نہ کوئی جہت اس کا احاطہ کرتی ہے، زمین و آسمان کی وسعتیں اس کو گھیر نہیں سکتیں، وہ اپنی شان کے لائق عرش پر مستوی ہے، مگر عرش کو چھونے، قرار پکڑنے، اترنے اور منتقل ہونے سے پاک ہے۔ اسے عرش نہیں اٹھاتا، بلکہ عرش اور حاملین عرش کا تصور اس کے لطف و قدرت اور غلبہ پر محمول ہے۔ وہ عرش آسمان اور ہر چیز سے بالا ہے، وہ ایسی فوقیت سے متصف ہے۔ جو اسے عرش اور آسمان سے قریب نہیں کرتی، جس طرح اس کی دوری اسے زمین سے دور نہیں کرتی۔ وہ عرش اور آسمان سے بہت بلند ہے جس طرح زمین اور اس کی پستی سے بلند ہے، اس کے باوجود وہ ہر شے موجود سے قریب ہے وہ بندے کی شہ رگ سے قریب ہے، وہ ہر چیز پر شہید و نگہبان ہے۔ مگر اس کا قرب اجسام کے قرب کی طرح نہیں، نہ اس کی ذات پاک اجسام کی مانند ہے۔ وہ کسی چیز میں حلول نہیں کرتا، نہ اس میں کوئی چیز حلول کرتی ہے وہ اس بات سے پاک اور بلند ہے کہ زمان و مکان کا ظرف اس کا احاطہ کر سکے۔ بلکہ وہ اسی طرح ہے جس طرح زماں و مکان کی تخلیق سے پہلے تھا۔ وہ اپنی صفات میں مخلوق سے بالکل مختلف اور مبائن ہے، وہ تغیر و انتقال سے پاک ہے، اس کی ذات میں حادثات و تغیرات نہیں ہوتے، نہ اسے عوارض لاحق ہوتے ہیں، بلکہ وہ ہمیشہ نعوت جلال سے متصف اور صفات زوال سے پاک اور منزہ ہے۔ اس کی صفات انتہائی کمال پر ہیں وہ مزید تکمیل سے مستغنی ہیں، وہ اپنی ذات میں عقلاً معلوم الوجود اور لائق دیدار ہے، جنت میں نیکوکار انعام و اکرام کی بارش میں اس کی ذات کریمہ کا نظارہ کریں گے۔

حیات وقدرت

اللہ تعالیٰ زندہ، صاحب قدرت، جبار اور قاہر ہے وہ ہر نقص اور کمزوری سے پاک ہے۔ اسے نیند یا اونگھ نہیں آتی، نہ اس پر فناء یا موت طاری ہوتی ہے وہ ملک وملکوت اور عزت و جبروت کا مالک ہے، اقتدار و غلبہ اور خلق وامر اس کی دست قدرت میں ہے، ساری مخلوق اس کے سامنے مقہور اور دم بخود ہے وہ خلق و اختراع (پیدا کرنے) میں منفرد اور ایجاد و ابداع (وجود عطا کرنے) میں یکتا ہے مخلوق اور اس کے اعمال اسی کے پیدا کردہ ہیں، رزق اور اجل اسی کی ٹھہرائی ہوئی ہے کوئی تحت قدرت چیز اس کی قدرت سے باہر نہیں معاملات کی تبدیلیاں اس کی قدرت سے خالی نہیں۔ اس کی مقدورات بے شمار اور اس کی معلومات بے انتہاء ہیں۔

علم

اللہ تعالیٰ تمام معلومات کا عالم ہے اس کا علم زمین سے آسمان تک ذرے ذرے کو محیط ہے۔ اور کوئی ذرہ اس کے علم سے غائب نہیں، وہ کالی رات میں چٹان کے اوپر رینگنے والی چیونٹی کو بھی دیکھتا ہے وہ پوشیدہ رازوں سے آگاہ اور دل کے وسوسوں اور خطروں سے مطلع ہے۔ وہ علم ازلی سے متصف ہے اور اس کا علم متجدد نہیں،

ارادہ

اللہ تعالیٰ اشیائے کائنات کا مرید اور حادثات و واقعات کا مدبر ہے اس کی شاہی میں ہر شے، قلیل ہو یا کثیر، صغیر ہو یا کبیر، خیر ہو یا شر، نفع ہو یا ضرر، ایمان ہو یا کفر عرفان ہو یا نسیان، خسران ہو یا نقصان، طاعت ہو یا عصیان، اس کی قضاء وقدر اور مشیت وحکمت سے ہوتی ہے وہ جو چاہے ہوتا ہے اور جس کا ارادہ نہ کرے نہیں ہوتا، نظر کی جنبش اور دل کا خیال بھی اس کی مشیت سے باہر نہیں، وہ وجود میں لاتا ہے اور جو چاہے کر دکھاتا ہے۔ اس کے حکم کو رد کرنے والا اور قضا کو ٹالنے والا کوئی نہیں، معصیت ونافرمانی میں سوائے اس کی رحمت کے کوئی ٹھکانہ نہیں اس کے مشیت وارادہ کے بغیر نیکی کی قوت وطاقت نہیں، اگر تمام جن اور انسان،

فرشتے اور شیطان اس کی مشیت کے بغیر کسی ذرے کو حرکت دینے یا ساکن کرنے پر ایکا کرلیں تو ہرگز ایسا نہیں کر سکتے،

اس کا ارادہ تمام صفات میں بالذات قائم ہے، وہ ازل سے اس ارادہ کے ساتھ متصف ہے، وہ اشیاء کا جن اوقات میں ارادہ فرماتا ہے وہ انہی اوقات میں بلا تقدیم و تاخیر اور بلا تبدیل و تغیر رونما ہوتی ہیں، وجہ یہ ہے کہ اسے ایک کام دوسرے کام سے مشغول نہیں کرتا۔

سمع و بصر

اللہ تعالیٰ سمیع و بصیر ہے، وہ سنتا دیکھتا ہے، پست سے پست آواز اور باریک سے باریک چیز بھی اس کی صفت سمع و بصر سے باہر نہیں، دوری اس کے سننے میں رکاوٹ ہے نہ تاریکی اس کے دیکھنے میں مانع ہے وہ محسوس و مجسم آنکھ کے بغیر دیکھتا اور ظاہری کان کے بغیر سنتا ہے، جس طرح وہ بغیر دل کے جانتا اور بغیر ہاتھ کے پکڑتا ہے اور بغیر آلہ کے تخلیق کرتا ہے، اس کی صفات مخلوق کی صفات مشابہت نہیں رکھتیں جس طرح اس کی ذات مخلوق کی ذات سے مماثلت نہیں رکھتی۔

کلام

اللہ تعالیٰ متکلم ہے، وہ اپنے ازلی قدیم قائم بذاتہ کلام سے، جو کلام مخلوق سے مشابہہ نہیں، حکم دیتا، منع کرتا، اور وعدہ وعید دیتا ہے، اس کا کلام صوتی لہروں، اشیاء کے ٹکرانے، ہونٹوں کے ملنے، یا زبان کے ہلنے کا محتاج نہیں، قرآن تورات زبور اور انجیل اس کی کتابیں ہیں جو مختلف رسولوں پر نازل ہوئیں۔

قرآن زبان سے پڑھا جاتا ہے مصحف میں لکھا جاتا ہے، دلوں میں محفوظ کیا جاتا ہے، اس کے باوجود وہ قدیم ہے، ذات خداوندی سے قائم ہے دلوں اور صفحوں میں منتقل کرنے سے انفعال و افتراق کو قبول نہیں کرتا، موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کا کلام بغیر صوت و حرف کے سنا، جس طرح نیکوکار آخرت میں ذات خداوندی کا دیدار بغیر جوہر و عرض کے کریں گے، اللہ تعالیٰ ان صفات سے متصف ہونے کی وجہ سے حی، عالم قادر مرید، سمیع بصیر اور متکلم ہے۔

افعال

مرتبہ وجود میں اللہ تعالیٰ کی ذات پاک کے علاوہ کسی چیز کا وجود نہیں البتہ اللہ تعالیٰ کے افعال حادث ہیں اور اس کے عدل کا فیضان بطریق کمال ہو رہا ہے وہ اپنے افعال میں خودمختار ہے اور اپنے فیصلوں میں عادل ہے مگر اس کے عدل کو بندوں کے عدل پر قیاس نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ بندہ دوسرے کی ملک میں تصرف کی وجہ سے ظالم قرار پاتا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ سے ظلم متصور نہیں کیونکہ کائنات میں جو کچھ ہے وہ اسی کا ہے اس لئے وہ دوسرے کی ملک میں تصرف نہیں، جن وانس شیطان و ملک، زمین و فلک، حیوانات و نباتات، جوہر و عرض اور مدرک و محسوس سب کو اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے پیدا کیا ہے اور عدم کے بعد وجود بخشا ہے ازل میں صرف اللہ تعالیٰ کا وجود تھا، کوئی دوسرا نہ تھا۔ پس اس نے اظہار قدرت اور ارادۂ سابقہ کے ثبوت وتحق کے لئے مخلوق کو پیدا کیا، مگر یہ تخلیق واختراع اور تکلیف اس کا احسان ہے، واجب نہیں، اسی طرح انعام واصلاح اس کی کرم نوازی ہے اس پر لازم نہیں، وہ فضل و احسان اور نعمت وامتنان کا مالک ہے۔ اس کے باوجود وہ اپنے بندوں پر طرح طرح کا عذاب نازل کر سکتا ہے اور قسم قسم کے دکھوں اور مصیبتوں میں مبتلا کر سکتا ہے۔ اور اگر عذاب نازل بھی کرے تب بھی اس کا عدل ہے، ظلم نہیں، وہ اپنے لطف و کرم اور وعدہ کی وجہ سے بندوں کو ثواب عطا کرتا ہے استحقاق اور لزوم کی وجہ سے نہیں۔ کیونکہ کوئی فعل اس پر واجب نہیں نہ ظلم اس سے متصور ہے، نہ اس پر کسی کا حق ہے، نیکیوں کے سلسلہ میں بندوں پر اللہ تعالیٰ کا حق اس ایجاب کی وجہ سے ہے جو اس نے زبان انبیاء پر کیا ہے، یہ ایجاب مجرد عقل سے نہیں ہے اس نے انبیائے کرام کو مبعوث فرمایا پھر اظہار صداقت کے لئے انہیں معجزات سے مؤید فرمایا پس انہوں نے اللہ تعالیٰ کے اوامر ونواہی اور وعد و وعید کے بارے میں لوگوں کو آگاہ کر دیا اس لئے ان پر لازم ہے کہ وہ انبیائے کرام کے لائے ہوئے پیغام کی تصدیق کریں۔

کلمہ طیبہ کے دوسرے حصے کا مفہوم

کلمہ طیبہ کا دوسرا حصہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر مشتمل ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا پیغام دے کر تمام عرب وعجم اور جن وانس کی طرف بھیجا ہے۔

شیخ عامر بن نجا ساوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

''جب میں کلمہ طیبہ کے اس حصے پر پہنچا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ انور پر خوشی اور بشاشت کے آثار نظر آئے۔ پھر جب آپ کا ذکر مبارک کر چکا تو میری جانب روئے انور کر کے فرمایا۔ غزالی رحمہ اللہ کہاں ہے؟ پھر ایسا محسوس ہوا گویا امام غزالی رحمہ اللہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کھڑے ہیں۔ اور عرض کرتے ہیں۔ حضور! میں حاضر ہوں پھر آگے بڑھ کر سلام پیش کیا تو حضور نے ان کے سلام کا جواب دیا اور اپنا دست مبارک ان کے ہاتھ میں دیا۔ وہ دست مبارک کو چومنے لگے اور حصول تبرک کے لئے اپنے رخساروں پر رکھنے لگے۔ بعد ازاں بیٹھ گئے۔

میں نے دیکھا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو قواعد العقائد کے پڑھنے پر بہت زیادہ خوشی ہوئی۔ پھر میری آنکھ کھل گئی میں نے اس مشاہدہ اور عزت افزائی کی وجہ سے اپنی آنکھ میں آنسو دیکھے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا مجھ پر انعام عظیم ہے بالخصوص اس آخری زمانے میں، جب کہ خواہشات کی کثرت اور مادیت کی پریشانیاں ہیں۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اہل حق کے عقیدہ پر ثابت رکھے۔ ہم اسی پر زندہ رہیں اور اسی پر موت آئے۔ اللہ تعالیٰ انبیاء و مرسلین صدیقین شہداء اور صالحین کے ساتھ حشر فرمائے کیونکہ ان کی رفاقت بہترین رفاقت ہے فضل واحسان اللہ تعالیٰ ہی کے شایان شان ہے اور وہ جو چاہتا ہے۔ کرتا ہے۔

امام ابوالقاسم اسفرائینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

''یہ ابوالفتح ساوی رحمہ اللہ کے خواب کا مفہوم ہے جو انہوں نے مجھ سے فارسی زبان میں بیان کیا اور میں نے عربی میں اس کا ترجمہ کیا۔

امام تاج الدین سبکی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

''قواعد العقائد کی فصل اوّل کا تتمہ۔ جس سے اعتقاد کی تکمیل ہوتی ہے اور جسے شیخ ساوی رحمہ اللہ بارگاہِ رسالت میں پڑھ نہ سکے۔ مصلحتاً تحریر کیا جاتا ہے تاکہ اعتقاد کی تکمیل ہو۔ اور یاد کرنے والوں کے لئے کمی نہ رہ جائے۔''

امام غزالی رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔

''اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پیغام حق کے ساتھ تمام عرب، عجم اور جن و انس کی طرف مبعوث فرمایا اور آپ کی شریعت سے گزشتہ شرائع کو منسوخ کیا۔ البتہ شرائع سابقہ کے بعض حصے شریعت محمدیہ میں شامل کر کے برقرار رکھے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو تمام انبیاء کرام علیہم السلام پر فضیلت دی اور سید البشر بنایا۔ اور جب تک شہادت توحید یعنی **لا الٰہ الا اللّٰہ** کے ساتھ شہادت رسالت یعنی **مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہ** کو نہ ملایا جائے ایمان کامل نہیں ہوتا۔ اس لئے لوگوں پر لازم ٹھہرایا کہ دنیا و آخرت کی ان تمام باتوں کی تصدیق کریں جن کی خبر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دی۔

اللہ تعالیٰ کسی بندے کا ایمان قبول نہیں فرماتا جب تک کہ وہ موت کے بعد کی ان باتوں پر یقین نہ رکھے جن کی اطلاع حضور نے دی ہے۔ ان میں سے پہلی بات ''منکر و نکیر کا سوال'' ہے۔ منکر و نکیر دو خوفناک فرشتے ہیں جو بندے کو روح و جسد کے ساتھ قبر میں بٹھاتے ہیں۔ اور اس سے توحید و رسالت کے بارے میں سوال کرتے ہیں۔ اور پوچھتے ہیں کہ تیرا رب کون ہے؟ تیرا دین کیا ہے؟ اور تیرا نبی کون ہے؟

یہ فرشتے قبر کی آزمائش ہیں اور ان کا سوال موت کے بعد قبر کی پہلی آزمائش ہے اس کے ساتھ یہ ایمان رکھنا ضروری ہے کہ قبر کا عذاب حق ہے۔ دو پلڑوں والی ترازو جس پر اعمال کا وزن ہوگا۔ حق ہے۔ یہ ترازو آسمانوں اور زمین جتنی بڑی ہے۔ نیکیوں کے صحیفے باحسن طریق نورانی پلڑے میں ڈالے جائیں گے۔ تو ترازو اللہ کے فضل سے بحسب درجات جھک جائے گی۔ اسی طرح بدیوں کے صحیفے تاریک پلڑے میں ڈالے جائیں گے تو وہ پلڑا ہلکا ہو کر اٹھ جائے گا۔

صراط حق ہے۔ یہ جہنم کے اوپر ایک پل ہے جو تلوار سے تیز اور بال سے باریک تر ہے اس پر کافروں کے پاؤں بحکم خدا پھسلیں گے اور وہ جہنم کی آگ میں گر جائیں گے لیکن اہل ایمان کے قدم ثابت رہیں گے پھر انہیں بڑے اعزاز کے ساتھ جنت کی طرف لے جایا جائے گا۔ حوض کوثر بھی حق ہے یہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حوض ہے جس سے اہل ایمان جنت میں داخلہ سے پہلے اور پل صراط عبور کرنے کے بعد پئیں گے۔ اس کے بعد کبھی پیاسے نہ ہوں گے۔ اس حوض کی چوڑائی آسمان کے برابر ہے اور اس میں دو میزاب (پرنالے) ہیں جو کوثر سے آکر گرتے ہیں۔

روز حساب پر ایمان رکھنا لازم ہے۔ اس روز مخلوق کے درجات مختلف ہوں گے کسی سے بہ سختی حساب لیا جائے گا اور کسی سے نرمی کے ساتھ، اور اسے بغیر حساب جنت میں داخل کیا جائے گا۔ جنہیں بلا حساب جنت میں داخل کیا جائے گا وہ مقربین بارگاہ ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ انبیائے کرام میں سے جس سے چاہے گا تبلیغ رسالت کے بارے میں پوچھے گا۔ یونہی کافروں سے جس سے چاہے گا تکذیب رسالت کے بارے میں سوال کرے گا۔ وہ اہل اسلام سے بھی اعمال کی پرسش کرے گا۔ اور موحدین کو سزا کے بعد جہنم سے نکال کر دولت امن عطا کرے گا۔ جہاں تک کہ جہنم میں کوئی موحد باقی نہیں رہے گا۔

شفاعت انبیاء پر ایمان رکھنا بھی ضروری ہے پھر علماء و شہداء پھر تمام اہل ایمان کی شفاعت پر ایمان لانا ضروری ہے۔ سب کو منصب شفاعت درجہ بدرجہ نصیب ہوگا۔ اور جو اہل ایمان شفاعت سے رہ جائیں گے اس طرح کہ ان کو شفیع نہ ملے گا، اللہ تعالیٰ انہیں فضل و کرم سے جہنم سے نکال لے گا۔ کوئی مومن جہنم میں ہمیشہ ہمیشہ نہیں رہے گا (بلکہ جس کے دل میں ذرہ برابر بھی ایمان ہوگا وہ جہنم سے نکل آئے گا۔

اسی طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی فضیلت اور بلند مرتبہ کا اعتقاد رکھنا بھی ضروری ہے اور یہ کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب لوگوں سے افضل حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہیں پھر عمر فاروق رضی اللہ عنہ ہیں پھر عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ ہیں اور ان کے بعد

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ ہیں۔

آدمی کے لئے لازم ہے کہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے حسن ظن رکھے اور ان کی تعریف کرے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تعریف فرمائی۔ یہ سب کچھ سنت نبویہ میں آیا اور آثار واخبار اس پر شاہد ہیں۔ جو شخص ان تمام باتوں پر ایمان رکھتا ہے وہ اہل حق اور گروہ اہل سنت سے تعلق رکھتا ہے اور گمراہوں سے الگ ہے ہم اللہ تعالیٰ سے کمالِ یقین اور استقامت دین کا سوال کرتے ہیں بے شک وہ سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔

و صلی اللہ علی رسولہ محمد و علی الہ و صحبہ اجمعین

چھبیسویں حکایت

اس خواب کو مؤلف کتاب فقیر یوسف بن اسماعیل نبہانی عفا اللہ عنہ نے دیکھا۔ جب میں نے تالیف کتاب کا آغاز کیا۔ اور حضرات خلفائے ثلاثہ کی افضلیت پر لکھ چکا۔ تو میں نے خلافتِ عثمان رضی اللہ عنہ سے پہلے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حضرت عثمان پر فضیلت کا ذکر کیا۔ کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بکثرت ذاتی فضائل روایات میں آئے ہیں اور یہ وہ کچھ ہے جو میرے قاصر ذہن میں آیا۔ خلافت عثمان کو مقدم کرنے کی وجہ یہ تھی کہ اس میں عظیم فتوحات ہوئیں۔ بڑے بڑے کارنامے سرانجام دیے گئے اور حدود اسلام کو وسعت ملی۔

پھر ۱۴ سولہ ربیع الاوّل ۱۳۲۰ھ کی صبح امام ابن حجر رحمہ اللہ کی کتاب ''الصواعق المحرقہ'' میں خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے فضائل پڑھے تو تشویش سی ہوئی۔ کیونکہ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فضیلت کی طرف مائل تھا۔ اگر چہ خلافت عثمان سے پہلے، مگر یہ مذہب اہل سنت کے خلاف تھا۔ جمہور اہل سنت مطلقاً تفضیل عثمان رضی اللہ عنہ پر متفق ہیں۔ اس بارے میں انہوں نے خلافت سے پہلے یا بعد کی کوئی تخصیص نہیں رکھی۔

پھر مجھے نیند سی آنے لگی تو اسی تشویش میں سونے کے لئے بستر پر گیا مگر لیٹنے سے پہلے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں مسئلہ تفضیل پیش کرنے کا خیال آیا۔ تاکہ

اس مسئلہ کی وضاحت ہو جائے۔اس کے بعد میری آنکھ لگ گئی۔خواب میں کیا دیکھتا ہوں کہ چار آدمی ہیں جنہیں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ میں سے کسی ایک کا انتخاب کرنے کا اختیار دیا گیا۔ان چاروں سے میری جان پہچان ہے اور میں ان سے پرزور سفارش کرتا ہوں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو منتخب کریں۔کیونکہ مجھے یقین ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے زیادہ خلافت کے مستحق ہیں۔اور اس بارے میں ادنیٰ سا تردد بھی نہیں۔ان میں سے دو شخص میرے دوست ہیں جو مجھے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے تقرر کا یقین دلاتے ہیں۔جس سے مجھے اطمینان سا ہوتا ہے پھر تیسرے شخص کے پاس جاتا ہوں اور اسے خلوت میں لے جا کر اپنی خواہش کا اظہار کرتا ہوں۔وہ بھی مجھے وعدہ دیتا ہے مگر مجھی اس کے وعدہ پر زیادہ یقین نہیں ہوتا کیونکہ اس کے ساتھ میری راہ و رسم نہیں۔اس لئے میں اپنی بات بار بار دہراتا ہوں اور وہ مجھے بار بار یقین دہانی کراتا ہے یہاں تک کہ مجھے اس کا اعتبار آ جاتا ہے اس کے بعد میں چوتھے شخص کے پاس سفارش کے لئے جانے کا ارادہ کرتا ہوں مگر ملنے سے پہلے ہی آنکھ کھل جاتی ہے۔

میرے اس بیان کردہ خواب پر اللہ تعالیٰ گواہ ہے (کہ یہ من گھڑت نہیں) اس سے ظاہر ہوا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی فضیلت میں میرا تردد بالکل بے محل اور غلط تھا اور ایسا کیوں نہ ہو؟ جمہور اہل سنت کا حضرت عثمان کی تقدیم و تفضیل پر اتفاق ہے۔بخدا مجھے اس خواب پر بہت خوشی ہوئی اور اللہ تعالیٰ کی نظر عنایت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ کرم سے میرے دل میں صحابہ کرام اور بعد کے جمہور سلف و خلف کی مخالفت کا کوئی اثر باقی نہیں رہا۔والحمد للہ۔

ستائیسویں حکایت

کتاب اہذا کا مؤلف کہتا ہے میں نے بیروت میں ۲۱ جمادی الاولیٰ ۱۳۱۹ھ دن کے وقت خواب میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی زیارت کی۔آپ گندم گوں اور میانہ قد تھے۔آپ کے سامنے حکمین کا مسئلہ پیش کیا گیا۔تو فرمایا (جس کا مفہوم یہ ہے کہ) اللہ تعالیٰ نے حکمین کا کیا ہوا فیصلہ کب مقدر ٹھہرایا؟ تو آپ کا ارشاد سمجھ میں آ گیا میں نے عرض کیا

حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی تخلیق سے بہت پہلے۔ پھر میری آنکھ کھل گئی۔ واللہ اعلم بہ۔

مؤلف کتاب عرض پرداز ہے۔

یہاں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے فضائل و مناقب پر گفتگو نیز اللہ تعالی اور اس کے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول احکام، اور خواب و بیداری میں آئمہ اعلام کے ارشادات کی تکمیل ہوئی۔

میرے نزدیک مناسب یہ ہے کہ ان متعدد مبشرات کو بھی مذکورہ بالا فضائل و مناقب اور احکامات و منامات کے ساتھ ملحق کر دیا جائے۔ جو میں نے اپنی کتاب سعادۃ الدارین اور ''مقدمہ مجموعہ نبہانیہ'' میں ذکر کئے ہیں۔ اور یہ مبشرات بحمدہ تعالی بہت بڑی نعمت ہیں جو مجھے نبی اکرم حبیب اعظم سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کی برکت سے نصیب ہوئے۔

۳ جمادی الاولی ۱۳۲۱ھ سوموار کی صبح خواب میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار ہوا ایسا محسوس ہوا گویا حضور کی مجلس شریف میں دیگر لوگوں کے ہمراہ حاضر ہوں اسی اثناء میں کچھ لوگ مسائل پوچھنے کے لئے آئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے مسئولہ سوالات کے جوابات دیئے پہلے ایک شخص کے سوال کا جواب دیا پھر دوسرے کا ارادہ فرمایا جو آپ سے شحاذہ (گداگری) کے بارے میں پوچھنا چاہتا تھا۔ آپ نے خود ہی سوال فرمایا۔ کیا تو شحاذہ کے بارے میں پوچھنا چاہتا ہے؟ اس نے عرض کیا ہاں یا رسول اللہ! تو آپ نے جواب سے پہلے دست اقدس اس چٹائی کی طرف بڑھایا جس پر وہ بیٹھا تھا۔ اور اس سے ایک تند توڑی۔ میں مراد کو سمجھ گیا۔ گویا یہ بات میرے دل میں تھی۔ چٹائی کی تند توڑنے سے کہ گداگری کی خرابیاں شمار کرے اور ہر خرابی پر ایک گرہ لگائے۔ کیونکہ ان کی تعداد زیادہ ہے میں چاہتا تھا کہ اس شخص کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اشارہ سمجھا دوں مگر حضور کا ادب واحترام مانع تھا۔ پھر قبل اس کے کہ حضور تفصیل فرماتے، میری آنکھ کھل گئی۔ شامت اعمال کہ اس خواب سے پہلے تین سال ہوئے میں دیدار رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محروم تھا۔ اس رات درود شریف کا وہ جامع

صیغہ کثرت سے پڑھا جو اللہ تعالیٰ نے مجھے الہام فرمایا تھا۔ وہ صیغہ درود یہ ہے:

عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ مِنْ صَلَوٰتِ اللّٰہِ وَ بَرَکَاتِہٖ فِیْ کُلِّ لَحْظَۃٍ مَایُمَاثِلُ فَضْلَکَ الْعَظِیْمِ وَ یُعَادِلُ قَدْرَکَ الْفَخِیْمِ وَ یَجْمَعُ لَکَ فَضَائِلَ جَمِیْعِ اَنْوَاعِ الصَّلٰوتِ وَالْبَرَکَاتِ وَالتَّسْلِیْمِ

یا رسول اللہ! ہر گھڑی آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ تعالیٰ کے درود وسلام اور تحیات و برکات ہوں جو آپ کے فضل عظیم کے مماثل اور قدر فخیم کے برابر ہوں اور اللہ تعالیٰ آپ کے لئے تمام انواع صلوات و برکات وتسلیم جمع فرمادے۔

اس درود شریف میں انواع الصلوٰۃ والتسلیم کے الفاظ تھے۔ میں نے برکات کا لفظ اپنی بیٹی فاطمہ کے اس خواب کی وجہ سے کیا جو مقدمہ مجموعہ نبہانیہ میں مذکور ہے اس خواب میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے میری بیٹی سے فرمایا۔ اپنے باپ سے کہو۔ برکتی یعنی میری برکت یہ سنت نہیں فرض ہے البتہ فرضِ خفیف ہے۔ اس کے بعد مجھے درود شریف میں لفظ برکت پڑھنے کی شدید حرص رہی ہے۔

میں نے بحوالہ قول بدیع از امام سخاوی سعادۃ الدارین میں نقل کیا کہ امام ابن حزم عمر بھر میں ایک بار لفظ برکت کے ساتھ درود کی فرضیت کے قائل ہیں۔ پھر ۱۳۲۲ھ کے ماہ ربیع میں دیکھا کہ میں مسجد نبوی میں حجرہ مقدسہ کی طرف منہ کر کے بیٹھا ہوں اور بار بار یہ شعر پڑھ رہا ہوں۔

وَمَنْ تَکُنْ بِرَسُوْلِ اللّٰہِ نُصْرَتُہٗ　　اِنْ تَلْقَہُ الْاُسْدُ فِیْ اٰجَامِھَا تَجِمِ

اور جس کی نصرت واعانت کا واسطہ اور ذریعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہوں وہ محفوظ ومنصور ہے اگر گھنے جنگلوں میں اسے شیر بھی مل جائیں تو خاموشی سے راستہ چھوڑ دیتے ہیں۔

اس خواب کے بعد میں نے اپنی کتاب ''نجوم المھتدین'' کی طباعت کا عزم مصمم کیا۔ پہلے کچھ خطرات تھے۔ اس لئے طبع کرانے میں متردد تھا۔ مگر اب اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے طباعت کے اسباب ومراحل آسان ہو گئے ہیں۔ میں نے اسے مصر بھیجا اور وہ وہاں بغیر کسی رکاوٹ کے زیور طباعت سے آراستہ ہوگئی۔ والحمد اللہ رب اللعالمین

میری بیٹی فاطمہ سات رجب ۱۳۲۲ھ جمعرات کو خواب میں دیدار مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے مشرف ہوئی اور کئی بار حضور انور کے قدم مبارک چومے۔ حضور نے بھی از راہ خوشی اس کی طرف نگاہِ التفات کی اور کرم نوازی کرتے ہوئے اسے اپنے ساتھ تخت پہ بٹھایا اور یہ دیدار کا تیسرا خواب تھا جو اس نے دیکھا۔

میری رفیقۂ حیات صفیہ نے بھی شب جمعہ پانچ محرم الحرام ۱۳۲۱ھ کو خواب میں حضور کی زیارت کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر اقدس پر سفید طربوش (ٹوپی) تھی جس سے نور چھلک رہا تھا۔ اور ایک شخص پکار کر کہہ رہا تھا۔

''یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔''

میری بیٹی فاطمہ اور زوجہ صفیہ نے اس طرح کے کئی اور مبارک خواب دیکھے ہیں جنہیں میں نے سعادۃ الدارین اور مقدمہ مجموعہ نبہانیہ میں نقل کیا ہے۔

جن مبشرات سے مجھے انتہائی مسرت ہوئی ان میں سے ایک یہ ہے کہ میں نے ۲۲ ذی الحج ۱۳۲۰ھ کی رات خواب میں دیکھا کہ امام شرف الدین بوصیری رحمہ اللہ بیروت میں تشریف لائے ہیں تاکہ قصیدۂ بردہ شریف صحت کے ساتھ چھپوائیں۔ پھر اس کام کے لئے مجھ پر اعتماد فرمایا اور واپس اسکندریہ چلے گئے۔ میں نے خواب ہی میں اس کا تذکرہ ایک جماعت سے کیا اور انہیں قسم دے کر کہا۔

''اس ذات پاک کی قسم جس کے علاوہ کوئی مستحق عبادت نہیں اور جس نے عرش عظمت پر استواء فرمایا کہ میری امام بوصیری رحمہ اللہ نے خواب میں ملاقات ہوئی۔ وہ قصیدہ بردہ شریف صحت کے ساتھ طبع کرانے کے لئے تشریف لائے تھے۔ اور یہ کام میرے سپرد کر گئے اور میں ان دنوں مجموعہ نبہانیہ کی طباعت میں مشغول تھا۔ مجموعہ نبہانیہ میں امام بوصیری کے تمام قصائد شامل ہیں جو کسی اور کتاب میں جمع نہیں ہوئے۔ قصیدہ بردہ شریف بھی ان قصائد میں سے ایک ہے۔

☆☆☆☆☆

تکمیل کلام

خوابوں کی شرعی حیثیت

شرع شریف کی نظر میں خواب بہت معتبر ہیں۔ اس میں صرف جاہل بدعتیوں اور گمراہوں کا اختلاف ہے۔ اور وہ معتبر کیوں نہ ہوں۔ جبکہ کتاب و سنت میں ان کے معتبر ہونے اور ان سے دلچسپی رکھنے کے بہت سے دلائل ہیں۔

قرآن حکیم میں خوابوں کا تذکرہ

قرآن حکیم میں متعدد خوابوں کا ذکر آیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

لقد صدق اللّٰہ رسُولہُ الرُّؤیا بالحقِ لتدخُلنّ المسجدالحرام ان شآءَ اللّٰہُ امنِیْنَ	بے شک اللہ نے سچ کر دیا اپنے رسول کا سچا خواب بے شک تم ضرور مسجد حرام میں داخل ہو گے اگر اللہ چاہے۔ امن و امان سے

سیدنا یوسف علیہ السلام کا خواب ان الفاظ میں بیان ہوا ہے۔

اِذْ قَالَ یُوْسُفُ لابیہ یٰابتِ اِنِّی رَأیتُ احدَ عشرَ کوکبًا وَّالشمسُ وَالقمَرَ رَأیتھُمْ لِیْ ساجدِین o قال یا بُنَیَّ لا تقصُصْ رُؤیاکَ علٰی اخوتِکَ فیکیدُوا لکَ کیدًا ط (یوسف: ۴)	یاد کرو جب یوسف نے اپنے باپ سے کہا اے میرے باپ میں نے گیارہ تارے اور سورج اور چاند دیکھے۔ انہیں اپنے لئے سجدہ کرتے دیکھا۔ کہا اے میرے بچے! اپنا خواب اپنے بھائیوں سے نہ کہنا کہ وہ تیرے ساتھ کوئی چال چلیں گے۔

ایک اور مقام پر جیل خانے کے دو قیدیوں، نیز بادشاہ کی سات گائیوں والی خواب کا ذکر ہے (ملاحظہ فرمایئے سورۂ یوسف) سورۂ یوسف میں یوسف علیہ السلام کے الفاظ ہیں:

يَٰٓأَبَتِ هَٰذَا تَأْوِيلُ رُءْيَٰيَ مِن قَبْلُ قَدْ جَعَلَهَا رَبِّى حَقًّا (یوسف: ۱۰۰)

یوسف نے کہا اے میرے باپ یہ میرے پہلے خواب کی تعبیر ہے۔ بے شک اسے میرے رب نے سچا کیا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قصے میں ہے:

فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْىَ قَالَ يَٰبُنَىَّ إِنِّىٓ أَرَىٰ فِى الْمَنَامِ أَنِّىٓ أَذْبَحُكَ فَانظُرْ مَاذَا تَرَىٰ ۚ (الصٰفٰت: ۱۰۲)

پھر جب وہ (یعنی اسماعیل) اس کے ساتھ کام کے قابل ہو گیا۔ کہا اے میرے بیٹے میں نے خواب دیکھا میں تجھے ذبح کرتا ہوں اب تو دیکھ تیری کیا رائے ہے؟

ایک اور ارشاد گرامی ہے:

لَهُمُ الْبُشْرَىٰ فِى الْحَيَوٰةِ الدُّنْيَا

ان کے لئے دنیا کی زندگی میں بشارت ہے

امام عینی رحمۃ اللہ علیہ شرح بخاری کی کتاب التعبیر کے باب مبشرات میں زیر آیت لَهُمُ الْبُشْرَىٰ لکھتے ہیں بُشْرَىٰ سے مراد ''اچھا خواب'' ہے۔ اس کو امام ترمذی رحمۃ اللہ اور ابن ماجہ رحمۃ اللہ نے روایت کیا اور حاکم نے اس کی تصحیح کی۔ اور یہ ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن از عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

احادیث میں خوابوں کا حکم

بخاری رحمہ اللہ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''نیک آدمی کا سچا خواب نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہے۔''

امام قسطلانی رحمہ اللہ مواہب میں فرماتے ہیں۔

''انبیائے کرام علیہم السلام کے خواب وحی ہوتے ہیں۔'' کچھ علماء کا اس بارے میں اختلاف ہے۔ علمائے کرام کا یہی نظریہ ہے اور سیدی عبدالوہاب الشعرانی رحمہ اللہ نے الیواقیت والجواھر میں اسی پر اقتصار کیا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو چھ ماہ تک حالت خواب میں وحی فرمائی۔ اس کے بعد عمر بھر بیداری میں وحی کا سلسلہ جاری رہا۔ اس

منامی وحی کی نبوت کے چھیالیسویں حصے کے ساتھ نسبت اسی وجہ سے ہے کہ اعلان نبوت کے بعد تیئس سال تک حیات رہے۔ یہی صحیح قول ہے۔

مسند احمد میں ام کرز کعبیہ رضی اللہ عنہا سے منقول حدیث ہے۔ جسے ابن خزیمہ اور ابن حبان نے صحیح سند کے ساتھ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا۔

ذَهَبَتِ النُّبُوَّةُ وَبَقِيَتِ الْمُبَشِّرَاتُ — نبوت ختم ہوگئی ہے صرف مبشرات رہ گئے ہیں۔

امام احمد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مرفوعاً نقل کرتے ہیں کہ حضور نے فرمایا:

لَمْ يَبْقَ بَعْدِيْ مِنَ الْمُبَشِّرَاتِ اِلَّا الرُّؤْيَا — میرے بعد مبشرات میں سے کچھ نہیں بچا سوائے خوابوں کے۔

صحیح مسلم اور ابوداؤد میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مرض وصال میں پردہ اٹھا کر دیکھا۔ اس وقت آپ شدت درد کے باعث سر اقدس پر پٹی باندھے ہوئے تھے۔ اور لوگ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پیچھے صفیں باندھ کر کھڑے تھے۔ آپ نے فرمایا:

''لوگو! مبشراتِ نبوت میں سے کچھ نہیں بچا سوائے ان صالح خوابوں کے جو ایک مسلمان دیکھتا ہے یا اس کے لئے دکھائے جاتے ہیں۔''

امام مسلم، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ''نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب زمانہ قریب آ لگے گا تو مسلمانوں کے خواب جھوٹے نہ ہوں گے اور تم میں سے جو زیادہ سچا ہوگا اس کے خواب بھی زیادہ سچے ہوں گے۔''

امام مسلم، حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اچھا خواب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے جب کہ برا خواب شیطان کی طرف سے ہوتا ہے۔ اس لئے جب کوئی ناگوار خواب دیکھے تو بائیں طرف تھوک دے اور بارگاہ الٰہی میں شیطان کی شرارتوں سے پناہ مانگے۔ اور کسی کو نہ بتائے۔ اگر اچھا خواب نظر آئے تو اس سے خوش ہو اور سوائے اپنے محبوب شخص کے کسی کے سامنے بیان نہ کرے۔''

خوابوں کے بارے میں بہت سی احادیث آئی ہیں جن کے احاطہ اور استقصاء کی ضرورت نہیں جو زیادہ تحقیق کا طالب ہو وہ کتب احادیث کی طرف رجوع کرے۔

امام قسطلانی رحمہ اللہ تعالیٰ مواہب میں فرماتے ہیں:

تمام خواب دو اقسام میں منحصر ہیں۔

پہلی قسم: اضغاث احلام (پریشان خواب)

ان خوابوں سے ڈرنے کی ضرورت نہیں اور ان کی کئی صورتیں ہیں۔

۱۔ شیطان کی چھیڑ خانی تاکہ خواب دیکھنے والا پریشان ہو۔ مثلاً دیکھے کہ اس کا سر قطع ہو گیا اور وہ اس کے تعاقب میں ہے یا اسے نظر آئے کہ وہ خوفناک جگہ میں ہے اور اسے کوئی بچانے والا نہیں۔

امام مسلم، حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔ ''کہ ایک اعرابی بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوا۔ اور عرض کرنے لگا۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں نے خواب میں دیکھا کہ میرا سر کٹ گیا ہے اور میں اس کے پیچھے جا رہا ہوں۔ حضور نے اسے ڈانٹ کر فرمایا: شیطان خواب میں جو تمہارے ساتھ شرارت اور چھیڑ خانی کرتا ہے اس کا کسی سے ذکر نہ کیا کرو۔''

۲۔ دوسری صورت یہ ہے کہ مثلاً کسی فرشتے کو خواب میں دیکھے جو اسے فعل حرام یا امرِ محال کے ارتکاب کا حکم دے۔

۳۔ تیسری صورت یہ ہے کہ آدمی حالت بیداری میں جو افکار و خیالات اور خواہشات رکھتا ہو وہ رات کے وقت خواب میں نظر آئیں۔ یا اسی قسم کے دیگر پریشان خواب ہیں۔

دوسری قسم: سچے خواب

یہ انبیائے کرام اور نیک لوگوں کے خواب ہیں۔ انبیاء و صلحاء کے علاوہ دیگر لوگوں کو ایسے خواب شاذ و نادر ہی نظر آتے ہیں۔ یہ سچے خواب جس طرح نظر آتے ہیں اسی طرح بیداری میں وقوع پذیر ہوتے ہیں۔ مثلاً نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں دیکھا کہ آپ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہمراہ مسجد حرام میں امن کے ساتھ سر منڈا کر داخل ہو رہے ہیں۔ پھر

حالت بیداری میں ایسا ہی ظہور پذیر ہوا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بے شمار خواب، اس طرح ظاہر ہوئے جس طرح صبح کا اجالا ظاہر ہوتا ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔ کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف وحی کا آغاز سچے خوابوں کی صورت میں ہوا۔ آپ جو خواب دیکھتے وہ صبح کے اجالے کی مانند ظاہر ہوتا۔ (بخاری)

امام قسطلانی رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

خوابوں کے لحاظ سے آدمیوں کے تین درجے ہیں۔ پہلا درجہ انبیائے کرام کا ہے۔ ان کے تمام خواب سچے ہیں، البتہ بعض خوابوں میں وضاحت کی ضرورت ہوتی تھی۔ دوسرا درجہ صالحین کا ہے ان کے زیادہ تر خواب سچے ہوتے ہیں۔ البتہ بعض خوابوں کی تعبیر اور وضاحت کی ضرورت نہیں ہوتی۔ تیسرا درجہ عام لوگوں کا ہے ان کے خواب سچے بھی ہوتے ہیں اور جھوٹے بھی۔ جنہیں پریشان خواب کہتے ہیں۔ پھر خواب دیکھنے والوں کی تین قسمیں ہیں۔

۱۔ مستورین: ان کے سچے اور پریشان خواب برابر ہوتے ہیں۔

۲۔ فاسقین: ان کے زیادہ تر پریشان خواب ہوتے ہیں اور سچے خواب شاذ و نادر ہی ہوتے ہیں۔

۳۔ کافرین: تیسری قسم کافروں کی ہے۔ ان کے خواب بہت کم سچے ہوتے ہیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مذکورہ بالا ارشاد کہ زیادہ سچے لوگوں کے خواب بھی زیادہ سچے ہوتے ہیں۔ میں اسی حقیقت کی طرف اشارہ ہے۔

بعض کافروں کے خواب بھی سچے ہو سکتے ہیں۔ جیسے حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ جیل خانہ میں رہنے والے دو قیدیوں کے خواب یا شاہ مصر کا خواب ہے جس میں اس نے سات گائیں دیکھی تھیں۔ انتہی کلام القسطلانی

جھوٹے خواب پر وعید

جھوٹا خواب بیان کرنے پر امام بخاری رحمہ اللہ علیہ نے دو حدیثیں نقل کی ہیں:

۱۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ تَحَلَّمَ بِحُلْمٍ لَمْ يَرَهُ كُلِّفَ اَنْ يَعْقِدَ بَيْنَ شَعِيْرَتَيْنِ وَلَنْ يَفْعَلَ — جس نے بن دیکھے خواب کا دعویٰ کیا اسے مجبور کیا جائے گا کہ دو جوؤں کے درمیان گرہ لگائے اور وہ ایسا نہیں کر سکے گا۔

وَ فِي رِوَايَةِ اَبِي هُرَيْرَةَ مَنْ كَذَبَ فِي رُؤْيَاهُ — ابو ہریرہ کی روایت میں ہے کہ جس نے خواب میں جھوٹ بولا۔

۲۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اِنَّ مِنْ اَفْرَى الْفِرَى اَنْ يُرِيَ عَيْنَيْهِ مَالَمْ تَرَ — بے شک بدترین جھوٹ یہ ہے کہ آدمی اپنی آنکھوں کی طرف ان چیزوں کے دیکھنے کی نسبت کرے جو ان کو دکھائی نہیں گئیں۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ علیہ فتح الباری میں فرماتے ہیں:

جھوٹے خواب کے بارے میں امام طبری رحمہ اللہ علیہ رقم طراز ہیں کہ یہ شدید وعید کا حامل ہے۔ البتہ بیداری کے جھوٹ میں کبھی نقصان زیادہ ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ کبھی قتل و غارت پر جھوٹی گواہی کا باعث بنتا ہے۔ جھوٹے خواب میں وعید کی وجہ یہ ہے کہ آدمی اس چیز کی خواب میں دکھانے کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کر دیتا ہے جو اس نے دیکھی نہیں ہوتی۔ اور اللہ تعالیٰ پر افتریٰ کرنا مخلوق پر جھوٹ باندھنے سے زیادہ شدید ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَيَقُوْلُ الْاَشْهَادُ هٰؤُلَآءِ الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلٰى رَبِّهِمْ (هود: ۱۸) — (جب افتراء پرداز اللہ کے حضور پیش ہوں گے تو) گواہ کہیں گے یہ ہیں جنہوں نے اپنے رب پر جھوٹ بولا تھا۔

اور خواب کا جھوٹا دعویٰ از روئے حدیث اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھنے کے مترادف ہے۔

حدیث میں ہے:

اَلرُّؤْيَا جُزْءٌ مِنَ النُّبُوَّةِ — خواب جزو نبوت ہے۔

اور جو چیز نبوت کی خبر ہو۔ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ اھ

امام عسقلانی رحمہ اللہ علیہ فتح الباری ہی میں فرماتے ہیں:

حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہ میں لفظ اَفْرٰی افعل التفضیل ہے۔ اس کا معنی ہے بہت بڑا جھوٹ۔ الفری فا کی زیر اور قصر کے ساتھ فریہ کی جمع ہے ابن بطال کہتے ہیں فریہ بہت بڑے جھوٹ کو کہتے ہیں جس کو سن کر آدمی سر پکڑ لے۔ اور ششدر رہ جائے۔ انتہیٰ۔

اور یہ ظاہر ہے کہ ایسا جھوٹا خواب دینی امور سے متعلق ہو سکتا ہے بالخصوص نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار کے بارے میں۔ دنیاوی امور میں جھوٹ کی نسبت شدید گناہ ہے اور ضرر رساں ہے (تو دینی امور میں جھوٹ کی نسبت کس قدر عظیم وبال کا باعث ہوگی؟) اس کے شدید ترین گناہ ہونے کی دلیل وہ متواتر صحیح حدیث ہے جو بخاری مسلم اور دیگر کتب حدیث میں آئی ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جس نے عمداً مجھ پر جھوٹ باندھا وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنا لے۔''

ایک اور صحیح حدیث میں فرمایا:

''مجھ پر جھوٹ باندھنا کسی دوسرے پر جھوٹ باندھنے کی طرح نہیں اس لئے کہ جو مجھ پر جان بوجھ کر جھوٹ باندھے وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنا لے۔''

امام ابن حجر رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''بقول علماء یہ حدیث سرحد تواتر تک پہنچی ہوئی ہے۔ بزار نے اسے چالیس صحابہ کرام سے مرفوعاً نقل کیا ہے۔

امام ابن صلاح رحمہ اللہ علیہ کہتے ہیں۔ ''یہ حدیث متواتر ہے اسے صحابہ کرام کے جم غفیر نے روایت کیا:

ایک قول ہے کہ اس روایت کے راوی اسی (۸۰) صحابہ کرام ہیں جن میں عشرہ مبشرہ بالجنۃ بھی شامل ہیں۔

اس حدیث میں اگرچہ اس جھوٹ سے منع کیا گیا ہے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ان

احادیث کی طرف منسوب کیا جائے جو حالت بیداری میں صادر ہوئیں مگر اس جھوٹ کے شمول سے مانع نہیں جو حالت خواب میں ہو۔ اور آپ کی طرف منسوب کیا جائے بلکہ اس میں گناہ دو وجہ سے زیادہ ہو جاتا ہے۔

۱۔ خواب کا جھوٹا دعویٰ کرنے کی وجہ سے، یہ فی نفسہ شدید حرام ہے۔

۲۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر افتراء پردازی کی وجہ سے۔ اور یہ انتہائی شدید گناہ ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعظم۔

و صلی اللّٰہ تعالٰی علی سیّدِنا مُحمَّد النبی الامی و علی آلہٖ و صحبہٖ و سلم۔
کُلّما ذَکَرَہُ الذّاکِرُوْنَ و غَفَلَ عَنْ ذِکْرِہِ الْغافِلُوْنَ عدد خلقہ و رِضا نفسہٖ و زِنَۃَ عَرْشِہٖ و مِداد کَلِماتِہٖ

سُبْحَانَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّۃِ عَمَّا یَصِفُوْنَ وَسَلامٌ علی الْمُرْسلِیْن والحَمْدُ لِلّٰہ رَبِّ الْعٰالَمِیْنَ

کتاب "الاسالیب البدیعہ" (کمالات اصحاب رسول) صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اختتام کو پہنچی۔ والحمد للّٰہ رب العالمین

☆☆☆☆☆

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کا انسائیکلوپیڈیا

امام علامہ یوسف بن اسماعیل نبہانی رحمۃ اللہ علیہ کی نادر تصنیف

حُجّۃ اللّٰہ علی العالمین فی معجزاتِ سیّد المرسلین ﷺ

اردو ترجمہ کے ساتھ پیشِ خدمت ہے

مترجم: پروفیسر علامہ محمد اعجاز جنجوعہ

خصوصیات

1. معجزہ کی حقیقت، معجزاتِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا دیگر انبیائے کرام کے معجزات سے موازنہ۔
2. سیرتِ مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر پہلو میں پوشیدہ معجزات کا ترتیب وار مفصل بیان۔
3. فضائل و خصائصِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور احوال سیرت کا عشق افروز تذکرہ۔
4. آمد و بعثتِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق آسمانی کتب، یہودی و نصرانی علماء، کاہنوں اور جنات کی بشارات کا تفصیلی بیان۔
5. معجزاتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل پر اکابر ائمہ کرام کے فرمودات کا بیان۔
6. علمِ غیبِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم مسئلہ استغاثہ، توسّل اور کراماتِ اولیاء کے اثبات پر مدلّل بحث۔
7. صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی کرامات کا جامع تذکرہ۔

ملنے کا پتہ: نوریہ رضویہ پبلیکیشنز
گنج بخش روڈ۔ لاہور
فون 7313885